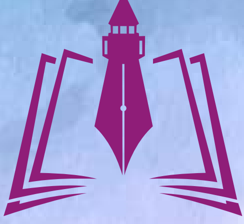


شمارہ: 26
مارچ،اپریل 2024

مدیر: ذوالکفل اصغر بھٹی

دوماہی قندیل حق لندن

QINDEEL-E-HAQ

A.R. Khan: +44-7886304637 E-Mail : ranarazzaq52@gmail.com

اس لئے بھی لہو میں رنگین ہوں — کوئی یورپ نہیں میں فلسطین ہوں
مجھ پہ بارُود کی کھُل کے بارش کرو — میرے وارِث نہیں ہیں، میں غمگین ہوں





مسجد نصرت جہاں، بنگلہ دیش



مسجد ناصر Stuttgart جرمنی

صفحہ	مضامین	نمبر شمار

مجلس ادارت



ادا ریہ

ارض فلسطین کے تاریخی المیہ پر جماعت احمدیہ اور عرب مسلمانوں کا روّیہ



رانا عبدالرزاق خان ۔لندن

گزشتہ سال کے آخر پر شروع ہونے والی جنگ فلسطینی سرزمین پر دکھوں اور مظالم کی انمٹ داستانیں رقم کرتی ہوئی 2024 میں داخل ہو چکی ہے۔ بے گوروکفن لاشیں، ملبے کے ڈھیروں تلے دبی خوبصورت بستیوں کے خون میں رنگین کھنڈرات، ہر طرف پھیلی تباہی اور بے حسی کی داستانیں جو ایک طرف ترقی یافتہ ممالک کے منہ پر طمانچہ اور او، آئی ،سی کی نمائندہ اسلامی سلطنتوں کے اخلاقی دیوالیہ پن کا نقد ثبوت ہیں تو دوسری طرف فلسطین کے مفتی کا چند ٹکوں کے عوض استعمار کے ہاتھوں اپنا ایمان بیچ دینے کا عملی اظہار۔

آج جس بربادی کے ڈھیر پر ایک مظلوم فلسطینی بچہ لاچاری کی تصویر بنا کھڑا ہے۔ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کی مومنانہ فراست اور عمیق نظر نے اسے پہلے دن سے ہی دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے مئی 1948 کو ہی امت مسلمہ کو آگاہ کرتے ہوئے ''الکفر ملة واحدة' جیسا عظیم انتباہ امت مسلمہ کے سامنے رکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''فلسطین ہمارے آقا اور مولیٰ کی آخری آرام گاہ کے قریب ہے جن کی زندگی میں بھی یہودی ہر قسم کے نیک سلوک کے باوجود بڑی بے شرمی اور بے حیائی سے ان کی ہر قسم کی مخالفتیں کرتے رہے، اکثر جنگیں یہود کے اکسانے پر ہوئی تھیں۔ کسریٰ کو رسول کریم ﷺ کے قتل کروانے پر انہوں نے ہی اکسایا تھا۔ خدا نے ان کا منہ کالا کیا مگر انہوں نے خبث باطن کا اظہار کیا۔ غزوہ احزاب کی لیڈری یہود ہی کے ہاتھ میں تھی۔ سارا عرب اس سے پہلے کبھی اکٹھا نہ ہوا تھا۔ مکہ والوں میں ایسی قوت انتظام تھی ہی نہیں۔ یہ مدینہ سے جلاوطن شدہ یہودی قبائل ہی کا کارنامہ تھا کہ انہوں نے سارے عرب کو اکٹھا کر کے مدینہ کے سامنے لا ڈالا۔ خدا نے ان کا بھی منہ کالا کیا مگر یہود نے اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ رسول کریم ﷺ کے اصل دشمن تو مکہ والے تھے مگر مکہ والوں نے کبھی دھوکے سے آپ کی جان لینے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے مقابلہ میں بدبخت یہودی جس کو قرآن کریم مسلمان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتا ہے اس نے رسول کریم ﷺ کو اپنے گھر بلایا اور صلح کے دھوکہ میں چکی کا پاٹ کوٹھے پر سے پھینک کر آپ کو مارنا چاہا خدا تعالیٰ نے آپ کو اس منصوبہ کی خبر دی اور آپ سلامت وہاں سے نکل آئے۔ یہودی قوم کی عورت نے آپ کی دعوت کی اور زہر ملا ہوا کھانا آپ کو کھلایا۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے اس موقع پر بھی بچالیا۔ مگر یہودی قوم نے اپنا اندرونہ ظاہر کر دیا۔ یہی دشمن ایک مقتدر حکومت کی صورت میں مدینہ کے پاس سر اٹھانا چاہتا ہے شائد اس نیت سے کہ اپنے قدم مضبوط کر لینے کے بعد وہ مدینہ کی طرف بڑھے جو مسلمان یہ خیال کرتا ہے کہ اس بات کے امکانات بہت کم ہیں اس کا دماغ خود کمزور ہے۔''

باری باری مرنا چاہیئے یا اکٹھے ہو کر فتح کے لیے کافی جدوجہد کرنی چاہیئے

''سوال فلسطین کا نہیں مدینہ کا ہے، سوال یروشلم کا نہیں سوال خود مکہ کا ہے۔ سوال زید و بکر کا نہیں سوال خود محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت کا ہے دشمن باوجود اپنی مخالفتوں کے اسلام کے مقابل پر اکٹھا ہو گیا ہے کیا مسلمان باوجود ہزاروں اتحاد کی وجوہات کے اس موقع پر اکٹھا نہیں ہو گا؟ ہمارے لیے یہ سوچنے کا موقع آ گیا ہے کہ کیا ہم کو الگ الگ اور باری باری مرنا چاہیئے یا اکٹھے ہو کر فتح کے لیے کافی جدوجہد کرنی چاہیئے''

اگر مسلمان تقویٰ کے ساتھ متحد نہ ہوئے تو

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ایک دفعہ پھر فلسطین میں آباد ہوں گے لیکن یہ نہیں کہا گیا کہ وہ ہمیشہ کے لیے آباد ہوں گے۔ یہود نے آزاد حکومت کا وہاں اعلان کر دیا ہے لیکن اگر ہم نے تقویٰ سے کام نہ لیا تو پھر یہ پیشگوئی لمبے وقت تک پوری ہوتی چلی جائے گی اور اسلام کے لیے ایک نہائت خطرناک دھکا ثابت ہوگی۔'' (الکفر ملة واحدة انوار العلوم جلد 19 صفحہ 571 تا 574)

اس سے پہلے آپ نے 27 نومبر 1947 کو روزنامہ الفضل لاہور میں ''تقسیم فلسطین کے متعلق روس اور یونائیٹڈ سٹیٹس کے اتحاد کا راز'' کے موضوع پر ایک اداریہ تحریر کیا جس میں انہوں نے امت مسلمہ کو اس بین الاقوامی دجالی مکروفریب سے آگاہ کر دیا تھا۔ انہیں کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفة المسیح الرابع حضرت مرزا طاہر احمد نور اللہ مرقدہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ ''اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جب تقسیم فلسطین کا ظالمانہ فیصلہ ہوا تو اس سے پہلے وہ کون سی آواز تھی جس نے سارے عالم کو خبردار اور متنبہ کیا تھا اور جس سے عرب دنیا میں بھی اور عرب سے باہر بھی ایک تہلکہ مچ گیا تھا یہ دردمندانہ انتباہ حضرت خلیفة المسیح الثانیؓ کی آواز تھی۔ آپ نے دل دہلا دینے والا ایک پمفلٹ لکھ کر کثرت سے شائع کیا جس میں مسلمانوں کو متنبہ کیا اور بتایا کہ تم اس گمان میں نہ رہو کہ آج مغرب تمہارا دشمن ہے تو مشرق تمہارا دوست ہوگا یا مشرق تمہارا دشمن ہے تو مغرب تمہارا دوست ہوگا فرمایا میں تمہیں بتاتا ہوں۔ یہ اپنی دشمنیاں اسلام سے دشمنی کی وجہ سے بھلا بیٹھے ہیں اور ایک ہو گئے ہیں۔ کیا تم میں غیرت نہیں ہے کیا تم میں اسلام کی ایسی محبت نہیں ہے کہ جس کی خاطر تم اپنی دشمنیوں کو بھلا کر ایک ہو جاؤ۔ تو آپ نے ایک اور مضمون لکھا اور اسے بڑی کثرت سے شائع فرمایا۔''

جب تک احمدی مسلمانوں کی جماعت میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ مگر افسوس عرب کا مفتی اور برصغیر کا مولوی سستے خرید لیے گئے اور یوں استعماریت نے سازشوں کے نئے جال بن کر امت مسلمہ کو ان دجالی دھندلکوں سے بیدار کرنے والی آواز کے خلاف ہی کھڑا کرا دیا۔ حضرت خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللہ نے ایک موقع پر اس راز سے پردہ ہٹاتے ہوئے ذکر فرمایا تھا کہ حضور کی ان کاوشوں پر استعماری طاقتیں کس طرح تلملا اٹھیں تھیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ''اس وقت عرب دنیا کا جو حال تھا اور جس طرح وہ احمدیت کی ممنون احسان تھی ۔ ایک اقتباس پڑھ کر سناتا ہوں جس سے نہ صرف عرب دنیا کے (جماعت احمدیہ کی خدمات کے حوالہ سے) خیالات کا پتہ چلتا ہے بلکہ استعماری طاقتوں نے اس پر کیا ردعمل دکھایا اور حضرت مصلح موعود کی آواز کو کیا اہمیت دی اس کا ذکر بھی اس سے ملتا ہے۔

عراق کے ایک مشہور اور بزرگ صحافی الاستاذ علی الخیاط آفندی جن کا ایک مشہور و معروف اور موقر اخبار ''الانباء'' کے نام پر نکلتا ہے لکھتے ہیں

'' یہ غیر ملکی حکومتیں ہمیشہ کوشش کرتی ہیں کہ مسلمانوں میں مختلف نعرے لگوا کر منافرت پیدا کی جائے اور بعض فرقے احمدیوں کی تکفیر اور ان پر نکتہ چینی کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ مجھے اس کی پوری پوری اطلاع ہے کہ درحقیقت یہ سب کاروائی استعماری طاقتیں کروا رہی ہیں کیونکہ فلسطین کی گزشتہ جنگ کے ایام میں 1948 میں استعماری طاقتوں نے خود مجھ کو اس معاملہ میں آلہ کار بنانے کی کوشش کی تھی۔ ان دنوں میں ایک ظرافتی پرچے کا ایڈیٹر تھا اور اس کا انداز حکومت کے خلاف نکتہ چینی کا انداز تھا چنانچہ انہی دنوں مجھے ایک غیر ملکی حکومت کے ذمہ دار نمائندہ مقیم بغداد نے ملاقات کے لیے بلایا اور کچھ چاپلوسی کے طور پر میرے انداز نکتہ چینی کی تعریف کرنے کے بعد مجھے کہا کہ آپ اپنے اخبار میں قادیانی جماعت کے خلاف زیادہ سے زیادہ دل آزار طریق پر نکتہ چینی جاری رکھیں کیونکہ یہ جماعت دین سے خارج ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب 1948 میں ارض مقدسہ کا ایک حصہ کاٹ کر صیہونی حکومت کے سپرد کر دیا گیا تھا اور اسرائیلی سلطنت قائم ہوئی تھی اور میرا خیال ہے کہ مذکورہ بالا سفارت خانہ کا یہ اقدام درحقیقت ان دو ٹریکٹوں کا عملی جواب تھا جو تقسیم فلسطین کے موقع پر اسی سال جماعت احمدیہ نے شائع کئے تھے۔ جس میں استعماری طاقتوں اور صیہونیوں کی ان سازشوں کا انکشاف کیا گیا تھا جن میں فلسطینی بندرگاہوں کو یہودیوں کے سپرد کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ جب تک احمدی مسلمانوں کی جماعت میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ جن سے استعماری طاقتوں کی پیدا کردہ حکومت اسرائیل کو ختم کرنے میں مدد ملے تب تک استعماری طاقتیں بعض لوگوں اور فرقوں کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گی کہ وہ

احمدیوں کے خلاف اس قسم کی نفرت انگیزی اور نکتہ چینی کرتے رہیں تاکہ مسلمانوں میں اتحاد نہ ہو سکے۔'' (الانباء 21 ستمبر 1951 بحوالہ مجلہ التقویٰ ستمبر اکتوبر 1989)

مگر افسوس عرب کا مفتی اور برصغیر کا مولوی بک گیا:

پھر وہی ہوا کہ برصغیر کا مولوی اور عرب کا مفتی خرید لیا گیا۔ بکنے والی چیز تھی بک گئی اور پھر وہی ہوا سستے داموں ایمان کی تجارت کرنے والوں نے شاہ فاروق جو مشہور استعمار پرست تھے، کی مدد سے مفتی فلسطین سے حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان اور جماعت کے خلاف فتویٰ جاری کروالیا۔ جنرل عزام پاشا جو عرب لیگ کے سیکرٹری تھے تڑپ اٹھے اور لکھا کہ: ''ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ظفر اللہ خان اپنے قول اور اپنے کردار کی رو سے مسلمان ہیں روئے زمین کے تمام حصوں میں اسلام کی مدافعت کرنے میں آپ کامیاب رہے اور اسلام کی مدافعت میں جو موقف بھی اختیار کیا گیا اس کی کامیاب حمائت ہمیشہ آپ کا طرہ امتیاز رہا۔'' (جریدہ الاخبار القاھریہ 23 جون 1952)

ایک اور اخبار نے زیر عنوان ''اے کافر! خدا تیرے نام کی عزت بلند کرے'' لکھا:

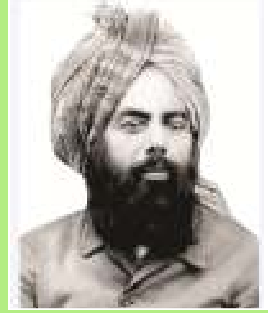
''مفتی نے ظفر اللہ کو کافر و بے دین قرار دیا۔ آؤ سب مل کر چوہدری محمد ظفر اللہ خان پر سلام بھیجیں۔ ظفر اللہ خان کافر کے کیا کہنے ان جیسے اور بڑے بڑے دسیوں کافروں کی ہمیں ضرورت ہے۔'' (المصری 26 جون 1952 بحوالہ البشریٰ ستمبر 1952 جلد 18 صفحہ 119)

ایک اور عربی اخبار ''الیوم'' 26 جولائی 1952 نے لکھا ''وہ شخص جو استعماریت کا بڑی قوت اور بلاغت اور صدق بیانی سے مقابلہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ بھی جس کی زبان اور دل پر حق جاری کرتا ہے وہ بھی اگر کافر قرار دیا جاسکتا ہے تو نیک لوگوں کی اکثریت ایسے کافر بن جانے کی خواہش کرے گی۔''

مفتی اور مولوی کا بکنا ہی تھا کہ اسلام کے اتحاد کی امید ٹوٹ گئی اور پھر استعمار نے دن رات ایک کر کے ہر قسم کی طاقت جماعت احمدیہ کے خلاف جھونک دی۔ جماعت احمدیہ کا کیا نقصان ہونا تھا وہ تو نہ ہوا مگر وہ جو خلیفۃ المسیح نے انتباہ کیا تھا وہ فلسطینی قوم کا کالا مقدر بن کر 2024 تک پھیل گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا ''قرآن کریم اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ایک دفعہ پھر فلسطین میں آباد ہوں گے لیکن یہ نہیں کہا گیا کہ وہ ہمیشہ کے لیے آباد ہوں گے۔ یہود نے آزاد حکومت کا وہاں اعلان کر دیا ہے لیکن اگر ہم نے تقویٰ سے کام نہ لیا تو پھر یہ پیشگوئی لمبے وقت تک پوری ہوتی چلی جائے گی اور اسلام کے لیے ایک نہائت خطرناک دھکا ثابت ہوگی۔'' (الکفر ملۃ واحدۃ انوار العلوم جلد 19 صفحہ 571 تا 574)

ایک شاعر کہتا ہے کہ حبس جتنی شدید ہوتی ہے بارش اتنی قریب ہوتی ہے۔ ظلم کا یہ ازلی اصول ہے کہ بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے جبکہ ارض فلسطین کی تولیت اور قبضہ کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کا فرقان حمید میں واضح فرمان موجود ہے۔ پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ید ہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 7 جنوری 2024 کو مجلس انصار اللہ فرانس کے ساتھ ورچوئیل ملاقات میں اسی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''عباد الصالحین جب بن جائیں گے مسلمان امن میں آکر دوبارہ وہاں قبضہ کرلیں گے۔ اس کے لیے میں نے یہ کہا تھا کہ بلکہ مربیان کو بھی سرکلر کروایا تھا کہ حضرت مصلح موعود کی تفسیر کبیر میں سے بنی اسرائیل کے پہلے رکوع کا آخری حصہ ہے اس کو پڑھیں۔ سورۃ انبیاء کی آیت نمبر 106 * ہے اس کی تفسیر پر اس میں سارا آجائے گا کہ فلسطین کے اور اسرائیل کے حالات کیا ہیں اور یہ کیا ہونا ہے۔ اس کے بعد اس پر قبضہ کس طرح ہوگا۔ یہ اسلحہ سے، جنگوں سے نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہی وہاں شرط رکھی ہے۔ عباد الصالحون پیدا ہوں گے، وہی قبضہ کریں گے۔ جب ہماری یہ حالت ہو جائے گی تو حالات بھی بہتر ہو جائیں گے۔ اصل چیز یہی ہے کہ ہم جتنا جلدی اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے والے ہوں گے تو اتنی جلدی اللہ تعالیٰ ہی ہمارے لیے حالات بہتر کرے گا۔ اب تفسیر پڑھیں۔۔۔ بلکہ ہم نے کہا تھا مسجدوں میں درس بھی دیا کریں۔''

قندیل حق کے قارئین کی سہولت کے لیے پیارے آقا کے ارشاد کے مطابق سورہ انبیاء کی آیت نمبر 106 کی حضرت مصلح موعود کی بیان فرمودہ تفسیر کو اگلے صفحات میں شائع کیا جا رہا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ارض فلسطین کو جلد ظالموں کے پنجہ سے نجات دے اور صالحین کے سپرد کرے۔ (آمین)



دربار امام مہدی علیہ السلام سے خصوصی انتخاب

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے کئی ایک مواقع پر مولوی حضرات کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات کے تفصیل سے جوابات تحریر کئے ہیں جن میں سے چند ایک قارئین قندیل حق کی خدمت میں پیش ہیں۔ آپؑ لکھتے ہیں:

1۔ ''**اور پھر ایک اور نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لیے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے** حالانکہ یہ ان کا سراسر افترا ہے۔ بلکہ جس نبوت کا دعویٰ کرنا قرآن شریف کے رو سے منع معلوم ہوتا ہے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا گیا صرف یہ دعویٰ ہے کہ ایک پہلو سے میں امتی ہوں اور ایک پہلو سے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض نبوت کی وجہ سے نبی ہوں اور نبی سے مراد صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالیٰ سے بکثرت شرف مکالمہ ومخاطبہ پاتا ہوں بات یہ ہے کہ جیسا کہ مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اگرچہ اس امت کے بعض افراد مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں اور قیامت تک مخصوص رہیں گے لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امورغیبیہ اس پر ظاہر کئے جائیں وہ نبی کہلاتا ہے۔ اب واضح ہو کہ احادیث نبویہ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا اور نبی کے نام سے موسوم کیا جائے گا یعنی اس کثرت سے مکالمہ ومخاطبہ کا شرف اس کو حاصل ہوگا اور اس کثرت سے امورغیبیہ اس پر ظاہر ہوں گے کہ بجز نبی کے کسی پر ظاہر نہیں ہو سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (الجن 27-28) یعنی خدا اپنے غیب پر کسی کو پوری قدرت اور غلبہ نہیں بخشتا جو کثرت اور صفائی سے حاصل ہوسکتا ہے بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو۔ اور یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جس قدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ ومخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امورغیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں تیرہ سو 1300 برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی اگر کوئی منکر ہو تو بار ثبوت اس کی گردن پر ہے۔

غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امورغیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرت امورغیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط اُن میں پائی نہیں جاتی اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہوجاتی۔ کیونکہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں وہ بھی اسی قدر مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ اور امورغیبیہ سے حصہ پا لیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہوجاتے تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہوجاتا اس لیے خدا تعالیٰ کی مصلحت نے ان بزرگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ پیشگوئی پوری ہوجائے اور یاد رہے کہ ہم نے محض نمونے کے طور پر چند پیشگوئیاں اس کتاب میں لکھی ہیں مگر دراصل وہ کئی لاکھ پیشگوئی ہے جن کا سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا اور خدا کا کلام اس قدر مجھ پر ہوا ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس 20 جزو سے کم نہیں ہوگا۔ اب ہم اسی قدر پر کتاب کو ختم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے چاہتے ہیں کہ اپنی طرف سے اس میں برکت ڈالے۔ اور لاکھوں دلوں کو اس کے ذریعہ سے ہماری طرف کھینچے۔ آمین۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

{حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 406 تا 407}

2۔ پھر بعض لوگ شور مچاتے ہیں کہ اگر آنے والا وہی عیسٰی ابن مریم اسرائیلی نبی نہ تھا تو آنے والے کا یہ نام کیوں رکھا؟

مَیں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض کیسی نادانی کا اعتراض ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ اعتراض کرنے والے اپنے لڑکوں کا نام تو موسیٰ۔ عیسٰی۔ داؤد۔ احمد۔ ابراہیم۔ اسماعیل رکھ لینے کے مجاز ہوں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کا نام عیسٰی رکھ دے تو اس پر اعتراض!!! غور طلب بات تو اس مقام پر یہ تھی کہ آیا آنے والا اپنے ساتھ نشانات رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ ان نشانات کو پاتے تو انکار کے لیے جرأت نہ کرتے مگر انہوں نے نشانات اور تائیدات کی تو پروانہ کی اور دعویٰ سنتے ہی کہہ دیا۔ اَنْتَ کَافِرٌ۔ (لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد 20، صفحہ 291)

3۔ بعض کم سمجھ لوگ جو کتاب اللہ اور حدیث نبوی میں تدبر نہیں کرتے وہ میرے مہدی ہونے کو سن کر یہ کہا کرتے ہیں کہ مہدی موعود تو سادات میں سے ہوگا۔

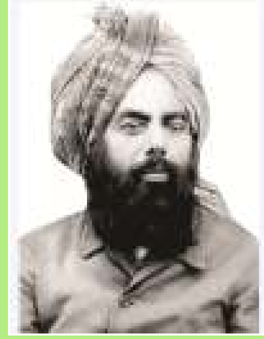
سو یاد رہے کہ باوجود اس قدر جوش مخالفت کے ان کو احادیث نبویہ پر بھی عبور نہیں مہدی کی نسبت احادیث میں چار قول ہیں (1) ایک یہ کہ مہدی سادات میں سے ہوگا (2) دوسرے یہ کہ قریش میں سے۔ سادات ہوں یا نہ ہوں (3) تیسرے یہ حدیث ہے کہ رجل من امتی۔ یعنی مہدی میری امت میں سے ایک مرد ہے خواہ کوئی ہو۔ (4) چوتھے یہ حدیث ہے کہ لَا مھدی اِلَّا عیسٰی یعنی بجز عیسٰی کے اور کوئی مہدی نہیں ہوگا وہی مہدی ہے جو عیسٰی کے نام پر آئے گا۔ اسی آخری قول کے مصدّق وہ اقوال محدّثین ہیں جن میں یہ بیان ہے کہ مہدی کے بارے میں جس قدر احادیث ہیں بجز حدیث عیسٰی مہدی کے کوئی اُن حدیثوں میں سے جرح سے خالی نہیں مگر عیسٰی کا مہدی ہونا بلکہ سب سے بڑا مہدی ہونا تمام اہل حدیث اور ائمہ اربعہ کے نزدیک بغیر کسی نزاع کے مسلّم ہے۔ پس میں وہی مہدی ہوں جو عیسٰی بھی کہلاتا ہے اور اس مہدی کے لیے شرط نہیں ہے کہ حسنی یا حسینی یا ہاشمی ہو۔ منہ

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23، حاشیہ صفحہ 2)

4۔ (حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف شہیدؓ کو حضور اقدسؑ نے ایک اعتراض سمجھایا) حضورؑ فرماتے ہیں:

''میں نے ایک موقعہ پر ایک اعتراض کا جواب بھی اُن کو سمجھایا تھا جس سے وہ بہت خوش ہوئے تھے۔ اور وہ یہ کہ جس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں۔ اور آپ کے خلفاء مثیل انبیاء بنی اسرائیل ہیں۔ تو پھر کیا وجہ کہ مسیح موعود کا نام احادیث میں نبی کر کے پکارا گیا ہے۔ مگر دوسرے تمام خلفاء کو یہ نام نہیں دیا گیا۔

سو مَیں نے اُن کو یہ جواب دیا کہ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تھا۔ اس لیے اگر تمام خلفاء کو نبی کے نام سے پکارا جاتا تو امر ختم نبوت مشتبہ ہو جاتا اور اگر کسی ایک فرد کو بھی نبی کے نام سے نہ پکارا جاتا تو عدم مشابہت کا اعتراض باقی رہ جاتا۔ کیونکہ موسیٰؑ کے خلفاء نبی ہیں۔ اس لیے حکمت الٰہی نے یہ تقاضا کیا کہ پہلے بہت سے خلفاء کو برعایت ختم نبوت بھیجا جائے اور اُن کا نام نبی نہ رکھا جائے۔ اور یہ مرتبہ ان کو نہ دیا جائے تا ختم نبوت پر یہ نشان ہو۔ پھر آخری خلیفہ یعنی مسیح موعود کو نبی کے نام سے پکارا جائے تا خلافت کے امر میں دونوں سلسلوں کی مشابہت ثابت ہو جائے۔ اور ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں کہ مسیح موعود کی نبوت ظلّی طور پر ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز کامل ہونے کی وجہ سے نفس نبی سے مستفیض ہو کر نبی کہلانے کا مستحق ہو گیا ہے۔ جیسا کہ ایک وحی میں خدا تعالیٰ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ یا احمد جُعلت مُرسلا۔ اے احمد تو مرسل بنایا گیا۔ یعنی جیسے کہ تو بروزی رنگ میں احمد کے نام کا مستحق ہوا۔ حالانکہ تیرا نام غلام احمد تھا سو اسی طرح بروز کے رنگ میں نبی کے نام کا مستحق ہے۔ کیونکہ احمد نبی ہے۔ نبوت اس سے منفک نہیں ہو سکتی۔'' (تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20، صفحہ 45 تا 46)



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ

نادر وظائف

زندگی کی مختلف مشکلات اور مصائب میں پھنسے احباب جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے در دولت پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست کے ساتھ کئی دفعہ کوئی وظیفہ مقرر کرنے کی درخواست بھی کرتے۔ آپ علیہ السلام نے کچھ مواقع پر انتہائی شفقت کرتے ہوئے کئی ایسے احباب کو قرآن کریم سے کئی ایک وظائف پڑھنے کی نصیحت کی۔ ان قیمتی نصائح اور نادر وظائف میں سے کچھ انتخاب پیش ہے۔ یہ نادر وظائف خاص طور پر پہلی دفعہ کسی انٹرویو پر جانے والے ڈرے ہوئے احباب، حالت زچگی کی درد میں مبتلا خواتین اور فاقہ کی دلدل میں پھنسے احباب کرام کے لیے دربار امام مہدی علیہ السلام کا ایک نادر تحفہ ہیں۔ یہ وظائف سیرت المہدی سے منتخب کئے گئے ہیں۔

1۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ بشیر اوّل کی پیدائش کے وقت میں قادیان میں تھا۔ قریباً آدھی رات کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا میاں عبداللہ اس وقت ہمارے گھر میں درد زِہ کی بہت تکلیف ہے۔ آپ یہاں یٰسین پڑھیں اور میں اندر جا کر پڑھتا ہوں اور فرمایا کہ یٰسین کا پڑھنا بیمار کی تکلیف کو کم کرتا ہے چنانچہ نزع کی حالت میں بھی اسی لیے یٰسین پڑھی جاتی ہے کہ مرنے والے کو تکلیف نہ ہو۔ اور یٰسین کے ختم ہونے سے پہلے تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد حضور اندر تشریف لے گئے اور میں یٰسین پڑھنے لگ گیا تھوڑی دیر کے بعد جب میں نے ابھی یٰسین ختم نہیں کی تھی آپ مسکراتے ہوئے پھر مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا ہمارے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس کے بعد حضرت صاحب اندر تشریف لے گئے اور میں خوشی کے جوش میں مسجد کے اوپر چڑھ کر بلند آواز سے مبارک باد مبارک باد کہنے لگ گیا۔

(2) بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ 10ء ماہ ذی الحجہ بروز جمعہ بوقت دس بجے حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اگر کسی شخص کا خوف ہو اور دل پر اس کے رعب پڑنے کا اندیشہ ہو تو آدمی صبح کی نماز کے بعد تین دفعہ یٰسین پڑھے اور اپنی پیشانی پر خشک انگلی سے یَاعَزِیْزُ لکھ کر اس کے سامنے چلا جاوے انشاءاللہ اس کا رعب نہیں پڑے گا بلکہ خود اس پر رعب پڑ جائے گا اور ویسے بھی حضرت صاحب نے مجھے ہر روز کے واسطے بعد نماز فجر تین دفعہ یٰسین پڑھنے کا وظیفہ بتایا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فرمان میاں عبداللہ صاحب نے اپنی نوٹ بک میں نوٹ کیا ہوا تھا اس لیے تاریخ وغیرہ پوری پوری محفوظ رہی اور خاکسار اپنی رائے سے عرض کرتا ہے کہ یا عزیز کے الفاظ میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب انسان اپنے قلب پر خدا کی طاقت و جبروت اور قہر و غلبہ کی صفات کا نقشہ جمائے گا اور ان کا تصور کرے گا تو لازمی طور پر اس کا قلب غیر اللہ کے رعب سے آزاد ہو جائے گا اور بوجہ اس کے کہ وہ مومن ہے اس کو ان صفات کے مطالعہ سے ایک طاقت ملے گی جو دوسرے کو مرعوب کر دے گی اور انگلی سے لکھنا علم النفس کے مسئلہ کے ماتحت تصور کو مضبوط کرنے کے واسطے ہے ورنہ وظائف کوئی منتر جنتر نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم

(3)۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب ابھی حضور نے سلسلہ بیعت شروع نہیں فرمایا تھا میں نے ایک دفعہ حضرت سے عرض کیا کہ حضور میری بیعت لیں۔ آپ نے فرمایا پیر کا کام بھنگی کا سا کام ہے اسے اپنے ہاتھ سے مرید کے گند نکال نکال کر دھونے پڑتے ہیں اور مجھے اس کام سے کراہت آتی ہے۔ میں نے عرض کیا حضور تو پھر کوئی تعلق تو ہونا چاہیئے میں آتا ہوں اور اوپرا اوپرا چلا جاتا ہوں۔ حضور نے فرمایا اچھا تم ہمارے شاگرد

بن جاؤ اور ہم سے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ لیا کرو۔ پھر عید کے دن حضور نے فرمایا جاؤ ایک آنہ کے پتاشے لے آؤ تا باقاعدہ شاگرد بن جاؤ۔ میں نے پتاشے لاکر سامنے رکھ دیئے جو حضور نے تقسیم فرمادیئے اور کچھ مجھے بھی دے دیئے۔ پھر حضور مجھے ایک ہفتہ کے بعد ایک آیت کے سادہ معنے پڑھا دیا کرتے تھے اور کبھی کسی آیت کی تھوڑی سی تفسیر بھی فرما دیتے تھے۔ ایک دن فرمایا میاں عبداللہ میں تم کو قرآن شریف کے حقائق و معارف اس لیے نہیں بتاتا کہ میں تم میں ان کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں دیکھتا۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ اس کا مطلب میں یہ سمجھا ہوں کہ اگر مجھے اس وقت وہ بتائے جاتے تو میں مجنون ہو جاتا۔ مگر میں اس سادہ ترجمہ کا ہی جو میں نے آپ سے نصف پارہ کے قریب پڑھا ہوگا اب تک اپنے اندر فہم قرآن کے متعلق ایک خاص اثر دیکھتا ہوں نیز میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور میں جب قادیان آتا ہوں تو اور تو کوئی خاص بات محسوس نہیں ہوتی مگر میں یہ دیکھتا ہوں کہ یہاں وقتاً فوقتاً یکلخت مجھ پر بعض آیات قرآنی کے معنے کھولے جاتے ہیں اور میں اس طرح محسوس کرتا ہوں کہ گویا میرے دل پر معانی کی ایک پوٹلی بندھی ہوئی گرادی جاتی ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہمیں قرآن شریف کے معارف دے کر ہی مبعوث کیا گیا ہے اور اسی کی خدمت ہمارا فرض مقرر کی گئی ہے پس ہماری صحبت کا بھی یہی فائدہ ہونا چاہیئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھ سے حاجی عبدالمجید صاحب لدھیانوی نے بھی بیان کیا کہ ہمارے پہلے پیر منشی احمد جان صاحب مرحوم نے بھی حضرت صاحب سے بیعت کی درخواست کی تھی مگر حضور نے فرمایا لَسْتُ بِمَأْمُوْرٍ یعنی مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل نے بھی جب حضور سے بیعت کی درخواست کی تھی تو حضور نے یہی جواب دیا تھا کہ مجھے اس کا حکم نہیں ملا پھر بعد میں جب حکم ہوا تو حضور نے بیعت کا سلسلہ شروع فرمایا۔

(4)۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب آتھم کی میعاد میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھ سے اور میاں حامد علی مرحوم سے فرمایا کہ اتنے چنے (مجھے تعداد یاد نہیں رہی کہ کتنے چنے آپ نے بتائے تھے) لے لو اور ان پر فلاں سورۃ کا وظیفہ اتنی تعداد میں پڑھو (مجھے وظیفہ کی تعداد بھی یاد نہیں رہی)۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے وہ سورۃ یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ وہ کوئی چھوٹی سی سورۃ تھی۔ جیسے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (الفیل:2) ہے الخ اور ہم نے یہ وظیفہ قریباً ساری رات صرف کر کے ختم کیا تھا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب کے پاس لے گئے کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وظیفہ ختم ہونے پر یہ دانے میرے پاس لے آنا۔ اس کے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان سے باہر غالباً شمال کی طرف لے گئے اور فرمایا یہ دانے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈالے جائیں گے۔ اور فرمایا کہ جب میں دانے کنوئیں میں پھینک دوں تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہیئے اور مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے ایک غیر آباد کنوئیں میں ان دانوں کو پھینک دیا اور پھر جلدی سے منہ پھیر کر سرعت کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ جلدی جلدی واپس چلے آئے اور کسی نے منہ پھیر کر پیچھے کی طرف نہیں دیکھا۔ (اس روایت میں جس طرح دانوں کے اوپر وظیفہ پڑھنے اور پھر ان دانوں کو کنوئیں میں ڈالنے کا ذکر ہے۔ اس کی تشریح حصہ دوم کی روایت نمبر 12 میں کی جاچکی ہے۔ جہاں پیر سراج الحق صاحب مرحوم کی روایت سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ کام ایک شخص کی خواب کو ظاہر میں پورا کرنے کے لیے کروایا گیا تھا۔ ورنہ ویسے اس قسم کا فعل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت اور سنت کے خلاف ہے اور دراصل اس خواب کے تصویری زبان میں ایک خاص معنی تھے۔ جو اپنے وقت پر پورے ہوئے۔)

(5) بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے بیان فرمایا کہ قرآن شریف کی جو آیات بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہیں اور ان پر بہت اعتراض ہوتے ہیں دراصل ان کے نیچے بڑے بڑے معارف اور حقائق کے خزانے ہوتے ہیں اور پھر مثال دے کر فرمایا کہ ان کی ایسی ہی صورت ہے جیسے خزانہ کی ہوتی ہے جس پر سنگین پہرہ ہوتا ہے اور جو بڑے مضبوط کمرے میں رکھا جاتا ہے جس کی دیواریں بہت موٹی ہوتی ہیں اور

دروازے بھی بڑے موٹے اورلوہے سے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں اور بڑے بڑے موٹے اورمضبوط قفل اس پر لگے ہوتے ہیں۔اوراس کے اندر بھی مضبوط آہنی صندوق ہوتے ہیں جن میں خزانہ رکھا جاتا ہے اور پھر یہ صندوق بھی خزانہ کے اندراندھیری کوٹھڑیوں اورتہ خانوں میں رکھے جاتے ہیں۔جس کی وجہ سے ہر شخص وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اورنہ اس سے آگاہ ہوسکتا ہے بمقابلہ نشست گاہ ہونے کے جو کھلے کمرے ہوتے ہیں اوردروازوں پر بھی عموماً شیشے لگے ہوئے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے باہر والا شخص بھی اندر نظر ڈال سکتا ہے اور جو اندر آنا چاہے بآسانی آسکتا ہے۔

(6) بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔اے کہ والدصاحب تین کتابیں بہت کثرت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔یعنی قرآن مجید، مثنوی رومی اور دلائل الخیرات اور کچھ نوٹ بھی لیا کرتے تھے اور قرآن شریف بہت کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

(7) بیان کیا مجھ سے میری نانی اماں صاحبہ نے کہ ایک دفعہ جب تمہارے نانا کی بدلی کاہنووان میں ہوئی تھی۔میں بیمار ہوگئی تو تمہارے نانا مجھے ڈولی میں بٹھلا کر قادیان تمہارے دادا کے پاس علاج کے لیے لائے تھے۔اوراسی دن میں واپس چلی گئی تھی۔تمہارے دادا نے میری نبض دیکھ کر نسخہ لکھ دیا تھا۔اور تمہارے نانا کو یہاں اور ٹھہرنے کے لیے کہا تھا۔مگر ہم نہیں ٹھہر سکے۔کیونکہ پیچھے تمہاری اماں کو اکیلا چھوڑ آئے تھے۔نیز نانی اماں نے بیان کیا کہ جس وقت میں گھر میں آئی تھی میں نے حضرت صاحب کو پیٹھ کی طرف سے دیکھا تھا کہ ایک کمرے میں الگ بیٹھے ہوئے رحل پر قرآن شریف رکھ کر پڑھ رہے تھے۔میں نے گھر والیوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ توانہوں نے کہا کہ یہ مرزا صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے اور بالکل ولی آدمی ہے۔قرآن ہی پڑھتا رہتا ہے۔نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ مجھے اپنی اماں اور ابا کا مجھے اکیلا چھوڑ کر قادیان آنے کے متعلق صرف اتنا یاد ہے کہ میں شام کے قریب بہت روئی چلائی تھی کہ اتنے میں ابا گھوڑا بھگاتے ہوئے گھر میں پہنچ گئے اور مجھے کہا کہ ہم آ گئے ہیں۔

(8) خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے عالم شباب کے زمانہ قیام سیالکوٹ کے متعلق شیخ یعقوب علی صاحب تراب عرفانی کی تصنیف حیات النبی سے مولوی میر حسن صاحب سیالکوٹی کی روایت دوسری جگہ (یعنی نمبر 150 پر) درج کی جا چکی ہے۔اس روایت کے متعلق میں نے مولوی صاحب موصوف کو سیالکوٹ خط لکھا تھا۔مولوی صاحب نے اس کی تصدیق کی اور مجھے اپنی طرف سے اس کی روایت کی اجازت دی۔اس کے علاوہ میری درخواست پر مولوی صاحب موصوف نے انہی ایام کے بعض مزید حالات بھی لکھ کر مجھے ارسال کئے ہیں۔جو میں درج ذیل کرتا ہوں۔مولوی صاحب لکھتے ہیں۔’’حضرت مخدوم زادہ والا شان سمو المکان زادالطافکم‘‘۔

بعد از سلام مسنون عرض خدمت والا یہ ہے کہ چند در چند عوائق وموانع کے باعث آپ کے ارشاد کی تعمیل میں دیر واقع ہوئی امید ہے آپ معاف فرمائیں گے۔چونکہ عرصہ دراز گذر چکا ہے۔اوراس وقت یہ باتیں چنداں قابل توجہ اور التفات نہیں خیال کی جاتی تھیں۔اس واسطے اکثر فراموش ہوگئیں۔جو یاد کرنے میں بھی یاد نہیں آتیں۔خلاصہ یہ ہے کہ ادنیٰ تامل سے بھی دیکھنے والے پر واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت اپنے ہر قول وفعل میں دوسروں سے ممتاز ہیں۔فقط۔راقم جناب کا ادنیٰ نیازمند میر حسن۔26 نومبر 1922ء

سیرت کی جلد اول تھوڑے دنوں میں روانہ خدمت کردوں گا۔فقط۔‘‘(اس سے مراد شیخ یعقوب علی صاحب کی تصنیف ہے۔جو میں نے مولوی صاحب کو بھجوائی تھی اور جس کی روایت کی اپنے دوسرے خط میں انہوں نے تصدیق کی ہے۔خاکسار) حضرت مسیح موعودؑ کے حالات کے متعلق مولوی صاحب اپنے اسی خط میں یوں رقمطراز ہیں۔

’’حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پُر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے۔عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے۔کچہری سے جب تشریف لاتے تھے۔تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔بیٹھ کر، کھڑے ہوکر، ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے

تھے۔اور زار زار رویا کرتے تھے۔ایسی خشوع وخضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔حسب عادت زمانہ صاحبِ حاجات جیسے اہل کاروں کے پاس جاتے ہیں۔ان کی خدمت میں بھی آ جایا کرتے تھے۔اسی عمرا مالک مکان کے بڑے بھائی فضل دین نام کو جو فی الجملہ محلہ میں موقر تھا۔آپ بلا کر فرماتے۔میاں فضل دین ان لوگوں کو سمجھا دو کہ یہاں نہ آیا کریں۔نہ اپنا وقت ضائع کیا کریں اور نہ میرے وقت کو برباد کیا کریں۔میں کچھ نہیں کر سکتا۔میں حاکم نہیں ہوں۔جتنا کام میرے متعلق ہوتا ہے۔کچہری میں ہی کر آتا ہوں۔فضل دین ان لوگوں کو سمجھا کر نکال دیتے۔مولوی عبد الکریم صاحب بھی اسی محلہ میں پیدا ہوئے اور جوان ہوئے جو آخر میں مرزا صاحب کے خاص مقرّبین میں شمار کئے گئے۔

اس کے بعد وہ مسجد جامع کے سامنے ایک بیٹھک میں بمع منصب علی حکیم کے رہا کرتے تھے۔وہ (یعنی منصب علی خاکسار مؤلف) وثیقہ نویسی کے عہدہ پر ممتاز تھے۔بیٹھک کے قریب ایک شخص فضل دین نام بوڑھے دوکاندار تھے جو رات کو بھی دکان پر ہی رہا کرتے تھے۔ان کے اکثر احباب شام کے بعد ان کی دکان پر آ جاتے تھے۔چونکہ شیخ صاحب پارسا آدمی تھے۔اس لیے جو وہاں شام کے بعد آتے سب اچھے ہی آدمی ہوتے تھے۔کبھی کبھی مرزا صاحب بھی تشریف لایا کرتے تھے اور گاہ گاہ نصر اللہ نام عیسائی جو ایک مشن سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔آ جایا کرتے تھے۔مرزا صاحب اور ہیڈ ماسٹر کی اکثر بحث مذہبی امور میں ہو جاتی تھی،مرزا صاحب کی تقریر سے حاضرین مستفید ہوتے تھے۔

مولوی محبوب عالم صاحب ایک بزرگ نہایت پارسا اور صالح اور مرتاض شخص تھے۔مرزا صاحب ان کی خدمت میں بھی جایا کرتے تھے۔اور لالہ بھیم سین صاحب وکیل کو بھی تاکید فرماتے تھے کہ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔چنانچہ وہ بھی مولوی صاحب کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔جب کبھی بیعت اور پیری مریدی کا تذکرہ ہوتا۔تو مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو خود سعی اور محنت کرنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:70)۔مولوی محبوب علی صاحب اس سے کشیدہ ہو جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بیعت کے بغیر راہ نہیں ملتی۔دینیات میں مرزا صاحب کی سبقت اور پیشروی تو عیاں ہے۔مگر ظاہری جسمانی دوڑ میں بھی آپؑ کی سبقت اس وقت کے حاضرین پر صاف ثابت ہو چکی تھی۔

اس کا مفصل حال یوں ہے کہ ایک دفعہ کچہری برخاست ہونے کے بعد جب اہل کار گھروں کو واپس ہونے لگے۔تو اتفاقاً تیز دوڑنے اور مسابقت کا ذکر شروع ہو گیا۔ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ میں بہت دوڑ سکتا ہوں۔آخر ایک شخص بلّا سنگھ نام نے کہا کہ میں سب سے دوڑنے میں سبقت لے جاتا ہوں۔مرزا صاحب نے فرمایا کہ میرے ساتھ دوڑو تو ثابت ہو جائے گا کہ کون بہت دوڑتا ہے۔آخر شیخ الہ داد صاحب منصف مقرر ہوئے۔اور یہ امر قرار پایا کہ یہاں سے شروع کر کے اس پُل تک جو کچہری کی سڑک اور شہر میں حدِّ فاصل ہے۔ننگے پاؤں دوڑو۔جوتیاں ایک آدمی نے اٹھا لیں اور پہلے ایک شخص اس پُل پر بھیجا گیا تا کہ وہ شہادت دے کہ کون سبقت لے گیا اور پہلے پُل پر پہنچا۔مرزا صاحب اور بِلا سنگھ ایک ہی وقت میں دوڑے۔اور باقی آدمی معمولی رفتار سے پیچھے روانہ ہوئے۔جب پُل پر پہنچے۔تو ثابت ہوا کہ مرزا صاحب سبقت لے گئے اور بلا سنگھ پیچھے رہ گیا۔‘‘

خاکسار عرض کرتا ہے کہ بعض اوقات دینی غیرت دنیاوی باتوں میں بھی رونما ہوتی ہے۔چنانچہ مشہور ہے کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید کے پاس کسی نے یہ بات پہنچائی کہ فلاں سکھ سپاہی اس بات کا دعویٰ رکھتا ہے کہ کوئی شخص تیرنے میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔اس پر شہید مرحوم کو غیرت آ گئی اور اسی وقت سے انہوں نے تیرنے کی مشق شروع کر دی۔اور بالآخر اتنی مہارت پیدا کر لی کہ پہروں پانی میں پڑے رہتے تھے۔اور فرماتے تھے کہ اب وہ سکھ میرے ساتھ مقابلہ کر لے۔گویا ان کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ایک غیر مسلم تیرنے کی صفت میں بھی مسلمانوں پر فوقیت رکھے۔حالانکہ یہ ایک معمولی دنیاوی بات تھی۔سو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی ایسے رنگ میں گفتگو ہوئی ہوگی کہ حضرت مسیح موعودؑ کو بلا سنگھ کے مقابلہ میں غیرت آ گئی اور پھر عالم بھی شباب کا تھا۔

(9) حضرت والدہ صاحبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ تمہارے بھائی مبارک احمد مرحوم سے بچپن کی بے پروائی میں قرآن شریف کی کوئی بے حرمتی ہوگئی اس پر حضرت مسیح موعودؑ کو اتنا غصّہ آیا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ نے بڑے غصّہ میں مبارک احمد کے شانہ پر ایک طمانچہ مارا جس سے اس کے نازک بدن پر آپ کی انگلیوں کا نشان اُٹھ آیا اور آپ نے اس غصّہ کی حالت میں فرمایا کہ اس کو اس وقت میرے سامنے سے لے جاؤ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مبارک احمد مرحوم ہم سب بھائیوں میں سے عمر میں چھوٹا تھا اور حضرت صاحب کی زندگی میں ہی فوت ہوگیا تھا۔ حضرت صاحب کو اس سے بہت محبت تھی چنانچہ اس کی وفات پر جو شعر آپ نے کتبہ پر لکھے جانے کے لیے کہے اس کا ایک شعر یہ ہے:

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خُو تھا

وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر

مبارک احمد بہت نیک سیرت بچہ تھا اور وفات کے وقت اس کی عمر صرف کچھ اوپر آٹھ سال کی تھی۔ لیکن حضرت صاحب نے قرآن شریف کی بے حرمتی دیکھ کر اس کی تادیب ضروری سمجھی۔ (ملفوظات جلد 2 صفحہ 64، 65، 66)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند فارسی اشعار کا منظوم اردو ترجمہ

از حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

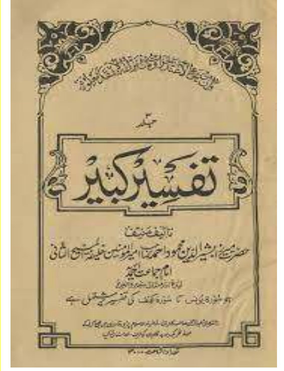
کلام مسیح موعود علیہ السلام

اے خداوند من گناہم بخش	سوئے درگاہ خویش راہم بخش
روشنی بخش در دل و جانم	پاک کن از گناہ پنہانم
دلستانی و دلربائی کن	بہ نگاہے گرہ کشائی کن
در دو عالم مرا عزیز توئی	وانچہ می خواہم از تو نیز توئی

ترجمہ

مولا مرے قدیر مرے کبریا مرے	پیارے مرے حبیب مرے دلربا مرے
بارِ گنہ بلا ہے مرے سر سے ٹال دو	جس رہ سے تم ملو مجھے اس رہ پہ ڈال دو
اک نورِ خاص مرے دل و جاں کو بخش دو	میرے گناہِ ظاہر و پنہاں کو بخش دو
بس اک نظر سے عقدۂ دل کھول جایئے	دل لیجئے مرا مجھے اپنا بنایئے
ہے قابل طلب کوئی دنیا میں اَور چیز؟	تم جانتے ہو تم سے سوا کون ہے عزیز
دونوں جہاں میں مایۂ راحت تمہیں تو ہو	جو تم سے مانگتا ہوں وہ دولت تمہیں تو ہو

(الفضل 9 / مارچ 1940ء بحوالہ درعدن ایڈیشن 2008ء صفحہ 30-31)



ارض فلسطین کے حقیقی وارث۔۔کون؟ کب اور کیسے؟

فلسطین کی حالیہ جنگ کے پس منظر اور مستقبل کو سمجھنے کے لیے تفسیر کبیر سے ایک نایاب تحریر

فلسطین پر قبضہ کے متعلق قرآن کریم کی صدہا سال پر محیط عروج وزوال کے حوالے سے ایک عجیب نادرالوقوع پیش گوئی۔جس سے آج کا مولوی بالکل لاعلم اور کورا ہے۔

فلسطین کی حالیہ جنگ کے پس منظر اور مستقبل کو سمجھنے کے لیے تفسیر کبیر سے ایک نایاب تحریر

سورہ انبیاء کی درج ذیل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الأنبياء 106)

اگرعبادت میں کمزوری دکھاؤ گے تو یہود دوبارہ سے فلسطین پر قابض ہوجائیں گے

”(اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے ہم نے زبور میں کچھ شرائط بیان کرنے کے بعد یہ بات لکھ چھوڑی ہے کہ ارض مقدس کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔اس میں عبادت گذار بندوں کے لیے ایک پیغام ہے اور ہم نے تجھ کو ساری دنیا کی طرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔مطلب یہ ہے کہ بائبل میں جو یہ پیشگوئی تھی کہ صرف خدا کے نیک بندے ارض مقدس میں رہیں گے اس سے کوئی اس وقت دھوکا نہ کھائے جبکہ بنی اسرائیل اس ملک پر غالب آجائیں گے۔کیونکہ اس پیشگوئی میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اگر کوئی وقفہ پڑا تو پھر خدا کے بندے اس ملک پر غالب آجائیں گے اس لیے فرماتا ہے کہ عبادت گذار بندوں کے لیے اس میں ایک پیغام ہے یعنی مسلمانوں کو تو ہوشیار کردے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ پھر بنی اسرئیل اس پر قابض ہوجائیں گے اس لیے یہاں عابدین کا لفظ داؤدؑ کی پیشگوئی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے استعمال کیا اور بتایا کہ میرے بندوں کو کہہ دے کہ ہوشیار ہوجاؤ۔اگر کسی وقت تم نے میرے عباد بننے میں کمزوری دکھائی تو پھر اللہ تعالیٰ یہودیوں کو اس ملک میں واپس لے آئے گا۔

پھر دوبارہ سے فلسطین مل جائے گا

لیکن مسلمانوں کو چاہئے کہ پھر عبادت گذار بن جائیں۔اس کے نتیجہ میں وہ پھر غالب آجائیں گے اور ان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ رسول کریم ﷺ سب زمانوں کے لیے رحمت ہیں اور رسول کریم ﷺ کا زمانہ اس وقت ختم نہیں ہوجاتا جب بنی اسرئیل فلسطین پر قابض ہوں۔بلکہ اس کے بعد بھی وہ زمانہ ہے جس کے لیے رسول کریم ﷺ رحمت ہیں۔پس مایوس نہیں ہونا چاہیئے جب دوبارہ رحمت الٰہی جوش میں آجائے گی۔مسلمان دوبارہ فلسطین میں غالب آجائیں گے۔

اس آیت میں زبور کی جس پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا ذکر زبور باب 37 میں آتا ہے اس میں لکھا ہے۔

"تو بدکرداروں کے سبب سے بیزار نہ ہو۔اور بدی کرنے والوں پر رشک نہ کر کیونکہ وہ گھاس کی طرح جلد کاٹ ڈالے جائیں گے۔اور سبزہ کی طرح مرجھا جائیں گے۔خداوند پر توکل کر اور نیکی کر ملک میں آباد رہ اس کی وفاداری سے پرورش پا خداوند میں مسرور رہ۔اور وہ تیرے دل کی مرادیں پوری

کرے گا۔ اپنی راہ خداوند پر چھوڑ دے اور اس پر توکل کر وہی سب کچھ کرے گا۔ وہ تیری راست بازی کو نور کی طرح اور تیرے حق کو دوپہر کی طرح روشن کرے گا ۔ خداوند میں مطمئن رہ اور صبر سے اس کی آس رکھ اس آدمی کے سبب سے جو اپنی راہ میں کامیاب ہوتا اور برے منصوبوں کو انجام دیتا ہے۔ بیزار نہ ہو۔ قہر سے باز آ اور غضب کو چھوڑ دے ۔ بیزار نہ ہو۔ اس سے برائی ہی نکلتی ہے کیونکہ بدکردار کاٹ ڈالے جائیں گے۔ لیکن جن کو خداوند کی آس ہے ملک کے وارث ہوں گے ۔ کیونکہ تھوڑی دیر میں شریر نابود ہو جائے گا۔ تو اس کی جگہ کو غور سے دیکھے گا۔ پر وہ نہ ہوگا لیکن حلیم ملک کے وارث ہوں گے۔ اور سلامتی کی فراوانی سے شادمان رہیں گے۔'' (زبور باب 37 آیت 1 تا 11)

اسی طرح زبور باب 37 آیت 29 میں لکھا ہے۔ ''صادق زمین کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے۔

مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وعدہ ارض مقدس کے متعلق بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا۔ یہ کوئی غیر مشروط وعدہ نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ نیکی اور تقویٰ اور صلاحیت کی شرط لگائی گئی تھی اور انہیں کھلے طور پر بتا دیا گیا تھا کہ اگر تم نے شرارتوں پر کمر باندھ لی اور بدکرداریوں کو اپنا شیوہ بنا لیا تو یہ ملک تم سے چھین لیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے انہیں انتباہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم میں سرکشی پیدا ہوگئی تو ''جیسے تمہارے ساتھ بھلائی کرنے اور تم کو بڑھانے سے خداوند خوشنود ہوا ایسے ہی تم کو فنا کرنے اور ہلاک کر ڈالنے سے خداوند خوشنود ہوگا۔ اور تم اس ملک سے اکھاڑ دیئے جاؤ گے۔ جہاں تو اس پر قبضہ کرنے کو جا رہا ہے۔ اور خداوند تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں میں پراگندہ کرے گا۔ وہاں تو لکڑی اور پتھر کے اور معبودوں کی جن کو تو یا تیرے باپ دادے جانتے بھی نہیں پرستش کرے گا۔'' (استثناء باب 28 آیت 63۔64)

مگر اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو یہ بھی خبر دے دی کہ اس عذاب کے بعد بنی اسرائیل نے اپنے اندر تبدیلی پیدا کی تو ان پر پھر رحم کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا۔" خداوند تیرا خدا تیری اسیری کو پلٹ کر تجھ پر رحم کرے گا اور پھر تجھ کو سب قوموں میں سے جن میں خداوند تیرے خدا نے تجھ کو پراگندہ کیا ہو جمع کرے گا اگر تیرے آوارہ گروہ دنیا کے انتہائی حصوں میں بھی ہوں تو وہاں سے بھی خداوند تیرا خدا تجھ کو جمع کر کے لے آئے گا۔''
(استثناء باب 30 آیت 3۔4)

پھر فلسطین ملے گا پھر شرارتوں پر دوبارہ چھین لیا جائے گا

گو یا حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ بنی اسرائیل کو یہ خبر دی گئی تھی کہ جب تمہاری شرارتیں بڑھ گئیں تو یہ ملک تم سے چھین لیا جائے گا۔ مگر اس کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا اور یہ زمین پھر تمہارے سپرد کر دی جائے گی۔ مگر اس کے بعد پھر دوبارہ ایک تباہی کی خبر دی گئی اور بتایا گیا کہ یہود پھر سرکش ہو جائیں گے اور پھر ان پر الٰہی عذاب نازل ہوگا اور وہ اس ملک سے نکال دیئے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اس کی بھی پیشگوئی کی۔ اور فرمایا کہ ''انہوں نے اجنبی معبودوں کے باعث غیرت اور مکروہات سے اسے غصہ دلایا۔ خداوند نے یہ دیکھ کر ان سے نفرت کی کیونکہ اس کے بیٹوں او بیٹیوں نے اسے غصہ دلایا (اس جگہ تمام یہودی مردوں اور عورتوں کو خدا تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دیا گیا ہے) تب اس نے کہا۔ میں اپنا منہ ان سے چھپا لوں گا۔ اور دیکھوں گا کہ ان کا انجام کیسا ہوگا کیونکہ وہ گردن کش نسل اور بے وفا اولاد ہیں۔ میں ان پر آفتوں کا ڈھیر لگاؤں گا اور اپنے تیروں کو ان پر ختم کروں گا وہ بھوک کے مارے گھل جائیں گے اور شدید حرارت اور سخت ہلاکت کا لقمہ ہو جائیں گے اور میں ان پر درندوں کے دانت اور زمین پر کے سرکنے والے کیڑوں کا زہر چھوڑ دوں گا باہر وہ تلوار سے مریں گے اور کوٹھڑیوں کے اندر خوف سے جواں مرد اور کنواریاں دودھ پیتے بچے اور پکے بال والے سب یوں ہی ہلاک ہوں گے۔'' (استثناء 32 آیت 16 تا 25)

غرض حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ بنی اسرئیل کو دو تباہیوں کی خبر دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ اس ملک پر تمہارا قبضہ دائمی نہیں ہوگا۔ بلکہ پہلے تمہارا قبضہ ہوگا

اور پھر تم نکالے جاؤ گے۔ پھر تمہارا قبضہ ہوگا اور پھر تم نکالے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام کس شان اور عظمت سے پورا ہوا۔ اس کی تفصیل سورہ بنی اسرائیل کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں فرماتا ہے۔

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا (5) فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا (6) ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا (سورۃ بنی اسرائیل 5-7)

یعنی ہم نے تورات میں بنی اسرائیل کو یہ بات کھول کر پہنچا دی تھی کہ تم یقیناً اس ملک میں دو دفعہ فساد کرو گے۔ اور یقیناً تم بڑی سرکشی اختیار کرو گے چنانچہ جب ان دو دفعہ کے فسادات میں سے پہلی دفعہ کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آیا تو ہم نے اپنے بعض بندوں کو تمہاری سرکوبی کے لیے تم پر کھڑا کر دیا۔ جو سخت جنگجو تھے اور وہ تمہارے گھروں کے اندر جا گھسے اور یہ وعدہ بہر حال پورا ہو کر رہنے والا تھا۔ پھر ہم نے تمہاری طرف دوبارہ دشمن پر حملہ کرنے کی طاقت کو لوٹا دیا۔ اور ہم نے مالوں اور بیٹوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تمہیں جتھے کے لحاظ سے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط کر دیا۔

پھر فرماتا ہے: فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا (8) عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت 8-9)۔

جب دوسری بار والا وعدہ پورا ہونے کا وقت آ گیا۔ تاکہ وہ دشمن تمہارے منہ خوب کالے کریں۔ اور تمہارے معزز لوگوں سے ناپسندیدہ معاملہ کریں اور اسی طرح، مسجد میں داخل ہوں جس طرح وہ اس مسجد میں پہلی بار داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے بالکل تباہ و برباد کر دیں تو ہم نے اپنی اس پیشگوئی کو بھی پورا کر دیا مگر اب بھی کچھ بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم کر دے۔ لیکن اگر تم پھر اپنے اس رویئے کی طرف لوٹے تو ہم بھی اپنے عذاب کی طرف لوٹیں گے۔ اور یقیناً ہم نے کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ فلسطین کا ملک خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو ملے گا۔ اور چونکہ پہلے یہود سے یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ اس لیے ان کو یہ ملک ملا۔ مگر ملک دیتے وقت خدا تعالیٰ نے کچھ شرائط بھی عائد کر دیں ۔ اور فرمایا کہ کچھ عرصے کے بعد تمہاری شرارتوں کی وجہ سے ہم یہ ملک تم سے چھین لیں گے۔ چنانچہ فرمایا :

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ {(سورۃ بنی اسرائیل، آیت 6)

جب ان دو بار کے فسادوں میں سے پہلی بار کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو ہم اپنے حکم کے ساتھ ایک قوم کو مقرر کریں گے۔ جو بڑی فوجی طاقت رکھتی ہوگی۔ اور وہ فلسطین کے تمام شہروں میں گھس جائے گی۔ اور تمہاری حکومت کو تباہ کر دے گی مگر ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ (سورۃ بنی اسرائیل آیت 7)۔ کچھ مدت کے بعد یہ ملک ہم تم کو واپس دے دیں گے۔ اور تمہاری طاقت اور قوت کو بحال کر دیں گے۔ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا (الإسراء، آیت 7)۔ اور ہم تم کو مال بھی دیں گے اور بیٹے بھی دیں گے اور تمہیں تعداد میں بھی بہت بڑھا دیں گے لیکن پھر ایک وقت کے بعد ہم دوبارہ یہ ملک تم سے چھین لیں گے چنانچہ فرمایا : فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا {(سورۃ بنی اسرائیل، آیت 8) جب دوسرا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو اس لیے کہ وہ لوگ جن کو عارضی طور ہم یہ ملک دینے والے ہیں وہ تمہارے منہ خوب کالے کریں اور جس طرح پہلی دفعہ انہوں نے تمہاری عبادت گاہ کی بے حرمتی کی تھی اسی طرح اس دفعہ بھی اس کو ذلیل کریں۔ یہ دشمن پھر تمہارے ملک میں جا گھسے گا۔ اور تمہاری عبادت گاہ کو ذلیل کرے گا۔ اور جس جس علاقے میں جائے گا تباہی مچاتا چلا جائے گا۔ مگر فرمایا: عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ (اسورۃ بنی اسرائیل، آیت 9) کچھ بعید

نہیں کہ اب بھی تمہارا رب تم پر رحم کر دے یعنی اس کے بعد پھر ہم یہ فیصلہ کریں گے۔ کہ یہ ملک واپس دے دیا جائے مگر یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ یہودیوں کو دیا جائے گا بلکہ فرمایا۔ عسیٰ ربکم ان یر حمکم۔ خدا تم پر رحم کرے گا یعنی اس بدنامی کو دور کر دے گا۔ جو تمہاری دنیا میں ہوئی۔ وان عدتم عدنا۔ اور اگر تم اپنی شرارتوں سے پھر بھی باز نہ آئے تو ہم بھی اپنی اسی سنت کی طرف لوٹیں گے۔ اور پھر یہ ملک تم سے چھین لیں گے۔ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا (سورۃ بنی اسرائیل، آیت 9)۔ اور جہنم کو ہم تمہارے لیے قید خانہ بنادیں گے یعنی پھر تم اس ملک میں واپس نہیں آسکو گے۔ چنانچہ دیکھ لو خدا تعالیٰ نے کہا تھا کہ یہ ملک کچھ عرصہ تمہارے پاس رہے گا مگر اس کے بعد چھینا جائے گا چنانچہ بابلی فوجیں آئیں اور انہوں نے عبادت گاہیں بھی تباہ کیں، شہر بھی تباہ کئے اور سارے ملک پر قبضہ کر لیا اور تقریباً ڈیڑھ سو سال تک حکومت کی۔

(2 سلاطین باب 24 آیت 10 تا 17) اور (2 تواریخ باب 36 آیت 20۔21) اور (جیوش انسائیکلو پیڈیا زیر لفظ نبوکدنظر Nebuchadnezzar)۔

اس کے بعد وہ حکومت بدل گئی اور پھر یہودی اپنے ملک پر قابض ہو گئے۔ پھر مسیح کے بعد رومی لوگوں نے اس ملک پر حملہ کیا اور اس کو تباہ و برباد کیا۔ اسی طرح مسجد کو تباہ کیا اور اس کے اندر سؤر کی قربانی کی اور اس پر ان کا لمبے عرصہ تک قبضہ رہا۔ لیکن آخر رومی بادشاہ عیسائی ہو گیا۔ اس لیے یہاں یہ نہیں فرمایا تھا کہ یہودیوں کو یہ ملک واپس دیا جائے گا بلکہ فرمایا تھا۔ پھر ہم تم پر رحم کریں گے۔ یعنی تمہاری وہ بے عزتی دور ہو جائے گی چنانچہ جب رومی بادشاہ عیسائی ہو گیا تو پھر موسیٰ کو بھی ماننے لگ گیا۔ داؤدؑ کو بھی ماننے لگ گیا۔ اسی طرح باقی جس قدر انبیاء تھے ان کو بھی ماننے لگ گیا تھا۔ وہ عیسیٰ کو ماننے والا لیکن حضرت عیسیٰؑ بھی چونکہ موسوی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عیسائی بادشاہت یہودی نبیوں کا ادب کرتی تھی۔ تورات کا ادب کرتی تھی۔ بلکہ تورات کو بھی اپنی مقدس کتاب سمجھتی تھی گویا خدا کا رحم ہو گیا۔ مگر فرماتا ہے۔ ان عدتم عدنا۔ اگر اس کے بعد تم لوگ پھر بگڑے اور شرارتیں کیں تو پھر ہم تمہارے ہاتھ سے یہ بادشاہت نکال دیں گے۔ یعنی پھر مسلمان آجائیں گے ان کے قبضے میں یہ ملک چلا جائے گا اور وہ عبادی الصالحون بنیں گے اور تمہارے لیے جہنم پیدا ہو جائے گا۔ جس میں تم ہمیشہ جلتے رہو گے۔ اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے اس جگہ مندرجہ ذیل امور بیان کئے گئے ہیں:

1۔ یہ ملک یہود سے چھین کر ایک اور قوم کو دے دیا جائے گا۔

2۔ کچھ عرصے کے بعد پھر یہ ملک یہود کو واپس مل جائے گا۔

3۔ کچھ عرصے کے بعد یہ پھر ان سے چھین لیا جائے گا۔

4۔ اس کے بعد یہ ملک پھر واپس کیا جائے گا۔ مگر یہود کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ بلکہ موسوی سلسلے کے ماننے والوں یعنی عیسائیوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔

5۔ اگر پھر یہ شرارت کی گئی (اب اس میں عیسائی بھی شامل ہو گئے کیونکہ وہ بھی یہودیوں کا ایک گروہ تھے۔) تو پھر یہ زمین ان سے چھین لی جائے گی اور ایک اور قوم کو دے دی جائے گی یعنی مسلمانوں کو مگر اس جگہ یہ نہیں فرمایا کہ وہ مسجد میں داخل ہو کر اس کی ہتک کریں گے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے نزدیک بھی حضرت موسیٰؑ اور ان کے بعد تمام ماتحت انبیاء مقدس تھے۔ اور ان کی جگہیں بھی مقدس تھیں۔ اس لیے مسلمان ان کی مسجدوں میں وہ خرابیاں نہیں کر سکتے تھے جو بابلیوں اور رومیوں نے کیں۔

کتنی ناشکری اور بے حیا قوم ہے

یہ عجیب لطیفہ اور قوموں کی ناشکری کی مثال ہے کہ بابلیوں نے یہودیوں کے ملک کو تباہ کیا اور ان کی مسجد کو ذلیل کیا۔ یوروپین مصنف کتابیں لکھتے ہیں تو بابلیوں کو کوئی گالی نہیں دیتا کوئی ان کو برا بھلا نہیں کہتا۔ کوئی ان پر الزام نہیں لگاتا۔ رومیوں نے اس ملک کو لیا اور اس مسجد میں خنزیر کی قربانیاں کیں عیسائی

رومی تاریخ پر کتابیں لکھتے ہیں۔ گبن نے بھی ''دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر(THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE) لکھی ہے مگر سب کتابوں کو دیکھ لو وہ کہتے ہیں رومن ایمپائر جیسی اچھی ایمپائر کوئی نہیں (انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا زیر لفظ رومن ایمپائر)۔

حالانکہ انہوں نے ان کی مسجد کو گندہ کیا مگر وہ قوم جس نے ان کی مسجد کو گندہ نہیں کیا اس کو گالیاں دی جاتی ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فلسطین فتح ہوا اور جس وقت آپ یروشلم گئے تو یروشلم کے پادریوں نے باہر نکل کر شہر کی کنجیاں آپ کے حوالے کیں اور کہا کہ آپ اب ہمارے بادشاہ ہیں۔ آپ مسجد میں آ کر دو نفل پڑھ لیں تا کہ آپ کو تسلی ہو جائے کہ آپ نے ہماری مقدس جگہ میں جو آپ کی بھی مقدس جگہ ہے نماز پڑھ لی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں تمہاری مسجد میں اس لیے نماز نہیں پڑھتا کہ میں ان کا خلیفہ ہوں۔ کل یہ مسلمان اس مسجد کو چھین لیں گے اور کہیں گے کہ یہ ہماری مقدس جگہ ہے۔ اس لیے باہر ہی نماز پڑھوں گا تا کہ تمہاری مسجد نہ چھینی جائے۔

پس ایک وہ تھے جنہوں نے وہاں خنزیر کی قربانی کی اور یورپ کا منہ اس کی تعریف کرتے ہوئے خشک ہوتا ہے اور ایک وہ تھا جس نے ان کی مسجد میں دو نفل پڑھنے سے بھی انکار کیا۔ کہ کہیں مسلمان کسی وقت یہ مسجد نہ چھین لیں۔ اور اس کو رات دن گالیاں دیجاتی ہیں۔ کتنی ناشکر گزار اور بے حیا قوم ہے۔ اب مسلمانوں کے پاس فلسطین آ جانے کے بعد سوال ہو سکتا ہے کہ یہ ملک یہودیوں کے ہاتھ بھی نہ رہا۔ اور عیسوی سلسلے کے پاس بھی نہ رہا۔ یہ کیا معمہ ہے؟ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ ایک راز نہیں پڑتا اس لیے کہ بعض دفعہ کسی بات پر جھگڑا ہوتا ہے اور وراثت کے کئی دعوے دار بن جاتے ہیں تو سچے وارث کہتے ہیں کہ ہم ان کے وارث ہیں۔ اور ان کے حق میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے یہی صورت اس جگہ واقعہ ہوئی ہے۔ خدا ملک دینے والا تھا۔ خدا کے سامنے مقدمہ پیش ہوا کہ موسیٰ اور داؤد کے وارث یہ مسلمان ہیں۔ یا موسیٰ اور داؤد کے وارث یہ یہودی اور عیسائی ہیں۔ تو ہائی کورٹ نے ڈگری دی کہ اب موسیٰ اور داؤد کے وارث مسلمان ہیں۔ چنانچہ ڈگری سے ان کو ورثہ مل گیا۔

موجودہ دور میں فلسطین یہود کو کیوں ملا؟

پھر آگے چل کر فرماتا ہے کہ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت 105)۔ پھر اس کے بعد ایک اور وقت آئے گا۔ کہ یہودیوں کو دنیا کے اطراف سے اکٹھا کر کے فلسطین میں لا کر بسا دیا جائے گا چنانچہ وہ وقت اب آ یا ہے۔ جب کہ یہودی اس جگہ پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔ کراچی اور لاہور میں میں جب بھی گیا ہوں مسلمان مجھ سے پوچھتے رہے ہیں کہ یہ تو خدائی وعدہ تھا کہ یہ سرزمین مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے گی۔ پھر یہودیوں کو کیسے مل گئی۔ میں نے کہا۔ کہاں وعدہ تھا۔ قرآن میں تو لکھا ہے کہ پھر یہودی بسائے جائیں گے۔ کہنے لگے۔ اچھا جی یہ تو ہم نے کبھی نہیں سنا۔ میں نے کہا تمہیں قرآن پڑھانے والا کوئی ہے ہی نہیں تم نے سننا کہاں سے ہے۔ میری تفسیر پڑھو تو اس میں لکھا ہوا موجود ہے۔ تو یہ جو وعدہ تھا کہ پھر یہودی ارض کنعان میں آ جائیں گے قرآن میں لکھا ہوا موجود ہے۔ سورہ بنی اسرئیل رکوع 12 میں یہ لکھا ہوا ہے۔ کہ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا (سورۃ بنی اسرائیل، آیت 105)۔ جب وہ آخری زمانہ کا وعدہ آئے گا۔ پھر ہم تم کو اکٹھا کر کے اس جگہ پر لے آئیں گے۔ اس جگہ وعدہ الاخرۃ سے مراد مسلمانوں کے دوسرے عذاب کا وعدہ ہے اور بتایا ہے کہ مسلمانوں پر جب یہ عذاب آئے گا اور دوسری دفعہ ارض مقدس ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی اس وقت اللہ تعالیٰ پھر یہود کو اس ملک میں واپس لے آئے گا اس جگہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ یہود کے آنے کی وجہ سے اسلام منسوخ ہو گیا۔ گویا ان کے نزدیک اسلام کے منسوخ ہونے کی یہ علامت ہے کہ عبادی الصالحون نے اس پر قبضہ کرنا تھا۔ جب مسلمان وہاں سے نکال دیئے گئے تو معلوم ہوا کہ مسلمان عبادی الصالحون نہیں رہے۔ یہ اعتراض زیادہ تر بہائی قوم کرتی ہے لیکن عجیب

بات ہے کہ یہی پیشگوئی تورات میں موجود ہے۔یہی پیشگوئی قرآن میں موجود ہے اوراس پیشگوئی کے ہوتے ہوئے اس ملک کو بابلیوں نے سوسال رکھا مگر اس وقت یہودی مذہب بہائیوں کے نزدیک منسوخ نہیں ہوا۔ٹائٹس کے زمانہ سے لے کرسودوسو بلکہ تین سوسال تک فلسطین روم کے مشرکوں کے ماتحت رہا وہ عیسائیوں کے قبضہ میں نہیں تھا۔یہودیوں کے قبضہ میں نہیں تھا مسجد میں سؤر کی قربانی کی جاتی تھی۔اور پھر بھی یہودیت کوسچا سمجھا جاتا تھالیکن یہودیوں کے آنے پرنوسال کے اندر اندر اسلام منسوخ ہوگیا۔کیسی پاگل پن والی اور دشمنی کی بات ہے اگر واقعہ میں کسی غیرقوم کے اندر آجانے سے کوئی پیشگوئی باطل ہوجاتی ہے اور عارضی قبضہ بھی مستقل قبضہ کہلاتا ہے توتم نے سوسال پیچھے ایک دفعہ قبضہ دیکھا ہے تین سوسال دوسری دفعہ کافروں کا قبضہ دیکھا ہے اس وقت یہودیت کوتم منسوخ نہیں کہتے اس وقت کی عیسایت کوتم منسوخ نہیں کہتےلیکن اسلام کے ساتھ تمہاری عداوت اتنی ہے کہ اسلام میں نوسال کے بعد ہی تم اس قبضہ کومنسوخی کی علامت قرار دیتے ہو جب اتنا قبضہ ہوجائے جتنا یہودیت اور عیسائیت کے زمانہ میں رہا تب توکسی کا حق بھی ہوسکتا ہے کہ کہے لو جی اسلام کے ہاتھ سے یہ ملک نکل گیا لیکن جب تک اتنا قبضہ چھوڑ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ہوا تو اس پر اعتراض کرنا محض عداوت نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ اعتراض کرنے والے بہا ئی ہیں جن کا اپنا وہی حال ہے جیسے ہمارے ہاں مثل مشہور ہے کہ نہ آ گا نہ پیچھا وہ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔حالانکہ مکہ مسلمانوں کے پاس ہے مدینہ مسلمانوں کے پاس ہے اویہ دواہم اسلامی مراکز ہیں۔ہم ان سے کہتے ہیں ''چھاج بولے تو بولے چھلنی کیا بولے جس میں نوسوسوراخ''۔تمہارا کیا حق ہے کہ تم اسلام پر اعتراض کروتمہارے پاس توایک چپہ زمین بھی نہیں جس کوتم اپنا مرکز قرار دے سکو۔اسلام کا مکہ بھی موجود ہے اور اسلام کا مدینہ بھی موجود ہے۔وہ توایک زائد انعام تھا۔وہ ملک اگر عارضی طور پر چلا گیا تو کیا اعترض ہے؟

بہایت 1844 سے شروع ہے اور آج 1958 ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے مذہب کوقائم ہوئے ایک سوچودہ 114 سال ہو گئے اور ایک سوچودہ سال میں ایک گاؤں بھی توانہوں نے مقدس نہیں بنایا۔وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں حکومت حاصل نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے پاس بھی توحکومت نہیں ہم نے توچند سال میں ربوہ بنالیا پہلے قادیان بناہوا تھا۔اب ربوہ بنا ہوا ہے یہاں ہم آتے ہیں۔نمازیں پڑھتے ہیں۔اکٹھے رہتے ہیں۔فلسطین میں بھی کرمل پہاڑ کی چوٹی پر ایک پورا گاؤں احمدیوں کا ہے جس کا نام کبابیر ہے۔بہائی بھی تو بتائیں کہ دنیا میں ان کا کوئی مکان ہے یا دنیا میں کسی جگہ پر وہ اکٹھے ہوتے ہیں؟لیکن اسلام پر صرف نوسال کے قبضے کی وجہ سے ان کے بغض نکلتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ اسلام ختم ہوگیا۔اور اپنی حالت یہ ہے کہ عکہ کو مرکز قرار دیا ہوا ہے اور کہتے ہیں حدیثوں میں بھی پیشگوئیاں تھیں کہ عکہ ان کے پاس ہوگا اور تورات میں بھی پیشگوئیاں تھیں مگر اب عکہ میں بہائیوں کا نام ونشان بھی نہیں ہے اور ان کے لیڈر شوقی افندی جو عکہ کے بجائے سال کا اکثر حصہ سوئٹزرلینڈ میں گزارا کئے وہ بھی وفات پا چکے ہیں اور ان کے بعد ابھی تک بہائیوں کا کوئی قائم مقام لیڈر بھی تجویز نہیں ہوا۔پھر اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں اور کئی جاہل ان کے اعتراضوں سے مرغوب ہوجاتے ہیں۔غرض بابلیوں کے آنے اور رومیوں کے عارضی طور پر وہاں آجانے کوجس کا عرصہ ایک دفعہ ایک سوسال دوسری دفعہ قریباً تین سوسال کا تھا۔اگر موسیٰ اور داؤد کے پیغام کے منسوخ ہونے کی علامت نہیں قرار دیا گیا تو اس وقت یہود کا عارضی طور پر قبضہ جس میں صرف چند سال گذرے ہیں اسلام کے منسوخ ہونے کی علامت کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے بلکہ یہ تو اس کے صادق ہونے کی علامت ہے۔جب اس نے خود یہ پیشگوئی کی ہوئی تھی کہ ایک دفعہ مسلمانوں کو نکالا جائے گا اور یہودی واپس آئیں گے تو یہودیوں کا واپس آنا اسلام کے منسوخ ہونیکی علامت نہیں اسلام کے سچا ہونے کی علامت ہے۔کیونکہ جو کچھ قران نے کہا تھا وہ پورا ہوگیا۔باقی رہا یہ کہ پھر عبادی الصالحون کے ہاتھ میں کس طرح رہا؟۔سواس کا جواب یہ ہے کہ عارضی طور پر قبضہ پہلے بھی دو دفعہ نکل چکا ہے۔اور عارضی طور پر اب بھی نکلا ہے۔

یواین او کی مدد سے قائم اسرائیل کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی اور پھر سے مسلمان بادشاہ ہوں گے

اور جب ہم کہتے ہیں کہ ”عارضی طور پر“ تو لازماً اس کے معانی یہ ہیں کہ پھر مسلمان فلسطین میں جائیں گے اور بادشاہ ہوں گے اور لازماً اس کے یہ معنے ہیں کہ پھر یہودی وہاں سے نکالے جائیں گے اور لازماً اس کے یہ معنے ہیں کہ یہ سارا نظام جس کو یو۔این۔او کی مدد سے اور امریکہ کی مدد سے قائم کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے گا کہ وہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ اور پھر اس جگہ پر لا کر مسلمانوں کو بسائیں۔ دیکھو حدیثوں میں یہ پیشگوئی آتی ہے۔ حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ فلسطین کے علاقے میں اسلامی لشکر آئے گا اور یہودی اس سے بھاگ کر پتھروں کے پیچھے چھپ جائیں گے۔ اور جب کوئی مسلمان سپاہی اس پتھر کے پاس سے گذرے گا تو وہ پتھر کہے گا کہ اے مسلمان خدا کے سپاہی میرے پیچھے ایک یہودی کافر چھپا ہوا ہے اس کو مار جب رسول کریم ﷺ نے یہ بات فرمائی تھی اس وقت کسی یہودی کا فلسطین میں نام ونشان بھی نہیں تھا۔ اس حدیث سے صاف پتہ لگتا ہے رسول کریم ﷺ پیشگوئی فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں یہودی اس ملک پر قابض ہوئے مگر پھر خدا مسلمانوں کو غلبہ دے گا اور اسلامی لشکر اس ملک میں داخل ہوں گے اور یہودیوں کو چن چن کے چٹانوں کے پیچھے ماریں گے۔ پس عارضی میں اس لیے کہتا ہوں کہ۔ ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ کا حکم موجود ہے مستقل طور پر تو فلسطین عبادی الصالحون کے ہاتھ میں رہنا ہے۔ سو خدا تعالیٰ کے عبادی الصالحون محمد ﷺ کی امت کے لوگ لازماً اس ملک میں جائیں گے۔ نہ امریکہ کے ایٹم بم کچھ کر سکتے ہیں نہ ایچ بم کچھ کر سکتے ہیں۔ نہ روس کی مدد کچھ کر سکتی ہے۔ یہ خدا کی تقدیر ہے یہ تو ہو کر رہنی ہے چاہے دنیا کتنا زور لگا لے۔

اس جگہ پر ایک اعترض کیا جا سکتا ہے اور وہ اعترض یہ ہے کہ جہاں وعد الآخرۃ فرمایا ہے۔ اور تم کہتے ہو کہ وعد الاخرہ سے مراد آخری زمانہ ہے۔ مگر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں بھی تو ایک وعد الاخرہ کا ذکر ہے جس میں رومیوں کے حملے کا ذکر ہے تو کیوں نہ یہ سمجھا جائے کہ یہ جِئۡنَا بِکُمۡ لَفِیۡفًا (سورۃ بنی اسرائیل، آیت 105) کا رومیوں کے حملے کے تعلق ہے؟

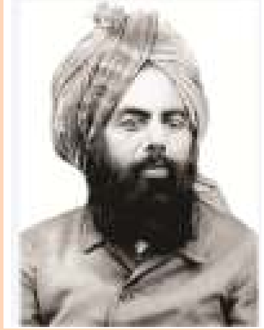
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ وعد الاخرہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس سورۃ میں وعد الاخرہ کو عذاب کا قائم مقام قرار دیا ہے اور اُس سورۃ میں وعد الاخرہ کو انعام کا قائم مقام قرار دیا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ عذاب کی پیشگوئی کو انعام سمجھ لیا جائے۔ اس جگہ تو فرمایا ہے کہ جب دوسری دفعہ والا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو تم کو تباہ کر دیا جائے گا اور اس آیت میں ذکر ہے کہ جب وعد الاخرہ آئے گا تو پھر تم کو لا کے اس ملک میں بسا دیا جائے گا اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ وعد الاخرہ اور ہے اور وہ وعد الاخرہ اور ہے۔ وہاں وعد الاخرہ سے مراد ہے موسوی سلسلہ کی پیشگوئی کی آخری کڑی اور یہاں وعد الاخرہ سے مردا یہ ہے کہ آخری زمانہ یا محمد ﷺ کے زمانے کی پیش گوئی۔ پس یہ الفاظ گو ملتے ہیں لیکن دونوں کی عبارت صاف بتا رہی کہ یہ وعدہ اور ہے اور وہ وعدہ اور۔ وہ وعدہ عذاب کا ہے اور یہ وعدہ انعام کا ہے۔ اور انعام کا قائم مقام عذاب کا وعدہ نہیں ہو سکتا“

(تفسیر کبیر جلد 8 صفحہ 105 تا 114 نیا ایڈیشن یو کے)۔

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے

ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام



حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کچھ الہامی دعائیں

مرسلہ ابن مومن، قادیان

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

اب بعض دعائیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہیں جو الہامی دعائیں ہیں۔ ان میں سے ایک دعا ہے ”رَبِّ احْفَظْنِیْ فَاِنَّ الْقَوْمَ یَتَّخِذُوْنَنِیْ سُخْرَۃً اے میرے رب میری حفاظت کر کیونکہ قوم نے تو مجھے ٹھٹھے کی جگہ ٹھہرا لیا۔“

(بدر جلد 2 نمبر 48 مؤرخہ 29 نومبر 1906ء صفحہ 3۔ الحکم جلد 10 نمبر 40 مورخہ 24 نومبر 1906ء صفحہ 1۔ تذکرہ صفحہ 578 ایڈیشن چہارم)

پھر ستمبر 1906ء کا الہام ہے ”رَبِّ لَا تُبْقِ لِیْ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا۔ اے میرے رب میرے لیے رسوا کرنے والی چیزوں میں سے کوئی باقی نہ رکھ۔“

(الحکم جلد 10 نمبر 31 مورخہ 10 ستمبر 1906ء۔ الحکم جلد 10 نمبر 32 مؤرخہ 17 ستمبر 1906 صفحہ 1۔ تذکرہ صفحہ 568 ایڈیشن چہارم)

”رَبِّ اجْعَلْنِیْ غَالِبًا عَلٰی غَیْرِیْ۔ اے میرے رب مجھے میرے غیر پر غالب کر۔“

(بدر جلد 6 نمبر 32 مؤرخہ 8 اگست 1907ء صفحہ 4، الحکم جلد 11 نمبر 28 مؤرخہ 10 اگست 1907ء صفحہ 2)

”رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا طُعْمَۃً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ اے ہمارے رب ہمیں ظالم قوم کی خوراک نہ بنا۔“

(البشریٰ مرتبہ حضرت پیر سراج الحق صاحبؓ صفحہ 53۔ تذکرہ صفحہ 684 ایڈیشن چہارم)

”رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی، رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ مِنَ السَّمَآءِ، رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ، رَبِّ اَصْلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ، رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ۔“ (تحفۂ بغداد، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 25)

اے میرے رب مجھے دکھلا کہ تو کیونکر مردوں کو زندہ کرتا ہے، اے میرے رب مغفرت فرما اور آسمان سے رحم کر، اے میرے رب مجھے اکیلا مت چھوڑ اور تو خیر الوارثین ہے، اے میرے رب امت محمدیہ کی اصلاح کر۔ اے ہمارے رب ہم میں اور ہماری قوم میں سچا فیصلہ کر دے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔“

”یَارَبِّ انْصُرْ عَبْدَكَ وَاخْذُلْ اَعْدَائَكَ۔ اِسْتَجِبْنِیْ یَارَبِّ اسْتَجِبْنِیْ۔ اِلَامَ یُسْتَهْزَأُ بِكَ وَ بِرَسُوْلِكَ۔ وَ حَتَّامَ یُكَذِّبُوْنَ كِتَابَكَ وَیَسُبُّوْنَ نَبِیَّكَ۔ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ یَامُعِیْنُ۔“ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 569)

اے میرے رب اپنے بندہ کی نصرت فرما اور اپنے دشمن کو ذلیل و رسوا کر۔ اے میرے رب میری دعا سن اور اسے قبول فرما۔ کب تک تجھ سے اور تیرے رسول سے تمسخر کیا جائے گا اور کس وقت تک یہ لوگ تیری کتاب کو جھٹلاتے اور تیرے نبی کے حق میں بدکلامی کرتے رہیں گے۔ اے ازلی ابدی، اے مددگار خدا میں تیری رحمت کا واسطہ دے کر تیرے حضور فریاد کرتا ہوں۔

گزشتہ کچھ عرصے سے مغرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں یا قرآن کریم کے بارے میں یا اسلام کے بارے میں مستقل کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتے رہتے ہیں۔ تو اس کے لیے ان دنوں میں خاص طور پر بہت دعا کریں، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عقل دے اور ان کے شر سے

بچائے۔

پھر الہام ہے ”یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ۔ اِنَّ رَبِّیْ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ۔ اے حیّ اے قیوم میں تیری رحمت سے مدد چاہتا ہوں۔ یقیناً میرا رب آسمان اور زمین کا رب ہے۔“

(الحکم جلد 3 نمبر 22 مورخہ 23 ر جون 1899ء صفحہ 8۔ تذکرہ صفحہ 297 ایڈیشن چہارم)

”امت مسلمہ کے لیے دعا کریں کہ ”رَبِّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ۔“

(براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن جلد نمبر 1 صفحہ 266۔ تذکرہ صفحہ 37 ایڈیشن چہارم)

اے میرے رب العزت امت محمدیہ کی اصلاح فرما۔

پھر ایک ہے ”اے ازلی ابدی خدا مجھے زندگی کا شربت پلا۔“

(بدر جلد 6 نمبر 14 مورخہ 4 ر اپریل 1907ء۔ الحکم جلد 11 نمبر 12 مورخہ 10 ر اپریل 1907 صفحہ 1۔ تذکرہ صفحہ 600۔ ایڈیشن چہارم)

پھر مئی 1906ء کا الہام ہے ”رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّ کَاذِبٍ۔ یعنی اے میرے خدا صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلا۔“

(الحکم جلد 10 نمبر 20 مؤرخہ 10 ر جون 1906ء۔ حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 411 حاشیہ۔ تذکرہ صفحہ 532 ایڈیشن چہارم)

آج کل مختلف جگہوں پر دنیا میں مسلمان ملکوں میں مُلّاں بھی بڑا تیز ہوا ہوا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ایسے نازیبا اور گھٹیا الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں کہ ان کو سن کر سینہ چھلنی ہو جاتا ہے۔ یہ دعا بہت کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ یا تو ان کو عقل دے یا پھر ایسا واضح فرق دکھلائے اور ان کو اپنے انجام تک پہنچائے کہ جو دوسروں کے لیے بھی عبرت بن جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ”اے ہمارے رب ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری آزمائشیں اور تکالیف دور کر دے اور ہمارے دلوں کو ہر قسم کے غم سے نجات دے دے اور ہمارے کاموں کی کفالت فرما اور اے ہمارے محبوب ہم جہاں بھی ہوں ہمارے ساتھ ہو اور ہمارے ننگوں کو ڈھانپے رکھ اور ہمارے خطرات کو امن میں تبدیل کر دے۔ ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا ہے اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا ہے۔ دنیا و آخرت میں تو ہی ہمارا آقا ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اے ربَّ العالمین میری دعا قبول فرما۔“

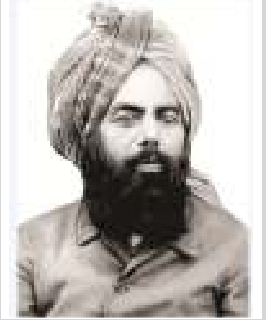
(ترجمہ از عربی عبارت۔ تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 182) (بحوالہ خطبہ جمعہ 13 ر اکتوبر 2006ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کے نام مکتوب میں اس دعا کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں

”اے رب العالمین! تیرے احسانوں کا میں شکر نہیں کر سکتا۔ تو نہایت ہی رحیم و کریم ہے اور تیرے بے غایت مجھ پر احسان ہیں۔ میرے گناہ بخش تا مَیں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ میرے دل میں اپنی خاص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے۔ مَیں تیری وَجہِ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو۔ رحم فرما اور دنیا اور آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ آمین ثم آمین“

(الحکم 21 ر فروری 1898ء جلد نمبر 2 نمبر 1۔ ملفوظات جلد اوّل صفحہ 103)



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چند عظیم الشان پیشگوئیاں

جمیل احمد بٹ

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سنت کے مطابق کہ

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا○اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ (جن 72:27-28)

ترجمہ: وہ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ کسی کو اپنے غیب پر غلبہ عطا نہیں کرتا بجز اپنے برگزیدہ رسول کے۔

حضرت مسیح موعودؑ پر بے شمار غیب کی خبروں کو ظاہر فرمایا۔ اظہارِ غیب کی یہ کثرت بے مثل تھی۔

بار بار پوری ہونے والی خبریں: علیحدہ علیحدہ واقعات کی بابت خبروں کے ساتھ بعض خبریں ایسی حیرت انگیز تھیں جو بار بار پوری ہوئیں۔ بلکہ ان کے پورا ہونے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے اور ہر دَور کے اور ہر ملک کے احمدی ان کے پورا ہونے پر گواہ ہیں۔ ایسی ہی ایک پیشگوئی کے ذکر میں فرمایا: ' براہینِ احمدیہ کی یہ پیش گوئی کہ یاتیك من کل فج عمیق۔ یاتون من کل فج عمیق جس پر چھبیس برس گزر چکے ہیں ایسے کھلے کھلے طور پر پوری ہوئی ہے کہ نہ ایک دفعہ بلکہ لاکھوں دفعہ اس نے اپنی سچائی ثابت کر دی ہے جس میں تائید اور نصرت الٰہی بھری ہوئی ہے۔ پس ایسی پیشگوئی بجز خدا کے کسی خاص برگزیدہ کے دوسروں سے ہرگز ظہور میں نہیں آ سکتی۔ اگر آ سکتی ہے تو کوئی اس کی نظیر پیش کرے'۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 606 حاشیہ)

ان گنت پیش خبریاں:

بار بار پوری ہونے والی ان پیشگوئیوں کے تحت ظاہر ہونے والے نشانات کی تعداد حقیقتاً اَن گنت ہے۔ اسی لیے حضرت مسیح موعودؑ نے 1905ء میں براہینِ احمدیہ صفحہ 240 سے 242 پر مذکور (روحانی خزائن جلد 1 صفحہ نمبر 266 تا 268) کچھ پیشگوئیوں کے حوالے سے اس تعداد کا یوں ذکر فرمایا: '' ان چند سطروں میں جو پیشگوئیاں ہیں۔ وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے جو اوّل درجہ پر خارق عادت ہیں۔ (براہینِ احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ نمبر 72 نیا ایڈیشن)

بعد کے زمانہ میں پوری ہونے والی خبریں: ان پورا ہو جانے والی خبروں پر مستزاد اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی ایسی خبریں بھی دیں جو آپ کے بعد کے زمانہ میں پوری ہونی تھیں۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کا مخالفین کی کئی نسلوں تک آسمان سے نہ اُترنا، اپنے بعد قدرتِ ثانیہ (خلافت) کا ظہور، تین سو سال میں جماعت کا عالمگیر غلبہ، آپ کی تبلیغ کا زمین کے کناروں تک پھیلنا، جماعت کو MTA کا ملنا، بادشاہوں کا آپ کی بیعت میں آنا اور آپ کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈنا، آپ کے ماننے والوں کا علم و معرفت میں کمال حاصل کرنا اور سب سے آگے بڑھ جانا، آپ کی نسل و ذریت کا پھیلنا اور مخالف جدی رشتہ داروں کی نسل کا منقطع ہو جانا، قادیان کی ترقی، ہجرت کا ہونا، آپ کی ذریت و نسل میں بیسیوں اعلیٰ نشانوں والے مصلح موعود کا ظہور اور دیگر۔

آپ کی وفات کے بعد پوری ہونے والی ایسی ہی پیش گوئیوں میں سے دس کا بترتیب تاریخ خبر اختصار سے ذکر اس مضمون کا موضوع ہے۔

1۔ انگریزی حکومت کے زوال کی خبر:

اوائل 1891ء میں آپ کو غیب کی یہ خبر ملی:

ے سلطنت برطانیہ تا ہشت سال		بعد ازاں ایامِ ضعف و اختلال

(سیرت المہدی از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب جلد اول صفحہ نمبر 68 نیا ایڈیشن)

ایسے وقت میں جبکہ انگریز حکومت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا یہ ایک معین عرصہ میں اس کے زوال کی خبر تھی۔ حضرت حافظ حامد علی صاحب نے اس الہام کی مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو جو ابھی مخالف نہ ہوئے تھے خبر کر دی۔ جلد بعد مخالف ہو جانے پر مولوی صاحب نے حکومت کو حضرت مسیح موعود ؑ سے بدظن کرنے کے لیے اس کا ذکر اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد 13 نمبر 1۔3 صفحہ نمبر 3 پر کیا۔ اس سے پہلے حضرت مسیح موعود ؑ کو اللہ تعالیٰ یہ خبر دے چکا تھا کہ آپ کا وجود گورنمنٹ انگریزی کے لیے بمنزلہ حرزِ سلطنت ہے جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا:

'براہینِ احمدیہ کے صفحہ 241 پر ایک پیشگوئی گورنمنٹ برطانیہ کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم اینما تولوا فثم وجہ اللہ یعنی خدا ایسا نہیں کہ اس گورنمنٹ کو کچھ تکالیف پہنچائے حالانکہ تو ان کی عمل داری میں رہتا ہو'

(اشتہار 22 مارچ 1897ء بحوالہ مجموعۂ اشتہارات جلد دوم صفحہ نمبر 69 حاشیہ ۔ ربوہ۔ جدید ایڈیشن)

ان دونوں خبروں کے مطابق حضرت مسیح موعود کی حیات میں حکومت برطانیہ کا عروج کا برقرار رہنا اور 1908ء میں آپ کی وفات یعنی حرزِ سلطنت کے اٹھ جانے کے آٹھ سال بعد جنگ عظیم اول کے ساتھ اس کی کمزوری کا آغاز ہونا اور پھر بتدریج کمزور ہوتے چلے جانا یہاں تک کہ اپنی اصل حدود تک سمٹ آنا ایک تاریخی حقیقت ہے۔ جو ان دونوں پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر گواہ ہے۔

2۔ ترکی حکومت کی خراب حالت :

سفیر سلطنتِ روم حسین کامی مقیم کراچی (اس وقت کراچی) نے 1897ء میں قادیان آ کر حضرت مسیح موعود سے اپنی خواہش پر خلوت میں ملاقات کی اور سلطان روم کے لیے ایک خاص دعا کی درخواست کی اور جاننا چاہا کہ آئندہ قضاء وقدر سے کیا پیش آنے والا ہے۔

حضرت مسیح موعود نے فرمایا: ''سلطان کی سلطنت کی اچھی حالت نہیں ہے اور مَیں کشفی طریق پر اس کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں'۔ (اشتہار 24 مئی 1897ء مجموعۂ اشتہارات جلد دوم صفحہ نمبر 104 نیا ایڈیشن)

اس وقت رومی سلطنت کی عنان عبدالحمید دوم کے ہاتھ میں تھی جو 1876ء سے حکمران تھا۔ حضرت مسیح موعود کو ملنے والی اس غیبی خبر کے مطابق ایک دہائی بعد یہ انجام سامنے آ گیا۔ 6 جولائی 1908ء کو کامیاب بغاوت کے نتیجہ میں سلطان کو اس پارلیمنٹ اور آئین کو بحال کرنا پڑا جو اس نے 30 سال پہلے معطل کر دیا تھا۔ اور پھر 3 اپریل 1909ء کو سلطان کو تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔

سلطان عبدالحمید کی حکومت کا یہ خاتمہ ترکی سلطنت کے بدانجام کی آسمانی خبر کا اختتام نہ تھا۔ ابھی اور بہت کچھ ہونا تھا۔ چنانچہ پہلی جنگِ عظیم میں سلطنتِ عثمانیہ نے اپنے حلیف جرمنی کے ساتھ اتحادیوں کے مقابل جنگ کا فیصلہ کیا۔ اس جنگ میں جرمنی کو شکست ہوئی اور جنگ کے خاتمہ پر اتحادی سلطنت پر قابض ہو گئے اور حصے بخرے کر لیے۔ نتیجتاً تقریباً تمام سلطنت ہاتھ سے نکل گئی۔

بعد میں خود ترکی پارلیمنٹ نے ایک قرارداد کے ذریعہ 3 مارچ 1924ء کو خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ اور سلطان محمود کے بعد نومبر 1922ء میں بننے والے آخری خلیفہ عبدالمجید دوم (Abdulmejid ii) کو جلاوطن کر دیا گیا۔

3۔ افغانستان کی زبوں حالی:

حضرت مسیح موعودنے 22مئی 1900ءکوتحریرفرمایا :'اگرامیرصاحب والی کابل۔نامی علماءکوجمع کرکے اس مسئلہ جہادکومعرضِ بحث میں لاویں اور پھرعلماءکے ذریعہ عوام کوان کی غلطیوں پرمتنبہ کریں بلکہ اس ملک کے علماء سے چندرسالے پشتوزبان میں تالیف کرکرعام طورپرشائع کرائیں تو یقین ہے کہ اس قسم کی کاروائی کالوگوں پربہت اثرپڑے گااوروہ جوش جوناداں ملّاعوام میں پھیلاتے ہیں رفتہ رفتہ کم ہوجائے گا۔اوریقیناامیرصاحب کی رعایا کی بڑی بدقسمتی ہوگی اگراس ضروری اصلاح کی طرف امیرصاحب توجہ نہیں کریں گےاورآخری نتیجہ اس کااس گورنمنٹ کے لیےخودزحمتیں ہیں'۔

(گورنمنٹ انگریزی اورجہادروحانی جلد17صفحہ نمبر18نیاایڈیشن)

نیز 'امیرصاحب کوخداتعالیٰ نے یہ موقع دیاہے کہ وہ اپنی امارت کے کارنامہ میں اس اصلاحِ عظیم کا تذکرہ چھوڑ جائیں اور یہ وحشیانہ عادات جو اسلام کی بدنام کنندہ ہیں جہاں تک ان کے لیےممکن ہوقومِ افغان سے چھڑادیں۔ورنہ اب دورِمسیح موعودآ گیاہے۔اب بہرحال خداتعالیٰ آسمان سے ایسےاسباب پیداکردےگا'۔(گورنمنٹ انگریزی اورجہادروحانی خزائن جلد17صفحہ نمبر19نیاایڈیشن)

'افغانستان کے رعایا کی بدقسمتی' 'گورنمنٹ کے لیےزحمتیں'۔اورپھر'آسمان سے اسباب پیداہونے' کی یہ خبریں عجیب تھیں اور بوقت تحریربظاہر ناممکنات اورماورائےتصور۔لیکن پھرحالات بدلےاوریہ سب باتیں اسی طرح پوری ہوئیں۔

گورنمنٹ کے لیےزحمتیں: اس تحریرکامخاطب امیرعبدالرحمن خان تھاجوایک مضبوط حکمران تھااورآہنی امیرکہلاتاتھا۔افغانستان پراس کاپوراکنٹرول تھا۔امیرکابیٹاحبیب اللہ خان اگلابادشاہ ہواجسے 1919ءمیں قتل کردیاگیا۔اس کے جانشین امان اللہ خان کو 1929ءمیں ملک سےفرارہوناپڑااور ایک ادنیٰ شخص بچہ سقہ حکومت پرقابض ہوگیا۔اگلابادشاہ نادرشاہ ہوئےجسے چاربرس بعدقتل کردیاگیا۔اگلابادشاہ ظاہرشاہ جلاوطن کیاگیااور 1973ءمیں بادشاہت کاخاتمہ ہوگیا۔

آسمان سے اسباب: دسمبر 1979ءمیں غیرمتوقع طورپرسوویت فوجیں ملک میں درآئیں اوراگلےدس سال پس پردہ حکومت کرتی رہیں۔خانہ جنگی کے بعدستمبر 1996ءمیں افغانستان پرطالبان قابض ہوگئے۔اکتوبر2001ءمیں سات سمندرپارواقع امریکہ نےفوجی مداخلت کردی اوراس کے اتحادیوں نےامریکی مددسےطالبان حکومت کاخاتمہ کردیا۔

افغان رعایا کی بدقسمتی: بدامنی اورفسادکےاس سارےعرصہ میں افغان عوام مصائب کاشکاررہے۔ بچہ سقہ کےدورمیں ہزاہالوگ مارے گئےاور لوٹ مارکانشانہ بنے۔سوویت افغان جنگ کےدوران تقریباً 2ملین افغان ہلاک ہوئے۔اور6ملین بےگھرہوکرپاکستان اورایران میں پناہ گزین ہوئے۔ملک کےاندرشہروں اورقصبوں کی بےحساب تباہی ہوئی۔طالبان کےحکومت پرقبضہ کی کوششوں کےدوران مزید 5لاکھ کابلی جان بچانے کے لیےپاکستان فرارہوئے۔ہلاکتوں کایہ حال تھاکہ صرف 1990ءتاستمبر2001ءچارلاکھ افغانی مارےگئے۔مرےکومارےکےمصداق۔افغانیوں کوپانچ سال تک طالبان حکومت بھی برداشت کرنی پڑی جسےوقائع نگارروس میں اسٹالن اورکمبوڈیامیں Khmer Rouge کی حکومت جیسا قرار دیتے ہیں۔

آج بھی حالات ویسےہی ہیں۔ملک پرویرانی کےسائے ہیں۔لوگ ضروریاتِ زندگی سےمحروم ہیں۔نقل مکانی کرنےوالےکس مپرسی کی زندگی گزاررہےہیں جہاں افغان نوجوان کاسائیکل پرکچراجمع کرناایک عام نظارہ ہے۔ابھی یہ خبراخباروں میں چھپی ہے کہ

(The United States wasted billions of dollars to stabilise fragile parts of Afghanistan from 2001-2017 Reports of Special Inspector for Afghanistan, Reconstruction, The News, Karachi, May 26, 2018)

ترجمہ: افغانستان کے شکستہ علاقوں کے استحکام کی کوشش میں امریکہ کا 2001ء سے 2017ء کے دوران اربوں ڈالر کا خرچ بے نتیجہ رہا ہے۔

Amensty International کی افغانستان کے بارے میں 2017ء کی رپورٹ کے مطابق 2002ء سے 2017ء کے درمیان 5.8 ملین سے زیادہ افغان مہاجرین واپس آئے۔ جبکہ 2017ء میں تقریباً 2.6 ملین افغان مہاجر دنیا کے 70 ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں سے تقریباً 95 فیصد ایران اور پاکستان میں ہیں۔

آج بھی افغانستان دنیا کے غریب ترین ممالک میں سے ایک ہے۔ حکومتِ افغانستان اور ورلڈ بینک کی مشترکہ کوشش سے 8 مئی 2017ء کو Poverty Status Update Report کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ جس کے مطابق 2013/14 میں ملک کی 39 فیصد آبادی اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے ناقابل تھی۔ یہ تعداد گزشتہ دو سال میں 3 فیصد بڑھی ہے۔ واضح رہے کہ Poverty Line سے نیچے اس تعداد کے علاوہ تقریباً 30 فیصد آبادی اس لائن کے بالکل قریب اس سے اوپر ہے اور ان کی حالت بھی کوئی اچھی نہیں۔

16 سال پہلے 2001ء کی UNDP کے مطابق بھی تقریباً یہی صورتحال تھی۔ 70 فیصد آبادی کو پیٹ بھر کے روٹی نصیب نہ تھی۔ رپورٹ کے الفاظ ہیں:. 'In most aspects, Afghanistan is worse off than almost any country in the word'

ترجمہ: اکثر لحاظ سے افغانستان دنیا کے کسی بھی اور ملک سے بدتر حالت میں ہے۔

غرض یہ کہ پیش گوئی کا لفظ لفظ پورا ہوا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ مکافاتِ عمل کی چکی میں پسے اس ملک میں یہ سلسلہ ابھی اور کتنا چلنا ہے اور کب اسے اُس وعید سے چھٹکارا ہوگا جو حضرت مسیح موعود نے حضرت شہزادہ عبدالطیف شہید صاحب کی کابل میں سنگساری کے بعد 1903ء میں ان الفاظ میں بیان فرمائی: 'اے کابل کی زمین تو گواہ رہ کہ تیرے پر سخت جرم کا ارتکاب کیا گیا۔ اے بدقسمت زمین تو خدا کی نظر سے گر گئی کہ تو اس ظلمِ عظیم کی جگہ ہے'۔

(تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 74)

4۔ آریہ مذہب کا خاتمہ:

1875ء میں بمبئی میں دیونند سرسوتی کے قائم کردہ آریہ سماج کے لیے انیسویں صدی کا آخر عروج کا دَور تھا جیسا کہ لکھا گیا:

" Writing in 1902, Mr Burn, ICS, of the United Provinces (UP) thought it was ' the most important' of the Hindu movements in those provinces'"

(Cencus Report by Lajpat Rai P.262 Longmans, Green and Co, London ,1915)

ترجمہ: یوپی کے مسٹر برن آئی سی ایس نے 1902ء میں لکھا کہ آریہ سماج ان صوبہ جات کی ہندو تحریکوں میں سب سے زیادہ اہم تھا۔

(مردم شماری رپورٹ از لالہ لاجپت رائے مطبوعہ 1915ء)

اس مردم شماری سے قبل کی دہائی میں اس تحریک کے پنجاب شاخ کے لیڈر اور آریہ گزٹ کے ایڈیٹر پنڈت لیکھرام کی بلا روک ٹوک جاری اسلام دشمن سرگرمیاں آریہ سماج کے بڑھتے ہوئے رسوخ کی آئینہ دار تھیں۔ اس تناظر میں حضرت مسیح موعود نے 1903ء میں یہ پیشگوئی فرمائی کہ:

'اور یہ خیال مت کرو کہ آریہ یعنی ہندو دیونندی مذہب والے کچھ چیز ہیں۔۔۔ ابھی تم میں سے لاکھوں اور کروڑوں انسان زندہ ہوں گے کہ اس مذہب

کو نابود ہوتے دیکھ لوگے۔‘ (تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 67-68)

یہ ایک حیرت انگیز خبر تھی اور موجود زمینی حقائق کے برعکس۔لیکن خدا کی بات پوری ہوئی۔ 1923ء میں آریہ سماجی لیڈر سوامی شردھانند نے شدھی مہاسبھا قائم کر کے مغربی یوپی کے مسلمان ملکانہ راجپوتوں کو دوبارہ ہندو بنانے کا آغاز کیا۔حضرت مصلح موعود کی راہنمائی میں احمدی رضا کاروں نے اس تحریک کا کامیابی سے مقابلہ کیا۔جس سے نہ صرف یہ ناکام ہوئی بلکہ خود آریہ سماج کی بدحالی پر منتج ہوئی۔جس کا یوں اعتراف کیا گیا:

’ہندوؤں کو اپنے ہی ہم وطنوں کی ایک جماعت کی طرف سے خطرہ ہے۔اور وہ خطرہ اتنا عظیم ہے کہ اس کے نتیجہ کے طور پر آریہ جاتی صفحہ ہستی سے مٹ سکتی ہے۔وہ خطرہ ہے تنظیم وتبلیغ کا۔مسلمانوں کی طرف سے یہ کام اس تیزی سے ہورہا ہے کہ ہندوؤں کے پاؤں اُکھڑ رہے ہیں۔ان کی تعداد سال بہ سال کم ہورہی ہے اگر اسے کسی طرح روکا نہ گیا تو ایک وقت ایسا آسکتا ہے جبکہ آریہ دھرم کا کوئی بھی نام لیوا نہ رہے گا‘۔

(اخبار پرتاپ لاہور 21 اکتوبر 1929ء ایڈیٹر مہاشہ کرشن بی۔اے بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ نمبر 394 نیا ایڈیشن از حضرت مولانا دوست محمد شاہد)

تب آریہ سماج اپنی ان سرگرمیوں کو جو ایک طرح اس کی شناخت تھیں ترک کر کے اپنی انفرادیت کھو بیٹھا۔اور اس نام سے تنظیموں یا سماج سے متعلق افراد کی موجودگی کے باوجود عملی طور پر علیحدہ مذہب کے طور پر نابود ہوکر وہ ہندومت کا ایک حصہ بن گیا۔اور یوں سماج کے ایک بڑے لیڈر کی 1915ء میں کی گئی یہ تمنا اور خواہش اگلے 15 سال میں دم توڑ گئی کہ

’ راقم کے خیال میں آریہ سماج کی اس سے بڑی اور عظیم تر کوئی امنگ نہیں ہوسکتی کہ اس کی پوری تعلیمات یا کم از کم اس کے جذبے کو ہندو دھرم اپنا لے۔۔۔ ہم نہیں چاہتے کہ آریہ سماج ہندو دھرم کے وسیع سمندر میں گم ہوکر رہ جائے‘۔

(آریہ سماج کی تاریخ از لالہ جپت رائے صفحہ نمبر 234 پرنٹ لائن پبلشرز لاہور جنوری 2000ء)

نوٹ : یہ اسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جو 1915ء میں انگریزی میں شائع ہوئی تھی اور جس کا ایک حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔

1929ء میں آریہ سماج کے اس انجام کو دیکھنے والے لوگوں میں یقیناً لاکھوں کروڑوں لوگ ایسے ہوں گے جو 1903ء میں اس پیش خبری کے بیان کے وقت بھی موجود تھے اور یوں وہ سب اس کی سچائی پر گواہ ہوئے۔

5۔ روم کا پہلے مغلوب اور پھر غالب ہونا :

17 دسمبر 1903ء کو آپ کو خبر دی گئی: غُلِبَتِ الرُّوۡمُ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِھِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ

(تذکرہ صفحہ نمبر 417 بحوالہ کاپی الہامات حضرت مسیح موعود صفحہ نمبر 21)

ترجمہ: رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہوگئے اور وہ مغلوب ہونے کے بعد جلد ہی غالب ہوجائیں گے۔

یہ الہام ریویو آف ریلیجنز اردو ماہِ جنوری 1904ء صفحہ نمبر 40 شائع ہوا۔

اس پیش خبری کے تقریباً 8 برس بعد اچانک 29 ستمبر 1911ء کو طرابلس جنگ شروع ہوگئی۔یہ جنگ اٹلی اور ترکی سلطنت کے درمیان تھی۔گو یہ جنگ اٹلی نے شروع کی تھی لیکن اس کی فوجیں جلد ہی 23 اکتوبر 1911ء کو مغلوب ہوگئیں اور تقریباً تمام حملہ آور دستے کھیت ہوگئے۔یہ پیشگوئی کے اس حصہ کے عین مطابق تھا جس میں رومیوں کے مغلوب ہونے کا اوّل ذکر تھا۔

بعد میں باوجود ترکی حکومت کے سخت حملوں کے انہیں رومیوں کے خلاف کوئی بڑی کامیابی نہیں ہوئی اور بالآخر 18 اکتوبر 1912ء کو جنگ اس حال

میں ختم ہوئی کہ رومی غالب تھے اوران کا طرابلس صوبہ پر قبضہ برقرار تھا اور یوں اس خبر کا دوسرا حصہ بھی پورا ہوا۔

6۔ ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت:

یہ الہام اخبار الحکم کی اشاعت مورخہ 10 جولائی 1905ء میں ایڈیٹر صاحب کی اس وضاحت کے ساتھ شائع ہوا۔

'اس الہام کو ہماری جماعت کا بہت بڑا حصہ جانتا ہے خصوصاً وہ لوگ جو دارالامان میں رہتے ہیں۔ میری غفلت سے یہ اخبار میں پہلے شائع نہیں ہو سکا'۔ تذکرہ میں حضرت مسیح موعود کی کاپی الہامات کے حوالے سے 29 اپریل 1904ء کی تاریخ میں درج اس الہام کے الفاظ یہ ہیں کہ

'کوریا خطرناک حالت میں ہے۔ مشرقی طاقت'۔ (تذکرہ صفحہ نمبر 429 نیا ایڈیشن)

ایک ایسے وقت میں جب کہ کوریا ایک غیر معروف ملک تھا۔ غیب کی اس خبر میں مشرق میں ایک طاقت کے ابھرنے اور اس کے کوریا میں ملوث ہونے سے کوریا کی حالت کا نازک ہونا یا کوریا کا (باعث جنگ ہونے کے سبب) خطرناک ہونا بتایا گیا تھا۔ یہ پیش خبری دوبار پوری ہوئی۔

اوّل یہ مشرقی طاقت انتہائی مشرق میں واقع ملک جاپان بنا۔ جس نے اگرچہ 6 فروری 1904ء سے روس کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا تھا لیکن اس پیش خبری کے بعد یک دم ایک طاقت بن کر ابھرا اور روس پر بھی بھاری ٹھہرا۔ حتیٰ کہ اس نے کوریا پر مکمل قبضہ کر لیا۔ اور 5 ستمبر 1905ء کے پورٹس ماؤتھ کے معاہدہ کے مطابق اس کا حقِ سیادت تسلیم کر لیا گیا۔

(تاریخ اقوامِ عالم از مرتضیٰ حسن خان صفحہ نمبر 667۔668 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 12 از دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 347۔348 نیا ایڈیشن)

اور یوں کوریا کی حالت نازک ہونے کے حوالے سے پیش گوئی کا دوسرا حصہ بھی پورا ہوا۔ اور پھر چالیس سال یعنی 1945ء تک پورا ہوتا رہا یعنی کوریا کی حالت جاپانی تسلط میں نازک رہی اور جاپان ایک بڑی مشرقی طاقت بنا رہا۔

دوسری بار یہ مشرقی طاقت چین تھی جس کی سرپرستی میں جون 1950ء میں شمالی کوریا نے جنوبی کوریا پر حملہ کر دیا۔ امریکہ اور اس کے تیرہ اتحادیوں کی فوجیں مقابل آ گئیں اور شدید جنگ چھڑ گئی اور کوریا کی حالت نازک ہو گئی۔ یہ ہاتھیوں کی جنگ تھی جس میں بے حساب خون بہا۔ شمالی کوریا کی بیاسی لاکھ آبادی میں سے اڑتیس لاکھ افراد مارے گئے۔ بھوک کے ہاتھوں مرنے والے مزید تھے۔ اور کوریا کی ساری آبادی خانہ بدوش ہو کر رہ گئی۔ اور یوں خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔

7۔ جنگِ عظیم:

حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے 1905ء میں درج ذیل غیبی خبریں دیں:

1۔ 8 اپریل 1905ء : زَلْزَلَةُ السَّاعَةِ : ترجمہ و شرح: وہ قیامت کا زلزلہ ہوگا (مجھے علم نہیں دیا گیا کہ زلزلہ سے مراد زلزلہ ہے یا کوئی اور شدید آفت ہے جو دنیا پر آئے گی جس کو قیامت کہہ سکیں گے) اور مجھے علم نہیں دیا گیا کہ ایسا حادثہ کب آئے گا اور مجھے علم نہیں کہ وہ چند دن یا چند ہفتوں تک ظاہر ہوگا یا خدائے تعالیٰ اس کو چند مہینوں یا چند سال کے بعد ظاہر فرمائے گا۔ بہرحال وہ حادثہ زلزلہ ہو یا کچھ اور ہو، قریب ہو یا بعید ہو۔ پہلے سے بہت خطرناک ہے۔ سخت خطرناک ہے۔ (اشتہار الانذار 8 اپریل 1905ء مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ نمبر 634۔635 نیا ایڈیشن)

2۔ 'ایک زلزلہ عظیم کی نسبت پیشگوئی باردوئم۔ وحی الٰہی سے۔۔۔۔ زلزلہ سے دیکھتا ہوں مَیں زمین زیر و زیر

9 اپریل 1905ء کو پھر خدا تعالیٰ مجھے ایک سخت زلزلہ کی خبر دی ہے۔ جو نمونہ قیامت اور ہوش رُبا ہوگا۔

حاشیہ: یہ پیشگوئی دوسرے زلزلہ کی 9 اپریل 1905 ء کی وحی الٰہی کی بناء پر ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خطرناک زلزلہ صرف ایک نہیں بلکہ غالباً اس کے بعد کئی اور زلزلے بھی ہیں'۔(اشتہار 18 اپریل 1905 ء مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ نمبر 637 نیا ایڈیشن)

3۔ عربی وحی الٰہی کا ترجمہ: 'ہم تیرے لیے زلزلہ کا نشان دکھلائیں گے اور وہ عمارتیں جن کو غافل انسان بناتے ہیں یا آئندہ بنائیں گے۔گرادیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زلزلہ نہیں بلکہ کئی زلزلے ہوں گے جو عمارتوں کو وقتاً فوقتاً گرائیں گے'۔

(اشتہار 18 اپریل 1905 ء مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ نمبر 642 نیا ایڈیشن)

4۔'آج 29 اپریل 1905 ء کو پھر خدا تعالیٰ نے مجھے دوسری مرتبہ زلزلہ شدیدہ کی نسبت اطلاع دی ہے۔سو مَیں محض ہمدردی مخلوق کے لیے عام طور پر تمام دنیا کو اطلاع دیتا ہوں کہ یہ بات آسمان پر قرار پا چکی ہے کہ ایک شدید آفت سخت تباہی ڈالنے والی دنیا پر آوے گی۔جس کا نام خدا تعالیٰ نے بار بار زلزلہ رکھا ہے'۔(اشتہار 29 اپریل 1905 ء مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ نمبر 645 نیا ایڈیشن)

مندرجہ بالا الہامات سے ظاہر ہے کہ دنیا پر آنے والی یہ سخت تباہی ایک سے زائد ہیں۔

5۔ 'زلزلہ کے وقت کے لیے توجہ کی گئی تھی کہ کب آوے گا۔اسی توجہ کی حالت میں زلزلہ کی صورت آنکھوں کے آگے آگئی'۔

(بدر 29 مارچ 1906 ء بحوالہ تذکرہ صفحہ نمبر 518 نیا ایڈیشن)

6۔ ایک اور زلزلہ کا نظارہ دکھائی دینے کا ذکر بدر 14 جون 1906 ء میں بھی ہے۔(بحوالہ تذکرہ صفحہ نمبر 536 نیا ایڈیشن)

ان ارشادات سے لگتا ہے کہ آپ کو آنے والی ان تباہیوں کا حال بصورت کشف دکھلا یا گیا اور غالباً یہی نظارے تھے جن کو آپ نے یوں نظم فرمایا:۔

وہ تباہی آئے گی شہروں پہ اور دیہات پر	جس کی دنیا میں نہیں ہے مثل کوئی زینہار
ایک ہی گردش سے گھر ہو جائیں گے مٹی کے ڈھیر	جس قدر جانیں تلف ہوں گی نہیں ان کا شمار

(نظم درثمین از نوٹ بک حضرت مسیح موعود)

اک جھپک میں یہ زمین ہو جائے گی زیر و زبر	نالیاں خون کی چلیں گی جیسے آبِ رودبار
ہوش اُڑ جائیں گے انسان کے پرندوں کے حواس	بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار
ہر مسافر پر وہ ساعت سخت ہے اور وہ گھڑی	راہ کو بھولیں گے ہو کر مست و بے خود راہوار
مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس	زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی با حالِ زار

(براہینِ احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ نمبر 151۔152)

ان اشعار میں دیہات میں تباہی اور پرندوں، مسافروں اور زارِ روس کا ذکر بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ شدید آفت ظاہری زلزلہ نہیں۔

بڑی مصیبت کو اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی زلزلہ فرمایا ہے جیسے جنگ احزاب کی آزمائش کو مومنوں کے لیے وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا (احزاب 12:33) فرمایا گیا۔حضرت مسیح موعود نے خود بھی یہ وضاحت فرمائی کہ :'ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھلاوے جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے'۔(براہینِ احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ نمبر 151 حاشیہ)

اس آفت کے جنگ وجدل ہونے پر درج ذیل دو الہام بھی قرینہ ہیں جو اسی دوران آپ کو ہوئے :

i۔ 23 مئی 1905 ء کا الہام 'لنگر اٹھا دو' (الحکم 24 مئی 1905 ء بحوالہ تذکرہ صفحہ نمبر 463)

ii۔ 11 مئی 1906 ء کا الہام 'کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں' (بدر 17 مئی 1906 ء بحوالہ تذکرہ 527)

ان جنگوں سے ہونے والی تباہ کاریوں کے بارے میں آپ کو درج ذیل خبریں دی گئیں :

خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے۔۔۔بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہوں گے اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔اس موت سے چرند پرند بھی باہر نہیں ہوں گے اور زمین پر اس قدر سخت تباہی آئے گی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی۔اور اکثر مقامات زیر وزیر ہو جائیں گے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین وآسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہوں گی یہاں تک کہ ہر ایک عقل مند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائیں گی اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے کسی صفحہ میں ان کا پتہ نہیں ملے گا۔۔۔دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہوں گی۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 268)

'اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔مَیں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں'۔(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 269)

جنگِ عظیم اوّل اور دوم کے درج ذیل حالات سے اس تباہی کا عالمگیر، شدید، بے مثل اور انتہائی تباہ کن ہونا اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں سے ماورا ایٹم بم کا گرایا جانا ظاہر ہے جس سے اس پیشگوئی کا لفظ بہ لفظ پورا ہونا بھی اظہر من الشمس ہے۔

پہلی جنگِ عظیم :

The war was virtually unprecented in the slaughter, carnage and destruction it caused.

Total soldiers killed and died, 8,528,831 wounded, 21,189,154 prisoners & missing 7,750,919. Total affected 37.468 millions. Total mobilized forces 65,038,810 it has been estimated that he number of civilian deaths attributable to the the war was higher than the military casualties of around 13,000,000. (www.britinnica.com/even/world-war1)

ترجمہ: انسانی جانوں کے قتل اور تباہی کے اعتبار سے درحقیقت اس جنگ کی کوئی اور مثال نہیں۔جنگ کے انسانی متاثرین کی کل تعداد 37.468 ملین تھی۔اس میں سپاہی مقتولین کی تعداد 8.529 ملین، زخمیوں کی 21.189 ملین اور گمشدگان اور قیدیوں کی 7.751 ملین۔جنگ میں جھونکے جانے والے کل فوجیوں کی تعداد 65 ملین سے زیادہ تھی۔جنگ کے نتیجہ میں شہری اموات تقریباً 13 ملین مرنے والے فوجیوں سے بھی زیادہ تھیں۔

دوسری جنگِ عظیم :

Deadliest conflict in human History.It was the worst global war in history. It directly involved more than 100 million people from 30 countries. (Wikipedia World War II)

ترجمہ: انسانی تاریخ کا سب سے زیادہ خونی جھگڑا۔یہ تاریخ کی بدترین جنگ تھی جس میں 30 ملکوں کے 100 ملین سے زائد لوگ متاثر ہوئے۔

ویب سائٹ second-world-war.co.uk کے مطابق 60 ملین سے زیادہ لوگ جنگ میں کام آئے جن میں سے دوتہائی یعنی 40 ملین سے زیادہ شہری آبادی تھی۔

8۔ ایران کے محل میں تزلزل :

15 جنوری 1906 ءکو حضرت مسیح موعود کو یہ غیب کی خبر دی گئی کہ ’’ تزلزل در ایوانِ کسریٰ افتاد ۔ترجمہ: شاہ ایران کے محل میں تزلزل پڑ گیا۔

یہ الہام 19 جنوری 1906 ء کے اخبار بدر میں شائع ہوا۔(بحوالہ تذکرہ صفحہ نمبر 503 نیا ایڈیشن)

یہ ایک عجیب خبر تھی اس وقت ایران پر مظفر الدین شاہ کی حکومت تھی جنہوں نے صرف چند ماہ قبل 1905 ء میں عوامی مطالبہ مان کر ملک میں پارلیمنٹ قائم کر دی تھی اور اس سبب بہت مقبول تھے۔لیکن پیش گوئی کے اگلے سال ہی جنوری 1907 ء میں مظفر شاہ صرف 53 سال کی عمر میں انتقال کر گئے ۔ نئے بادشاہ مرزا محمد علی نے گو پارلیمنٹ کو برقرار رکھا لیکن جلد بادشاہ اور مجلس میں اختلاف رونما ہو گئے ۔ جو اس حد تک خراب ہوئے کہ بادشاہ نے پارلیمنٹ کو موقوف کر دیا۔اس سے ملک میں بغاوت پھیل گئی ۔ صرف ڈھائی سال کے عرصہ میں بادشاہ کے محل میں یہ تزلزل انتہاء کو پہنچ گیا جب 15 جولائی 1909 ء کو بادشاہ کو اپنا محل چھوڑ کر روسی سفارت خانہ میں پناہ گزین ہونا پڑا۔اور پیشگوئی پوری شان سے پوری ہوئی ۔محمد علی شاہ کے اس طرح حکومت چھوڑنے کے بعد احمد شاہ بادشاہ ہوا۔جس نے پارلیمنٹ بحال کر دی ۔ناچار حکومت کا دَور 12 دسمبر 1925 ء کو پہلوی حکومت سے بدلا ۔اس آئینی بادشاہت کا سلسلہ 1979 ء میں اپنے حتمی انجام کو پہنچا۔ 16 جنوری 1979 ء کو شاہ ایران رضا شاہ پہلوی اور ان کی ملکہ کو اپنا محل،حکومت اور ایران سب کچھ چھوڑنا پڑا۔اور بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا۔تب ایوانِ کسریٰ میں تزلزل کی یہ آسمانی خبر 73 سال بعد ایک بار پھر پوری ہوئی۔

9۔اہل بنگال کی دلجوئی:

11 فروری 1906 ء کو آپ کو خدائے علام الغیوب نے خبر دی کہ

’پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی‘ ۔(بدر 16 فروری 1906 ء بحوالہ تذکرہ صفحہ نمبر 508 نیا ایڈیشن)

حضرت مسیح موعود ؑ نے اس الہام کے ذیل میں تحریر فرمایا:

’بنگالہ کی نسبت پیشگوئی ہے جو تقسیمِ بنگالہ سے اہل بنگالہ کی دل آزاری کی گئی ۔خدا فرماتا ہے کہ پھر وہ وقت آتا ہے کہ پھر کسی پیرایہ میں اہل بنگالہ کی دلجوئی کی جائے گی‘۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 109)

انتظامِ ملک میں سہولت کی خاطر انگریز حکومت نے 16 اکتوبر 1905 ء کو بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔اس تقسیم کو عوامی سطح پر ناپسند کیا گیا۔حتیٰ کہ اس کے خلاف بلوے بھی ہوئے لیکن حکومت کی جانب اس حوالے سے دادرسی کا کوئی عندیہ نہ دیا گیا۔

ایسے میں حضرت مسیح موعود کو ملنے والی یہ خبر مذاق کا نشانہ بنی۔لیکن بالآخر درست ثابت ہوئی ۔اور خود آپ کی موجودگی میں پیش گوئی کے پورا ہونے کی یہ صورت پیدا ہوئی کہ بنگال کا لیفٹنٹ گورنر فلر جس کے ہاتھوں اہل بنگال بہت تنگ اور شاکی تھے یکدم مستعفی ہو گیا اور یہ امر اہل بنگال کی دلجوئی کا باعث ہوا۔اس واقعہ کی حضرت مسیح موعود کی بیان فرمودہ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 11)

وقت کے ساتھ یہ تقسیم بظاہر ایک مستقل صورت اختیار کر چکی تھی کہ اچانک خود بادشاہ جارج پنجم نے دہلی کے دربارِ عام میں 12 دسمبر 1911 ء کو پہلے جو حکم جاری کیا گیا تھا اس میں ترمیم کا اعلان کر دیا جس کے تحت صوبہ جات بہار،اُڑیسہ اور آسام کو علیحدہ کر کے باقی بنگال کو ایک صوبہ بنا دیا گیا نیز برطانوی حکومت کا دارالحکومت کلکتہ سے بدل کر نئی دہلی کر دیا گیا۔یہ اعلان چونکہ اہل بنگال کی خواہش کے عین مطابق تھا اس لیے ان کی دلجوئی کا باعث ہوا۔

انسائکلو پیڈیا برٹینیکا کی ویب سائٹ پر لنک : www.britannica.com/event/Partition-of-Bengal میں اس ترمیم کی

وجہ انہی الہامی الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ :

'The aim was to combine appeasement of Bengali sentiment with administrative conevience.'

ترجمہ: اس کا مقصد اہل بنگالہ کی دلجوئی اور انتظامی سہولت کو یکجا کرنا تھا۔

10۔ ایک قسم کے طاعون پھیلنے کی خبر:

گزشتہ آسمانی اخبار اور خود حضرت مسیح موعود کو ملنے والی خبروں کے مطابق ہندوستان اور بالخصوص پنجاب میں طاعون کی وباء پھیلی اور لکھو کھا ہلاکتوں کا باعث بنی۔ اس کے تقریباً اختتام پر 13 مارچ 1907ء کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک اور قسم کی طاعون کی یہ خبر دی۔

'یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہوگی'۔ (بدر 14 مارچ 1907ء بحوالہ تذکرہ صفحہ نمبر 595 نیا ایڈیشن)

پہلی بار 1920ء میں کانگو میں ایک نئی وبائی بیماری ظاہر ہوئی۔ جسمانی اخراج سے پھیلنے والی یہ بیماری انسانی دفاعی نظام کو متاثر کر دیتی تھی اور اس کا کوئی علاج نہ تھا۔ ابتدائی مرحلے پر شروع کی جانے والی دوائیاں صرف اسے پھیلنے سے روک سکتی ہیں۔ افریقہ سے یہ ہیٹی، وہاں سے 1970ء کے قریب نیویارک اور پھر وہاں سے تمام دنیا میں پھیلی۔

1980ء کی دہائی اور 1990ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں ایڈز نامی یہ وبا پورے امریکہ اور باقی دنیا میں پھیل گئی۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق 2017ء میں 70 ملین سے زیادہ لوگ اس سے متاثر ہو چکے ہیں۔ جبکہ تقریباً 35 ملین اس وبا کے شروع سے اب تک فوت ہو چکے ہیں۔ (www.history.com/topic-of-history-of-aids)۔ صرف 2016ء میں یورپ میں نئے متاثرین کی تعداد 160,000 رہی ہے۔ (انٹرنیٹ پر ورلڈ ہیلتھ نیوز 26 نومبر 2017ء)

1981/1980 میں جب یہ بیماری اول بار امریکہ آئی اور عوامی توجہ کا مرکز بنی تو کئی سال تک اسے Gay Plague یعنی ایک قسم کی طاعون کا نام دیا گیا۔ اور یوں عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی بہت سخت طاعون پھیلنے کی یہ پیش خبری لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔

حاصل کلام:

یوں تو یہ صرف دس پیش خبریوں کا مختصر سا احوال ہے لیکن پھر بھی انسانی عقل کو حیران و ششدر کرنے کے لیے بہت کافی کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے چنندہ بندے کو ایسی انہونی اور پوشیدہ غیب کی خبروں سے آگاہ فرمایا جن کے دائرے میں ہندوستان میں مذہبی تبدیلی، بنگال، افغانستان، ایران اور کوریا میں سیاسی تبدیلیاں، اٹلی اور ترکی میں جنگ، ایشیا اور یورپ میں پھیلی ترکی حکومت کے زوال، افریقہ یورپ اور امریکہ کی عیسائی آبادیوں میں بیماری کے پھیلنے، یورپ اور ایشیا میں جنگی تباہ کاریوں اور پورے گلوب پر حکمران انگریز حکومت کے زوال شامل تھے۔ غرضیکہ یہ پیش گوئیاں پورے کرہ ارض پر محیط تھیں۔ اور ان سے کروڑ ہا افراد براہ راست اور باقی آبادی بالواسطہ متاثر ہوئی۔ اور جو خبر دئے جانے کے ایک سے سات دہائیوں بعد پوری ہوئیں۔ جبکہ افغانستان اور ایک قسم کی طاعون کے بارے میں خبریں مسلسل پوری ہو رہی ہیں۔

ان حقائق کے ساتھ ان میں سے ہر خبر جہاں ہر صاف دل کے لیے عالم الغیب خدا کے وجود کی ایک نئی دلیل ہے وہیں ان خبروں کے پیام بر حضرت مسیح موعود کی صداقت پر ایک روشن گواہ۔



قرارداد لاہور: وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

تحریر ابونائل

آج ہم یوم پاکستان منا رہے ہیں۔ 23 مارچ 1940 کو قرارداد لاہور پیش کی گئی اور ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی منزل کا تعین کیا۔ سب جانتے تھے کہ ہندوستان کی آزادی کے دن قریب آرہے ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ فیصلے کرنا تھے۔ کانگرس ان کے خدشات دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور مسلم لیگ کی مرکزی کونسل بھی سر جوڑ کر بیٹھی تھی۔

مسلم لیگ کے اجلاس سے کچھ روز قبل رام گڑھ میں کانگرس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو کانگرس کا صدر منتخب کیا گیا۔ مولانا آزاد نے بہت قابلیت سے اس موضوع پر اظہار خیال کیا۔ اور یہ تسلی دی کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں کوئی خوف نہیں ہوگا کیونکہ ہندوستان میں نو کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ ان کی ایک اپنی تاریخ ہے وہ کوئی چھوٹی موٹی اقلیت تو نہیں کہ کوئی انہیں دبا لے۔ اتنے بڑے گروہ کو کیا خوف ہوسکتا ہے؟

آج پاکستان سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہندوستان میں آباد ہیں۔ آج کے ہندوستان کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ نہ جانے مولانا آزاد کے خیالات کا ہندوستان کہاں کھو گیا؟ ان سے قبل بدرالدین طیب جی، رحمت اللہ محمد سیانی، نواب سید محمد بہادر، سید حسن امام اور مولانا محمد علی جوہر کانگرس کی صدارت کر چکے تھے۔ لیکن مولانا آزاد کے بعد پچھتر برس گزر گئے ایک بھی مسلمان کانگرس کی صدارت کے عہدے پر فائز نہ ہوسکا۔

1940 میں چوہدری ظفراللہ خان صاحب وائسرائے لارڈ لینلتھگو کی وائسرائے کونسل میں وزیر تھے۔ جب مارچ میں وائسرائے نے اس وقت کے سیاسی منظر پر ان کی رائے مانگی تو انہوں نے ایک طویل میمورنڈم لکھ کر بھجوایا۔ جو کہ وائسرائے نے برطانیہ کی مرکزی حکومت کو بھی بھجوایا۔ اس میں انہوں نے یہ رائے دی کہ تاریخی طور پر ہندوستان ایک متحد ملک نہیں رہا تھا۔ اسے انگریزوں نے اپنے انتظامی مقاصد کے لیے ایک ملک بنایا تھا۔ اور پھر اس میں سے برما کو علیحدہ ملک قرار دیا گیا۔

کانگرس کی صوبائی حکومتوں کے دور میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے، اس سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کو تین علیحدہ ممالک یعنی شمال مغربی ہندوستان، بنگال اور باقی ہندوستان کی صورت میں آزاد کیا جانا چاہیئے۔ اس کے بغیر ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسائل حل نہیں ہوسکتے۔

وائسرائے نے 5 مارچ کو وزیر ہند لارڈ زیٹلینڈ کو خط میں اس میمورنڈم کے بارے میں لکھا کہ چوہدری ظفراللہ خان نے مجھے ایک نوٹ لکھا ہے اور اس سے لگتا ہے کہ موجودہ حالات ظفراللہ خان کے متوازن ذہن پر بھی اثر انداز ہوئے ہیں۔ اور یہ تجویز ایک انتہائی نقطۂ نظر معلوم ہو رہی ہے۔ 12 اپریل کو وائسرائے نے دوبارہ وزیر ہند کو لکھا کہ ظفراللہ خان نے اپنی تیار کردہ دستاویز جناح کو بھجوا دی ہے۔ مسلم لیگ اپنے اگلے اجلاس میں اس تجویز کو منظور کرے گی۔ [یہ خطوط برٹش لائبریری میں محفوظ ہیں]۔

بہرحال چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے اس میمورنڈم میں جہاں تقسیم برصغیر کی تجویز دی تھی وہاں مذہبی آزادی کے تحفظ کے بارے میں لکھا تھا کہ ہم اس تجویز کی بھرپور حمایت کرتے ہیں کہ قانون ساز اسمبلی کو مذہبی معاملات میں مداخلت کے قوانین بنانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ کسی قانون اسمبلی

کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ مذہبی معاملات میں مداخلت کرے۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب مسلک کے اعتبار سے احمدی تھے۔ ابھی وہ زندہ تھے کہ پاکستان کی اسمبلی نے احمدیوں کو قانون اور آئین کی اغراض کے لیے غیر مسلم قرار دینے کی آئینی ترمیم منظور کی تھی۔ [پاکستان ٹائمز 23 جنوری 1982]

جب لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس میں بنگال کے مولوی فضل الحق صاحب نے یہ قرارداد پیش کی تو انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندوستان کے مسلمان کسی ایسی سکیم کو قبول نہیں کریں گے جو ان کی رضامندی کے بغیر ان پر مسلط کی جائے۔ اور اگر ایسا کیا گیا تو ہم ایسے آئین کو ناقابل عمل بنا دیں گے۔ مولوی فضل الحق صاحب کو اندازہ نہیں تھا کہ اسی ملک میں جس کا وہ خواب دیکھ رہے تھے ایک جرنیل یعنی جنرل ایوب خان عوام کی رضامندی کے بغیر پورا کا پورا آئین بنا کر نہ صرف بنگال بلکہ پورے پاکستان پر مسلط کر دے گا۔

اور جب یہ آئین اپنی موت مرے گا تو ایک اور جرنیل یعنی جرنیل آغا محمد یحییٰ خان منتخب لیڈر کو اس لیے اقتدار منتقل نہیں کرے گا کیونکہ وہ بنگالی ہے اور بنگال کے منتخب نمائندوں کو برطرف کر کے جعلی ممبران اسمبلی کو زبردستی بنگال پر مسلط کرنا شروع کر دے گا۔ آخر یہ نتیجہ نکلے گا کہ بنگال پاکستان سے علیحدہ ہو جائے گا۔ اس قرارداد کی تائید کرنے والوں میں ایک نام مسلم لیگ بلوچستان کے صدر قاضی محمد عیسیٰ صاحب کا بھی تھا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں ان صوبوں کے مسلمانوں کو، جنہوں نے اس تجویز کے مطابق ہندوستان کا حصہ بننا تھا مخاطب کر کے کہا کہ ہم آپ کی مکمل حمایت جاری رکھیں گے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تو کیا مدد یا حمایت کرنی تھی، قاضی عیسیٰ صاحب کو یقینی طور پر اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ ایک وقت وہ بھی آئے گا کہ ان کے خوابوں کے ملک میں ان کے اپنے صوبے پر بار بار فوج کشی کر کے ان کے سیاسی لیڈروں کا قتل کیا جائے گا۔ اور اغواء ہونے والوں کا کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ ان کا اپنا بیٹا یعنی فائز عیسیٰ صاحب سپریم کورٹ کا جج ہونے کے باوجود عدالت میں کھڑا ہو کر انصاف کی دہائی دے گا۔

پاکستان کی بنیاد رکھنے والے سیاست میں خواتین کے کردار سے غافل نہیں تھے۔ اس قرارداد کی تائید کرنے والوں میں ایک نام بیگم صاحبہ مولانا محمد علی کا بھی تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اس بات پر مسرت ہے کہ مسلمان عورتوں کو سیاست کے میدان میں کام کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ یقینی طور پر اس محترم خاتون کو اندازہ نہیں تھا کہ اس ملک کے بننے کے ستر برس بعد بھی گھریلو تشدد کا اتنا راج ہوگا کہ خواتین میں سے پچاس فیصد کو اپنے گھر میں تھپڑوں سے، پچیس فیصد کو مکوں سے اور ستائیس فیصد کو ٹھڈوں سے نوازا جائے گا۔ ملک کی ایک خاتون نے وزیر اعظم بننے کی غلطی کی تو اسے دہشت گردوں نے اگلے جہاں پہنچا دیا۔ (27_p 24no 1Pak J Med Sci Vol 19)

ہم نے 23 مارچ 1940 کو جس قسم کے ملک کے خواب دیکھے تھے وہ خواب پورے نہیں ہوئے۔ ہمیں اپنی منزل کیوں نہیں ملی؟

جب کوئی قوم اپنی منزل کا تعین کرتی ہے تو اسے پانے کے لیے کچھ اصولوں پر قائم رہنا پڑتا ہے۔ ہم نے جن اصولوں کا اعلان 23 مارچ 1940 کو کیا تھا ان پر قائم نہیں رہ سکے۔ 23 مارچ کو قائد اعظم محمد علی جناح نے ان الفاظ میں ان میں سے ایک اہم اصول کا اعلان کیا تھا:

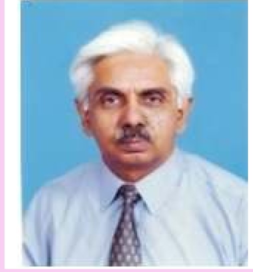
"میرا ہمیشہ یہ عقیدہ رہا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرا یہ عقیدہ درست ہے کہ کوئی حکومت اقلیتوں میں احساس تحفظ اور اعتماد پیدا کیے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کوئی حکومت کامیاب نہیں ہو سکتی جس کی حکمت عملی اور اور پروگرام اقلیتوں کے ساتھ غیر منصفانہ اور ظالمانہ ہو۔ ایک نمائندہ حکومت کی کامیابی کی کسوٹی یہ ہے کہ اقلیتوں کو احساس ہونا چاہیئے کہ ان کے ساتھ عادلانہ اور منصفانہ برتاؤ کیا جائے گا۔" [تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ ص 697]

یہ وہ اصول تھا جو قائد اعظم نے بیان فرمایا تھا۔ اور یہ وہ کسوٹی تھی جس پر پاکستان کی حکومتوں کو پرکھنا چاہیئے۔ کیا آج کا پاکستان اس معیار پر پورا اترتا ہے؟ اگر ہم اس اصول پر قائم نہیں رہ سکے تو کامیاب کیسے ہو سکتے تھے؟

(بشکریہ ہم سب 2021/03/23ء)



تقسیم فلسطین پر 1947 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں سرظفراللہ خان کی مؤثر تقریر اور ردعمل



بشیر احمد طاہر کنساس۔امریکہ

فلسطین کی تقسیم کے لیے اقوام متحدہ کا منصوبہ

فلسطین کی تقسیم کا منصوبہ اقوام متحدہ کی ایک تجویز تھی جس میں برطانوی مینڈیٹ کے اختتام پر فلسطین کی تقسیم کی سفارش کی گئی تھی۔29 نومبر 1947 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اس منصوبے کو قرارداد 181(II) کے طور پر منظور کیا۔

اس قرارداد میں اقتصادی طور پر منسلک آزاد عرب اور یہودی ریاستوں کے قیام کی سفارش کی گئی تھی اور یروشلم شہر اور اس کے گردونواح کے لیے ایک خصوصی بین الاقوامی حکومت قائم کرنے کی تجویز دی گئی تھی۔اس قرارداد کے مطابق عرب ریاست کا رقبہ 11,100 مربع کلومیٹر یا 42% ہونا تھا، یہودی ریاست کا رقبہ 100,14 مربع کلومیٹر یا 56٪ حصہ تجویز کیا گیا تھا، جب کہ بقیہ 2% جس میں یروشلم، بیت المقدس اور ملحقہ علاقے شامل ہوں گے۔بین الاقوامی زون قرار دیا گیا تھا۔اس منصوبے میں مجوزہ ریاستوں کے درمیان اقتصادی اتحاد اور مذہبی اور اقلیتی حقوق کے تحفظ کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے۔اس تجویز پر بحث کے دوران یہودی تنظیموں نے UNSCOP کے ساتھ تعاون کیا، جب کہ فلسطینی عرب قیادت نے اس کا بائیکاٹ کیا۔کیونکہ مجوزہ منصوبہ کو اس کے مخالفوں کی طرف سے صیہونیت کا حامی سمجھا جاتا تھا، جس میں فلسطینی عرب آبادی کی تعداد یہودی آبادی سے دوگنی ہونے کے باوجود 56% زمین یہودی ریاست کو دی گئی تھی۔

UNSCOP (3 September 1947; see green line) and UN Ad Hoc Committee (25 November 1947) partition plans. The UN Ad Hoc Committee proposal was voted on in the resolution.

Date	29 November 1947
Meeting no.	128
Code	A/RES/181(II) (Document)

(تفصیل کے لیے دیکھیں:wikipedia.org)

فلسطینی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور مسئلہ فلسطین کے لیے سرظفراللہ خاں کی اہم کاوشیں

فلسطینی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور فلسطین کے معاملے کے لیے سرظفراللہ خاں کی اہم کاوشوں کا آغاز 1930 کی دہائی میں ہوا تھا جس کی ایک جھلک ان کی سوانح حیات ''تحدیث نعمت'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔سرظفراللہ خاں نے تحدیث نعمت میں فلسطین کے بارے میں دوجگہ تفصیلی ذکر کیا ہے۔پہلا باب ''قضیہ فلسطین'' ہے جو صفحہ نمبر 485 تا 489 پر ہے۔جب کہ دوسرا باب ''فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کا قیام'' ہے۔جو صفحہ نمبر 520 تا 526 پر ہے۔''تحدیث نعمت'' پی ڈی ایف فارمیٹ میں www.alislam.org پر اور https://archive.org پر دستیاب ہے۔

سرظفراللہ خان ''قضیہ فلسطین'' والے حصہ میں لکھتے ہیں کہ:

''فلسطین کے مسئلے سے مجھے شروع سے دلچسپی رہی ہے۔پہلی عالمی جنگ کے دوران میں حکومت برطانیہ نے عربوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر عرب

ممالک ترکی کے خلاف اتحادیوں کا ساتھ دیں تو اتحادیوں کی فتح ہونے پر تمام عرب ممالک کو آزادی حاصل ہوجائے گی۔ البتہ دمشق، حمص اور حلب کے مغربی جانب کے علاقے کے لیے ممکن ہے کسی خاص نظام کی ضرورت پیش آئے کیونکہ اس علاقے میں فرانس کی بعض خاص ذمہ داریاں ہیں۔ یہ معاہدہ سرہنری میکموہن اور شریف حسین کے درمیان ہوا تھا۔ جنگ کے بعد عراق اور فلسطین تو برطانوی نگرانی میں آگئے اور شام اور لبنان، فرانسیسی نگرانی میں۔ جب برطانیہ کی طرف سے اعلان بالفور ہوا تو شاہ حسین (موجودہ شاہ اردن کے دادا) نے اس کے خلاف احتجاج کیا کہ برطانیہ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس پر برطانوی حکومت کی طرف سے کمانڈر کنوردی کو جدے بھیجا گیا کہ وہ شاہ حسین کا اطمینان کرائیں کہ اعلان بالفور معاہدے کے تناقص نہیں اور اس سے عرب حقوق پر کوئی مخالفانہ اثر نہیں پڑے گا۔ شاہ حسین نے اس وضاحت کو تسلیم کر لیا بلکہ عرب مہمان نوازی کے جذبے کے تحت یہاں تک کہہ دیا کہ اگر فلسطین میں یہودیوں کی آمد بطور مہمان کے ہے تو وہ انہیں خوش آمدید کہیں گے اور ان کی ثقافتی اقدار کی حفاظت کریں گے۔ 1934 تک صیہونیت فلسطین میں اپنے قدم جما چکی تھی اور اس کا اقدار بڑھتا جا رہا تھا۔ عرب اراضیات بتدریج صیہونی ایجنسی کی ملکیت اور تصرف میں منتقل ہو رہی تھیں۔ ادھر جرمنی پر ہٹلر کا تصرف قائم ہو گیا تھا اور جرمنی کی یہودی آبادی پر سختی شروع ہوگئی تھی جس کے نتیجے میں جرمن یہودی فلسطین میں منتقل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ بدیں وجہ صیہونی ایجنسی کی سرگرمیاں فلسطین میں تیز تر ہو رہی تھیں۔'' (تحدیث نعمت صفحہ 485)

اس سے آگے اس حصہ میں سرظفراللہ خان نے فلسطینیوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کی جانے والی اپنی بعض دوسری کاوشوں، خاص طور پر اس سلسلے میں سر سیموئیل ہوئر (سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا) اور سر فلپ کنلف لسٹر (سیکرٹری آف سٹیٹ فار کالونیز) کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ فلسطینی کاز کے لیے ان کی بھرپور کوششوں کی بین الاقوامی میڈیا کوریج بھی ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔ 1945ء میں ہندوستان واپس جاتے ہوئے سر محمد ظفراللہ خان نے فلسطین کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے ان علاقوں کا دورہ کیا تھا۔ جس کی تفصیل ''قندیل حق'' کے اس شمارہ میں شامل ایک دوسرے مضمون میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

تحدیث نعمت کے دوسرے باب بعنوان ''فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کا قیام'' (صفحہ نمبر 520 تا 526)، میں تقسیم فلسطین اور اسرائیل کے قیام کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ہونے والی تمام کاروائی، جس میں تقسیم فلسطین کی قرارداد اور اس پر ہونے والی بحث، مندوبین کی تقاریر اور فیصلوں کی تفاصیل شامل ہیں۔ اسی حصہ میں انہوں نے قرارداد کی مخالفت میں کی جانے والی اپنی تقریر کی تفصیل اور مندوبین کے ردعمل کے متعلق بھی لکھا ہے۔



PAKISTAN AND YEMEN are admitted as the 56th and 57th members of the United Nations at Flushing, N.Y. Making it official are (left to right) Secretary-General Trygve Lie; Sir Mohammed Zafrullah Khan, chairman of the Pakistan delegation; Dr. Hanna Saba of Egypt, a member of the U.N. legal department; and Prince Seiful Islam Abdullah of Yemen.

سرظفراللہ خان کی بطور نمائندہ پاکستان اقوام متحدہ میں شاندار تقریر

قائداعظم محمد علی جناح کی طرف سے اقوام متحدہ میں پاکستان کا جو پہلا وفد بھیجا گیا اس کے سربراہ سرظفراللہ خان تھے۔ جب کہ اس وفد کے دیگر ارکان میں مرزا ابوالحسن اصفہانی، پیرزادہ عبدالستار، میر لائق علی اور بیگم سلمیٰ تصدق حسین شامل تھے۔ اس دورے کے وقت مقدس سرزمین فلسطین کو یہودی اور عرب ریاستوں میں تقسیم کرنے کی روس اور امریکہ کی تجویز اقوام متحدہ کے ایجنڈے میں شامل تھی۔

اس نمائندہ وفد کے دورہ کے دوران دو نمایاں کام سرانجام دیئے گئے۔ ایک یہ کہ پاکستان 30 ستمبر 1947 کو اقوام متحدہ کا رکن بنا اور دوسرے مسئلہ فلسطین پر سرظفراللہ خان کی نہایت اہم اور

موثر تقریر ہوئی۔جس میں سرظفر اللہ خان نے اپنے علم،حالات وواقعات پر عبور اور مدلل دلائل کے ساتھ تقسیم فلسطین کی اس تجویز کی بھرپور مخالفت کی۔

جب قائداعظم نے ستمبر 1947ء میں سرظفر اللہ خان کو اقوام متحدہ کے لیے پہلے پاکستانی وفد کا سربراہ بنا کر بھیجا تو وہاں پر مسئلہ فلسطین زیر غور تھا۔ اس کی کچھ تفصیل سرمحمد ظفر اللہ خان تحدیث نعمت میں تحریر کرتے ہیں:

''سب سے اہم مسئلہ جو اس اجلاس میں زیر بحث تھا وہ قضیہ فلسطین تھا۔۔۔اقوام متحدہ کے فلسطین کمیشن نے فلسطین کی تقسیم کی سفارش کی تھی۔۔۔''

''پاکستان کی طرف سے میں نے پہلی بار تقریر شروع کی تو عرب نمائندگان کو کچھ اندازہ نہیں تھا کہ میری تقریر کا رخ کس طرف ہوگا۔پاکستان ایک دو دن قبل ہی اقوام متحدہ کا رکن منتخب ہوا تھا۔عرب ممالک کے مندوبین ہمیں خاطر ہی میں نہیں لاتے تھے اور ہماری طرف سے بالکل بے نیاز تھے۔۔۔جب میں نے تقسیم کے منصوبے کا تجزیہ شروع کیا اور اس کے ہر حصہ کی ناانصافی کی وضاحت شروع کی تو عرب نمائندگان نے توجہ سے سننا شروع کیا۔تقریر کے اختتام پر ان کے چہرے خوشی اور طمانیت سے چمک رہے تھے۔اس کے بعد اس معاملہ میں عرب مؤقف کا دفاع زیادہ تر پاکستان کا فرض قرار دے دیا گیا۔''(تحدیث نعمت صفحہ نمبر 521-522)

''اس میں شک نہیں کہ صدر اسمبلی اور سیکرٹری جنرل دونوں امریکن دباؤ کے ماتحت یا ذاتی رجحان سے صیہونیوں کی تائید میں تھے اور جب تقریروں سے یہ ظاہر ہوگیا کہ تقسیم کی تجویز کو دو تہائی کی تائید حاصل نہیں وہ دونوں اس منصوبے میں شریک ہوگئے کہ اجلاس جمعہ کی صبح تک ملتوی کیا جائے تاکہ اس وقفہ میں صیہونی صدر ٹرومین کے دباؤ کے ذریعے تین چار ممالک کی تائید حاصل کر سکیں جو اب تک تقسیم کے خلاف تھے۔سہ پہر کے اجلاس میں میں نے اپنی تقریر میں مغربی طاقتوں کو پرزور انتباہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے اوّل عالمی جنگ کے دوران جو وعدے عربوں سے کئے تھے ان کی خلاف ورزی نہ کریں۔اگر آپ ایسا کریں گے تو بدعہدی کے مرتکب ہوں گے اور آئندہ عربوں کا اعتماد کلی طور پر آپ سے اٹھ جائے گا۔۔۔لیکن طاقت کا گھمنڈ اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔ہمارے احتجاج اور ہمارے انتباہ صدا بصحرا ثابت ہوئے۔۔۔''(تحدیث نعمت صفحہ نمبر 523،524)

سرمحمد ظفر اللہ خان فلسطین کے معاملہ میں برطانیہ اور امریکہ کی سراسر بے انصافی، بے اصولی اور ہٹ دھرمی کو درج ذیل دردناک الفاظ میں واضع کرتے ہیں:

''اقوام متحدہ کی بنیاد انصاف، مساوات اور حق خود اختیاری پر رکھی گئی تھی لیکن فلسطین کے معاملہ میں ان تینوں اصولوں کا خون کیا گیا۔میثاق اقوام متحدہ میں معاہدات کی پابندی پر زور دیا گیا ہے لیکن فلسطین کے معاملے میں برطانیہ نے جو معاہدات شاہ حسین کے ساتھ کئے تھے ان کی صریح خلاف ورزی کی گئی۔یہ درست ہے کہ تقسیم کے متعلق رائے شماری میں برطانیہ غیر جانبدار رہا لیکن برطانیہ اعلان بالفور کے ذریعہ اسرائیل کی بنیاد رکھ چکا تھا اور فلسطین کے قضیے کی ابتدا اعلان بالفور (1917ء۔ناقل) سے ہوئی۔فلسطین میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اور فلسطین کی وجہ سے جس طرح دنیا کا امن برباد ہوگا اور نوع انسان کے ایک بڑے طبقے پر جو تباہی اور مصائب وارد ہوں گے ان کی تمام تر ذمہ داری اوّل برطانیہ اور مسٹر بالفور اور ان کے بعد ریاستہائے متحدہ امریکہ اور خاص طور پر صدر ٹرومین پر ہوگی۔''(تحدیث نعمت صفحہ نمبر 525)

گزشتہ اقتباس میں سرمحمد ظفر اللہ خان نے فلسطین کی ظالمانہ تقسیم کی اوّل ذمہ داری برطانیہ پر ڈالی ہے۔تقسیم کی یہ ظالمانہ کاروائی 1947 میں عمل میں لائی گئی۔۔۔دلچسپ بات یہ ہے کہ اس بات کا اعتراف 17 نومبر 2002ء کو خود برطانیہ نے کر لیا جب برطانوی وزیر خارجہ کا ایک اعترافی بیان اخبارات میں شائع ہوا تھا۔جس کا عنوان ہے:

''برطانیہ نے کشمیر اور فلسطین کے مسائل پیدا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔''

''لندن (ریڈیو مانیٹرنگ) برطانوی وزیر خارجہ جیک سٹرا نے کہا ہے کہ کشمیر، فلسطین اور مشرق وسطیٰ کے دیگر مسائل برطانوی دورِ استعمار کی غلطیوں کا نتیجہ ہیں۔ علاقے کے ممالک ان غلطیوں کے نتائج آج تک بھگت رہے ہیں۔'' (نوائے وقت 17 نومبر 2002)

اپنی کتاب تحدیث نعمت میں سر محمد ظفر اللہ خان مسئلہ فلسطین سے متعلق اپنے مفصل اور اثر انگیز بیان کو ان دوٹوک اور حتمی الفاظ پر ختم کرتے ہیں:

''قضیہ فلسطین کے مختلف پہلو بعد میں بھی اسمبلی (اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی۔ ناقل) کے زیر غور آتے رہے ہیں اور پاکستان کی طرف سے ہمیشہ عرب مؤقف کی سو فیصدی تائید کی جاتی رہی ہے۔'' (تحدیث نعمت صفحہ نمبر 526)

سر ظفر اللہ خان کی اس تقریر کی تعریف مخالف کیمپ کے نمائندوں نے بھی کی۔ جن میں نیوزی لینڈ کے سر کارل بیرنڈسن سر فہرست تھے، تاہم امریکی دباؤ کے باعث فلسطین کی تقسیم کی تجویز اکثریت رائے سے منظور کر لی گئی۔ اجلاس کے خاتمے کے بعد سر ظفر اللہ خان پاکستان واپس لوٹ آئے۔

بی بی سی اردو سروس کے نمائندہ کا سر ظفر اللہ خان کی مسئلہِ فلسطین پر جنرل اسمبلی میں تقریر پر تبصرہ اور منتخب اقتباسات

بی بی سی اردو سروس کے نمائندہ ثقلین امام اپنے ایک آرٹیکل بعنوان ''سر ظفر اللہ کی مسئلہِ فلسطین پر جنرل اسمبلی میں تقریر اور وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کا چیلنج''، مطبوعہ 20 مئی 2021 میں مسئلہ فلسطین کی موجودہ صورتحال کے تناظر میں پاکستان کی مختلف حکومتوں کی فلسطین پالیسیوں کا تجزیہ کر کے، اقوام متحدہ میں سر ظفر اللہ خان کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہیں اور اپنے مضمون کے آخری حصے میں اس تقریر کے چند ایسے اقتباسات درج کرتے ہیں جو آج بھی فلسطینیوں کے حقوق کے تحفظ اور مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے رہنما اصولوں کا درجہ رکھتے ہیں:

مسئلہِ فلسطین پر 28 نومبر 1947 کو سر ظفر اللہ خان کا جنرل اسمبلی سے خطاب اس موضوع پر تاریخ کی بہترین تقاریر میں سے ایک قرار دیا جاتا ہے۔ یہ سوا گھنٹے کی تقریر تھی جسے ایک عرب نمائندے نے عالمِ عرب کے مقدمے کی بہترین ترجمانی کہا تھا۔ فلسطین کی تقسیم اور اسرائیلی ریاست کے قیام سے قبل، اُس وقت کے پاکستانی وفد کے سربراہ، سر محمد ظفر اللہ خان نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ایک پلینیری کمیٹی میں خطے کی تقسیم کی تجویز کو ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے یہودیوں اور فلسطینیوں کی ایک وفاقی ریاست بنانے کی تجویز دی تھی۔ سر ظفر اللہ نے اپنے خطاب میں کہا تھا کہ اقوام متحدہ خطِہ فلسطین اور فلسطینی عوام کے ساتھ وہ کام کرنے جا رہا ہے جس کا اُسے اختیار ہی نہیں ہے۔ یہ انھیں اک ایسی سمت کی جانب دھکیل رہا ہے ''جس کے بعد دشمنیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہر حل کا راستہ روکے گا۔''

''ہمیں بتایا جائے کہ اقوام متحدہ فلسطینیوں کی زمین پر ان کا اپنا ملک قائم کیے بغیر یہودیوں کا ملک کیسے قائم کرے گا؟ اقوام متحدہ کے پاس ایسا کرنے کا کیا اختیار ہے؟ آزاد ریاست کو ہمیشہ کے لیے اقوام متحدہ کی انتظامیہ کے تابع بنانے کے لیے قانونی اتھارٹی کیا ہے، کونسا قانونی اختیار ہے؟''

''ہم پہلے فلسطین کی لاش کو یہودی ریاست کے تین حصوں اور ایک عرب ریاست کے تین حصوں میں کاٹ دیں گے۔ اس کے بعد ہمارے پاس جافا انکلیو ہوگا۔ اور فلسطین کا دل، یروشلم، ہمیشہ کے لیے ایک بین الاقوامی شہر رہے گا۔ یہ مسئلہِ فلسطین کی ابتدائی شکل ہے۔''

اس کے بعد انھوں نے کہا کہ اس طرح فلسطین کو کاٹ ڈالنے کے بعد ہم اس کے جسم کو بہتے ہوئے خون کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ایک صلیب پر لٹکا دیں گے۔ یہ عارضی کام نہیں ہوگا۔ یہ مستقلاً ہوگا۔ فلسطین کبھی بھی اپنے عوام کا نہیں ہو سکے گا۔ اسے ہمیشہ صلیب پر کھینچا جائے گا۔''

اس کے بعد بی بی سی اردو سروس کے نمائندہ ثقلین امام، جناح کی فلسطین پالیسی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نومولود ریاست کے گورنر جنرل جناح نے فلسطین کے لیے حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ اقوام متحدہ اسرائیل کے قیام کے لیے ووٹ نہ دے۔ اس کوشش میں ایک مضبوط سفارتی لابی بنانے کی بھی کوشش کی گئی تھی۔ سر ظفر اللہ کی تقریر بھی انہی کی پالیسی کا مظہر تھی۔''

''مسئلہِ فلسطین کی اہمیت پاکستان کی مختلف حکومتوں میں مختلف درجوں پر رہی ہے۔تاہم ہر حکومت نے فلسطینیوں کے حمایتی موقف میں تبدیلی نہیں کی۔لیکن سب سے زیادہ اہم پالیسی ساز کردار تین ادوار میں دیکھا گیا ہے: جناح، ایوب اور بھٹو۔''

''محمد علی جناح کی زندگی میں ان کے پہلے وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ کے زمانے میں، پھر صدر ایوب کے زمانے میں جب وزیرِ خارجہ ذوالفقار علی بھٹو تھے۔تیسری مرتبہ اس وقت جب خود ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے صدر بنے اور وزیرِ اعظم منتخب ہوئے تھے۔''

اس کے بعد بی بی سی اردو سروس کے نمائندہ ثقلین امام پھر سر ظفر اللہ خان کی تقریر پر اپنا تبصرہ جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

سر محمد ظفر اللہ خان کا اقوامِ متحدہ کی پلینیری کمیٹی سے خطاب دراصل جناح کی فلسطین پالیسی کا تسلسل تھا جو بعد میں بھی حسین شہید سہروردی کے زمانے تک جاری رہا۔سہروردی نے فلسطین کے بارے میں موقف تو بدلا نہیں تھا، تاہم انھوں نے نہر سوئز پر عرب۔اسرائیل جنگ کے دوران عرب ممالک کو 'صفروں کا مجموعہ صفر' کہہ کر ناراض کیا تھا۔''

اس کے بعد بی بی سی اردو سروس کے نمائندہ ثقلین امام، اپنے مضمون میں 2021 تک پاکستان کی مختلف حکومتوں کے ادوار میں پاکستان کی فلسطین پالیسی میں آنے والے اتار چڑھاؤ اور نمایاں تبدیلیوں کا تجزیہ کرتے ہیں اور اپنے مضمون کے آخری حصے میں ''سر محمد ظفر اللہ خان کی تقریر کے اقتباسات' کے ذیلی عنوان کے تحت اپنا تبصرہ جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پاکستان جو کبھی عالمِ عرب میں بھی ایک قائدانہ کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں تھا، ایک ایٹمی طاقت بننے کے بعد اب زیادہ موثر کردار ادا کرتا ہوا نظر نہیں آتا ہے۔ایران اور ترکی اس کاز کے زیادہ فعال کردار نظر آتے ہیں۔آج اگر سر ظفر اللہ کی تقریر کو دیکھا جائے تو بہت کچھ بدل چکا ہے۔

لیکن جن معاملات اور سوالات کو سر ظفر اللہ نے اُٹھایا تھا وہ آج بھی عالمی سیاسی بساط پر جوابات تلاش کر رہے ہیں۔فلسطینی اور یہودی آج بھی اُس خطے میں بقائے باہمی کے کسی قابلِ عمل کلیے کی تلاش میں ابھی تک ناکام ہیں۔اور غزہ اور اسرائیل کی موجودہ جنگ نے حالات مزید نازک بنا دیئے ہیں۔

سر ظفر اللہ خان کی پیشن گوئیوں اور ان کے سیاسی زیرک پن کا اندازہ ان کی تقریر پڑھ کر ہوتا ہے۔یہاں ان کی تقریر کے چند اقتباسات جو فلسطینی اور یہودی آبادی، صنعتی اور زراعتی، سیاسی اور انتظامی، معاشی اور ترقیاتی معاملات پر بحث کر کے فلسطین کی تقسیم کے حل کی سکیم کو مسترد کرنے کے بعد کے کچھ حصے ہیں (پیش کئے جاتے ہیں)

اب ہم اس سوال پر پہنچتے ہیں کہ آیا عمومی طور پر یہ منصوبہ قابلِ عمل ہے یا نہیں؟ جیسا کہ میں نے کہا ہے، امریکہ کے نمائندے نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ آس پاس کی عرب ریاستوں اور فلسطین کے عوام کی حمایت ہو تو اس سکیم پر عملدرآمد کیا جا سکتا ہے۔

آس پاس کے عرب ممالک یقینی طور پر اس تجربے کی حمایت نہیں کریں گے۔ان سے جو بھی توقع کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ بحیثیت ریاستیں، وہ ایسا کچھ نہیں کریں گے جو چارٹر کے تحت ان کی ذمہ داریوں کے منافی ہو۔لیکن فلسطین کے عربوں نے اعلان کیا ہے کہ وہ تعاون نہیں کریں گے۔''

اور ممبران اسمبلی کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ منصوبہ کوئی تجربہ نہیں ہے۔یہ عبوری کمیٹی کے حوالے سے تجربے کی طرح نہیں ہے جو ایک سال کے لیے تشکیل دیا جا رہا ہے۔اگر یہ ناکام ہوتا ہے تو کیا اس کو ختم کیا جا سکتا ہے اور جنرل اسمبلی پھر سے کوئی اور سکیم اپنا سکتی ہے؟''

اس کے برعکس یہ منصوبہ مستقل حل کے طور پر تجویز کیا گیا ہے۔اگر یہ ناکام ہوتا ہے تو یہ اقوامِ متحدہ کی ناکامی ہوگی۔یہ ایک مستقل نظام ہے اس سے اقوام متحدہ کی ساکھ، اُس کا اعزاز متاثر ہوگا۔لہذا ہم اس مرحلے پر بہتر طور پر توجہ دیں جس کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو رہن رکھوا رہے ہیں۔کیا جنرل اسمبلی ایسا جوا کھیلنے کے لیے تیار ہے؟''

آیئے ہم اقوام متحدہ کو کسی ایسے راستے پر گامزن کریں اور اُس سکیم پر عملدرآمد کا وعدہ کریں جس میں اخلاقی جواز کا فقدان ہے، جو اقوام متحدہ کے قانونی اور عدالتی اختیار سے بالاتر ہے، اور اس کا حصول ناممکن ہے۔''

اس فضول کام کو ناکام بنانے میں آپ نے فلسطین کے چھیاسٹھ فیصد عوام کی خواہشات کو بے بنیاد قرار دے دیا ہے۔ آپ آس پاس کے اور پڑوسی ریاستوں کے اعتماد کو ختم کر رہے ہیں اور اقوام متحدہ کو منصفانہ نفاست اور غیر جانبداری سے محروم کر رہے ہیں۔۔۔''

شمالی افریقہ کے بحر اوقیانوس کے ساحل سے لے کر وسطی ایشیاء تک کے تمام ممالک کی آبادی کے دلوں میں آپ مغربی طاقتوں کے عزائم اور مقاصد پر شکوک وشبہات کا بیج ڈال رہے ہیں۔ آپ مشرق اور مغرب کے مابین حقیقی تعاون کے کسی بھی امکان کو ختم کر کے، خرابی کا سنگین خطرہ مول لے رہے ہیں۔'' کیا اقوام متحدہ نے اب تک عربوں اور یہودیوں کو ایک جگہ بٹھا کر کوئی درمیانی راستہ تلاش کرنے کی کوئی کوشش کی ہے جس پر دونوں قومیں مل کر کام کر کے اسے کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔۔۔ جو ایسا واحد حل ہو جس میں کامیابی کے ساتھ کام کرنے کا کوئی امکان موجود ہو؟''

تقسیم کا حل ٹھونسا جا رہا تھا

اب ہمیں بتایا گیا ہے آپ کو تقسیم کی سکیم قبول کرنی ہوگی ورنہ کوئی حل نہیں ہوگا۔ لیکن کیا ایسا ہے؟ کیا یہ واحد انتخاب ہے؟ کیا تقسیم کی اسکیم کو اتنی حقیقی حمایت ملی ہے؟ ایڈ ہاک کمیٹی میں اسے پچیس وفود کی حمایت حاصل تھی۔'' ان پچیس وفود میں سے کچھ نے کہا کہ انہوں نے بھاری دل سے تقسیم کے منصوبے کی حمایت کی۔ دوسروں نے کہا کہ انہوں نے ہچکچاہٹ کے ساتھ اس کی حمایت کی۔ کیوں؟ کیونکہ وہاں اور کوئی تجویز نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر جنرل اسمبلی کم از کم اس نام نہاد حل سے خوش نہیں ہے۔'' کہا جاتا ہے کہ اگر تقسیم قبول نہیں کی گئی تو حل کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ اس کے برعکس اگر تقسیم قبول کی گئی تو یہ خطے کے لیے ایک مہلک اقدام ہوگا۔ عرب اور یہودی دونوں اس حل سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لیں گے اور پھر انہیں کبھی اکٹھا کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔'' اس کے بعد دشمنیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہر حل کا راستہ روکے گا۔'' اگر آپ تاخیر کرتے ہیں اور کوئی مہلک اقدام کرنے سے گریز کرتے ہیں تو پھر بھی آپ عربوں اور یہودیوں کے لیے صلح کے حل کا موقع رہنے دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ شاید آئندہ آپس میں مل کر کام کر سکیں۔'' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر آپ آج کوئی حتمی فیصلہ نہیں لیتے ہیں تو کسی بھی شے کا فیصلہ کرنے کے آپ مجاز نہیں رہیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں حلوں میں سے کوئی بھی قابل قبول نہیں ہے اور یہ کہ کچھ اور تلاش کرنا ضروری ہے جو ذمہ داری آپ کے پاس باقی رہتی ہے۔'' اس موقع کو ضائع مت کریں۔ ایسا دروازہ بند نہ کریں جو دوبارہ نہ کھولا جا سکے۔ اقوام متحدہ کو ایک ایسا حل تلاش کرنا ہوگا جو نہ صرف عادلانہ اور منصفانہ ہو، بلکہ فلسطین میں یہودیوں اور عربوں کی سب سے بڑی تعداد کے لیے اس میں کامیابی کے بہترین مواقع موجود ہوں۔ آج ہمارا ووٹ اگر تقسیم کی حمایت نہیں کرتا ہے تو یہ دوسرے حل کو مسترد بھی نہیں کرتا ہے۔ اگر ہمارا ووٹ تقسیم کی حمایت کرتا ہے تو تمام پرامن حل کے راستے مفقود ہو جائیں گے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کون اس ذمہ داری کو نبھائے گا۔ میری آپ سے اپیل ہے کہ اس امکان کو بند نہ کریں۔ اقوام متحدہ کو تقسیم کرنے اور لوگوں کو الگ کرنے کے بجائے انہیں متحد ہونے اور اکٹھا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔''

سر ظفر اللہ کا امریکہ پر طنز

سر ظفر اللہ نے اپنی تقریر میں مشرقِ وُسطیٰ میں ارضِ فلسطین کی تقسیم کے منصوبے پر یہودی ریاست کے حامی مغربی ممالک کی اس دلیل کا طنزیہ انداز میں جواب دیا کہ ''دنیا کے بے گھر اور بے وطن یہودیوں کا ایک اپنا وطن ہونا چاہیئے۔'' سر ظفر اللہ نے سوال یا کہ کیا امریکہ اور کینیڈا اتنے چھوٹے ملک ہیں کہ یہودیوں کو فلسطین جیسے بڑے ملک میں آباد کیا جائے!

سرظفراللہ خان نے جب یہ سوال اٹھایا کہ کیا ان بے وطن یہودیوں کو انہی مغربی ممالک بھیج دیا جائے گا جہاں سے وہ آرہے ہیں تو انھوں نے اس کا خود ہی یوں جواب دیا: ''آسٹریلیا کا کہنا ہے کہ نہیں، کینیڈا کا کہنا ہے کہ نہیں، امریکہ کا کہنا ہے کہ نہیں۔ یہ ایک لحاظ سے بہت حوصلہ افزا بات تھی۔''

کیا انہیں (بے وطن یہودیوں کو) ممبر ممالک میں ایک تناسب میں آباد کر دیا جائے گا؟ آسٹریلیا، جو زیادہ آبادی والا ایک چھوٹا سا ملک ہے جس میں گنجان علاقے ہیں، کہتا ہے نہیں، نہیں، نہیں۔ کینیڈا، اتنا ہی گنجان اور زیادہ آبادی والا ہے، کہتا ہے نہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، ایک عظیم انسان دوست ملک، ایک چھوٹا سا علاقہ، جس میں کم وسائل ہیں، وہ بھی کہتا ہے کہ نہیں۔ ان ممالک کا انسانیت کے اس اہم مسئلے پر یہ کردار ہے (کہ یہ بے گھر یہودیوں کو ان ممالک میں بھی واپس لینے کے لیے تیار نہیں جہاں سے ان کا تعلق رہا ہے)۔ لیکن انہی ممالک کا اصرار ہے کہ انہیں (بے گھر یہودیوں کو) فلسطین میں بھیج دو، جہاں وسیع وعریض سرزمین ہے، ایک بڑی معیشت ہے اور کوئی پریشانی نہیں ہے۔ وہ وہاں آسانی سے جا سکتے ہیں (اور آباد ہو سکتے ہیں)۔'' ہم پہلے فلسطین کی لاش کو یہودی ریاست کے تین حصوں اور ایک عرب ریاست کے تین حصوں میں کاٹ دیں گے۔ اس کے بعد ہمارے پاس جافا انکلیو ہوگا۔ اور فلسطین کا دل، یروشلم، ہمیشہ کے لیے ایک بین الاقوامی شہر رہے گا۔ یہ مسئلہ فلسطین کی ابتدائی شکل ہے۔' اس کے بعد انہوں نے کہا کہ 'اس طرح فلسطین کو کاٹ ڈالنے کے بعد ہم اس کے جسم کو بہتے ہوئے خون کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ایک صلیب پر لٹکا دیں گے۔ یہ عارضی کام نہیں ہوگا۔ یہ مستقلاً ہوگا۔ فلسطین کبھی بھی اپنے عوام کا نہیں ہو سکے گا۔ اسے ہمیشہ صلیب پر کھینچا جائے گا۔' یہاں جناب ثقلین امام کے تبصرہ میں شامل سرظفراللہ خان کے اقتباسات ختم ہو جاتے ہیں۔ آیئے اب اس تقریر پر اس وقت کے پاکستانی پریس، عرب اور دیگر مسلمان ممالک اور عالمی ردعمل کا ایک مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

سرظفراللہ خان کی تقریر پر قومی اور عالمی ردعمل اور تبصرے

سب سے پہلے جناب حمید نظامی صاحب کی ادارت میں شائع ہونے والے پاکستان کے مشہور روزنامہ نوائے وقت لاہور میں شائع شدہ ایک مضمون اور دو خبروں کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

مرزا غلام صادق ادیب فاضل اپنے مضمون ''ظفراللہ خان'' مطبوعہ نوائے وقت لاہور، 24 اگست 1948ء میں لکھتے ہیں:

''یو این او میں فلسطین کا قضیہ پیش تھا۔ چودھری صاحب (ظفراللہ خان) نے اس میں غیر معمولی دلچسپی لی اور ایسی مؤثر تقریریں کیں جن سے حالات کا پانسہ پلٹ گیا۔ یہودی نمائندے اس پر زور دے رہے تھے کہ خانماں برباد یہودیوں کو آباد کرنے کے لیے فلسطین میں یہودی حکومت قائم کر دینی چاہیئے۔ یو این او کے ارکان اس ''دردانگیز فریاد'' سے بہت متاثر تھے لیکن جب چودھری ظفراللہ خان اس مسئلے پر تقریر کرنے اٹھے تو آپ نے صرف چند فقروں میں اس فریاد کی غیر معقولیت کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔ آپ نے کہا ''کیا دنیا کی حکومتیں محض خانماں برباد انسانوں کی خواہشات کے مطابق اپنے ان قوانین کو نظرانداز کرنے کے لیے تیار ہیں جو انہوں نے انتقال وطن کے بارے میں وضع کر رکھے ہیں۔ اگر پنجاب کے پچاس لاکھ خانہ برباد باشندے اچانک امریکہ میں آن بسنے کا فیصلہ کر لیں تو کیا امریکی حکومت انہیں اپنے ملک میں داخل ہونے اور یہاں آباد ہو جانے کی اجازت دینے کو تیار ہو جائے گی۔ اگر یہ صورتحال امریکہ میں ممکن نہیں تو فلسطین میں کیوں ممکن سمجھی جا رہی ہے؟'' پاکستانی قائد وفد کی اس زبردست دلیل سے یہودیوں کے مکروفن اور امریکہ کی یہود نوازی کا کریہہ چہرہ بے نقاب ہو گیا۔ عرب ممالک میں ظفراللہ کی اس تقریر سے انہیں ایک زبردست مقرر اور بطل سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ جب آپ یو این او کا اجلاس ختم ہونے پر نیویارک سے عازم کراچی ہوئے اور راہ میں تین دن کے لیے دمشق میں قیام کیا تو حکومت دمشق کی جانب سے آپ کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ فضائی مستقر پر دمشق کے بڑے بڑے سرکاری افسروں کے علاوہ صدر جمہوریہ شام کے خاص نمائندے بھی

آپ کے استقبال کے لیے پہنچے اور آپ کو بصد تکریم واعزاز شاہی محل میں لے جایا گیا جہاں آپ نے صدر جمہوریہ سے ملاقات کی۔
دو دن بعد مفتی اعظم فلسطین حضرت امین الحسینی نے آپ سے ملاقات کی۔مفتی اعظم کی حریت پسندی روائتی شہرت رکھتی ہے۔یو این او میں ظفر اللہ کی تقریروں سے ان جیسا انسان بھی اتنا متاثر تھا کہ انہوں نے ملاقات کے وقت چودھری صاحب کو ایک بیش قیمت تسبیح، ایک عطر کی شیشی اور ایک نفیس فاؤنٹین پن بطور تحفہ پیش کیا۔
اسی روز شامی یونیورسٹی الجامعہ السوریا میں آپ کی تقریر ہوئی۔یہ تقریر۔۔۔اس قدر مؤثر تھی کہ حاضرین اور طلباء نے بے اختیار ہوکر ''ظفر اللہ خاں زندہ باد'' کے نعرے بلند کئے اور ہر شخص کہتا تھا ''رجل عبقری'' (یہ شخص عدیم النظیر شخصیت کا مالک ہے)۔
قائد اعظم مردم شناسی اور خدمت نوازی میں دیرینہ شہرت رکھتے ہیں۔وہی سر محمد ظفر اللہ خان جو حکومت برطانیہ کے ایک پرزے کی حیثیت سے مسلم لیگ سے دور دور رہے تھے، جب انہوں نے ملک وملت کی شاندار خدمات انجام دیں تو قائد اعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے کے لیے تیار ہو گئے جو باعتبار منصب وزیر اعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے۔قائد اعظم نے چودھری صاحب کو بلا تامل پاکستان کا وزیر خارجہ بنادیا''۔
چودھری ظفر اللہ خان نے فلسطینی مسلمانوں کا مسئلہ کس موثر رنگ میں پیش کیا اس کا اندازہ لگانے کے لیے اخبار ''نوائے وقت'' میں شائع شدہ دو خبریں درج ذیل ہیں:

1۔ سر ظفر اللہ کی تقریر سے اقوام متحدہ کی کمیٹی میں سکتے کا عالم طاری ہوگیا۔امریکہ، روس اور برطانیہ کی زبانیں گنگ ہوگئیں

لیک سکس: 10 اکتوبر۔رائٹر کا خاص نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ اقوام متحدہ کی کمیٹی میں جو فلسطینی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے بیٹھی تھی کل پاکستانی مندوب سر ظفر اللہ کی تقریر کے بعد ایک پریشان کن تعطل پیدا ہو چکا ہے اور جب تک امریکہ اپنی روش کا اعلان نہ کر دے دیگر مندوبین اپنی زبانیں کھولنے کے لیے تیار نہیں۔امریکن نمائندہ جو اس دوران میں ایک مرتبہ بھی بحث میں شریک نہیں ہوا اس وقت تک بولنے کے لیے آمادہ نہیں جب تک کہ صدر ٹرومین ، وزیر خارجہ مسٹر جارج مارشل اور خود وفد ایک مشترکہ اور متفقہ حل تلاش نہ کر لیں۔
کمیٹی میں کل کی بحث میں کمیٹی کے صدر ڈاکٹر ہربرٹ ایوات (آسٹریلیا) نے بہت پریشانی اور خفت کا اظہار کیا جب بحث مقررہ وقت سے پہلے ہی آخری دموں پر پہنچ گئی اور امریکن مندوب اس طرح خاموش بیٹھا رہا گویا کسی نے زبان سی دی ہو۔اقوام متحدہ کے تمام اجلاس میں یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔
پاکستانی مندوب نے ایک لفظ میں دوسرے مندوبین کے واردات قلب کا اظہار کر دیا جب اس نے اکتا کر یہ مشورہ دیا کہ چونکہ بعض سرکردہ مندوبین تقریر کرنے سے واضع طور پر ہچکچا رہے ہیں اس لیے فلسطین پر عام بحث فوراً بند کر دی جائے۔امریکن وفد دو دن سے اس بحث میں مبتلا ہے کہ اسے کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے لیکن ابھی تک وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا ہے۔وفد کے ایک رکن نے دریافت کرنے پر بتانے سے گریز کیا کہ امریکن صدر مقام میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔مندوبین جس طرح اس مسئلہ پر اب تک اظہار خیال کرتے رہے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کافی وجوہات ہیں کہ مندوبین میں نہ صرف عرب اور یہودی مطالبات اور دلائل کی صحت اور حقانیت کے بارہ میں ہی عارضی اختلافات ہیں بلکہ بعض مندوبین کو اس امر کا بھی احساس ہے کہ روس سے متعلق امریکہ کی موجودہ حکمت عملی کے لیے عربوں کی حمایت اور ہمدردی انتہائی اور فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے۔
روس نے بھی ابھی تک اس مسئلہ پر اپنی روش کا اظہار نہیں کیا ہے۔امریکہ کی خاموشی کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ روس کو اپنی خاموشی سے تھکا

کر بولنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے اور خود سب سے آخر میں تقریر کرنا چاہتا ہے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ فلسطینی مسئلہ اب بری طرح روس ار امریکہ کی باہمی کشمکش میں الجھ جائے گا۔(نوائے وقت 12 اکتوبر 1947ء صفحہ 1)

(بحوالہ کتاب مصالح عرب، جلد اوّل، صفحہ نمبر 413۔414)(www.alislam.org)

2۔فلسطین کے متعلق سر ظفر اللہ خاں کی تقریر سے دھوم مچ گئی۔عرب لیڈروں کی طرف سے سر ظفر اللہ خاں کو خراج تحسین

نیو یارک۔10 اکتوبر۔مجلس اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں سر محمد ظفر اللہ خاں، رئیس الوفد پاکستان نے جو تقریر کی وہ ہر لحاظ سے افضل و اعلیٰ تھی۔آپ تقریباً 115 منٹ بولتے رہے۔اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ جب آپ تقریر ختم کر کے بیٹھے تو ایک عرب ترجمان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فلسطین پر عربوں کے معاملہ کے متعلق یہ ایک بہترین تقریر تھی۔آج تک میں نے ایسی شاندار تقریر نہیں سنی۔

سر محمد ظفر اللہ خان نے اپنی تقریر میں زیادہ زور تقسیم فلسطین کے خلاف دلائل دینے میں صرف کیا۔جب آپ تقریر کر رہے تھے تو مسرت و ابتہاج سے عرب نمائندوں کے چہرے تمتما اٹھے۔تقریر کے خاتمے پر عرب ممالک کے مندوبین نے آپ سے مصافحہ کیا اور ایسی شاندار تقریر کرنے پر مبارکباد پیش کی۔ایک انگریز مندوب نے سر ظفر اللہ کو پیغام بھیجا کی آپ کی تقریر نہایت شاندار تھی مجھے اس کی نقل بھیجئے میں انہاک سے اس کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔

(نوائے وقت 12 اکتوبر 1947ء صفحہ 2 کالم 2)بحوالہ کتاب مصالح عرب، جلد اوّل، صفحہ نمبر 413۔ 144 (www.alislam.org)

اسرائیلی امور کے ماہر الفرڈ ایم لیلینتھل کا تبصرہ

سر ظفر اللہ خاں کی اس تقریر کی پذیرائی کا اندازہ اسرائیلی امور کے ایک ماہر الفرڈ ایم لیلینتھل کی مشہور کتاب ''What Price Israel، مطبوعہ ہنری ویگنری کمپنی شکاگو، میں شامل درج ذیل تبصرے سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔وہ لکھتا ہے کہ:

''پاکستان کے مندوب نے تقسیم کی تجویز کے خلاف عربوں کی طرف سے زبردست جنگ لڑی۔انہوں نے کہا فلسطین کے بارہ لاکھ عربوں کو اپنی مرضی کی حکومت بنانے کا حق چارٹر میں دیا گیا ہے۔ادارہ اقوام متحدہ صرف ایسی مؤثر شرائط پیش کر سکتا ہے جس سے فلسطین کی آزاد مملکت میں یہودیوں کو مکمل مذہبی، لسانی، تعلیمی اور معاشرتی آزادی حاصل ہو۔اس کے لیے عربوں پر کوئی اور فیصلہ مسلط نہیں ہو سکتا (صفحہ 17)۔نیز لکھا ''جنرل اسمبلی میں پاکستانی نمائندے کی خطابت جاری رہی۔''مغربی طاقتوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کل انہیں مشرق وسطیٰ میں، دوستوں کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ملکوں میں اپنی عزت اور وقار تباہ نہ کریں۔جو لوگ لسانی دوستی کے زبانی دعوے کرتے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ اپنے دروازے بے گھر یہودیوں پر بند کئے ہوئے ہیں اور انہیں اصرار ہے کہ کہ عرب فلسطین میں یہودیوں کو نہ صرف پناہ دیں بلکہ ان کی ایک ایسی ریاست بھی بننے دیں جو عربوں پر حکومت کرے۔

(صفحہ نمبر 18۔19)۔(بحوالہ مصالح عرب، جلد اوّل، صفحہ 415)(www.alislam.org)

پروفیسر محمد نصر اللہ راجہ کی کتاب ''تعمیر و ترقیٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار'' میں شامل تبصرے

جناب پروفیسر محمد نصر اللہ راجا نے اپنی کتاب ''تعمیر و ترقیٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار'' ایڈیشن چہارم، مطبوعہ لندن، 2010، کے باب 10:اقوام متحدہ کے لیے بطور رئیس الوفد انتخاب اور عرب دنیا کی بے مثال خدمات (صفحات نمبر 146 تا 176) میں سر ظفر اللہ خان کی عرب ممالک کے لیے عمومی خدمات اور مسئلہ فلسطین کے لیے خصوصی کاوشوں کے بارے میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔اسی باب میں سر ظفر اللہ خان کی ان

خدمات سے متعلق پاکستان کے چند مشاہیر اور اس وقت کے مشہور اخبارات کے تبصرے بھی شامل ہیں۔ یہاں ان میں سے کچھ اہم تبصروں کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔قارئین مزید تفصیل کے لیے پروفیسر راجا کی کتاب کا مطالعہ کریں۔ یہ کتاب پی ڈی ایف فارمیٹ میں https://archive.org پر دستیاب ہے۔

1۔ چوہدری محمد علی صاحب پاکستان کے ایک نیک نام وزیر اعظم کے طور پر معروف ہیں۔وہ پرانے مسلم لیگی تھے اور قائداعظم کے ساتھی تھے۔وہ اپنی کتاب Emergence of Pakistan مطبوعہ کولمبیا یونیورسٹی پریس، امریکہ، 1967 کے صفحہ نمبر 380 پر پاکستان کی خارجہ پالیسی کے متعلق ابتدائی اور اصولی موقف اور عملی اقدامات کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

’’مسلم دنیا کی آزادی، قوت، خوشحالی اور اتحاد کے لیے زبردست جدوجہد کرنا پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک مستقل مقصد رہا ہے۔حکومت پاکستان کا ایک اوّلین اقدام یہ تھا کہ مشرق وسطیٰ کے ممالک میں ایک خیر سگالی وفد بھجوایا گیا۔ پاکستان نے فلسطین میں عربوں کے حقوق کو اپنا مقصد قرار دیا اور اقوام متحدہ میں اس نصب العین کی خاطر پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خان سے بڑھ کر کوئی فصیح ترجمان نہیں تھا۔‘‘

2۔ادارہ جنگ نے اکتوبر 2002 میں پہلے وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان کی یاد میں ایک خصوصی مذاکرے کا انتظام کیا۔شرکاء میں ایک ممتاز رکن جناب شاہد امین تھے۔جن کا تعارف ادارہ ’’جنگ‘‘ نے سابق سفارتکار، تجزیہ نگار اور امور خارجہ کے ماہر‘‘ کے الفاظ میں کرایا۔جناب شاہد امین لیاقت علی خان کے دور کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’اس زمانے میں وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان تھے۔بڑے مضبوط کردار کے حامل تھے۔ بیوروکریسی ان کو گھما نہیں سکتی تھی۔۔۔کشمیر کے سلسلے میں انہوں نے پاکستان کا کیس بڑے مضبوط طریقے سے پیش کیا تھا جس کا اعتراف بھارت کے امور خارجہ کے ماہرین نے بھی کیا تھا اور کہا تھا کہ 1948ء، 1949ء میں بھارت اقوام متحدہ میں اس لیے مات کھا گیا تھا کہ پاکستان کے پاس سر ظفر اللہ جیسا وزیر (ماہر) قانون تھا۔لیاقت علی خود بھی بہت دبنگ لیڈر تھے اور سر ظفر اللہ بھی بھاری بھرکم شخصیت تھے۔‘‘(مذاکرہ مطبوعہ روزنامہ جنگ مورخہ 16 اکتوبر 2002ء اشاعت خصوصی، صفحہ 5)

3۔سپریم کورٹ کے سابق جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال جو ایک زمانہ میں اقوام متحدہ میں سر محمد ظفر اللہ خان کے نائب کے طور پر فرائض انجام دے رہے تھے، کا ایک اہم بیان روزنامہ ’’پاکستان‘‘ مورخہ 29 جولائی 2001ء کو شائع ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

’’سر ظفر اللہ خان نے یو این او میں اسلامی ممالک اور پاکستان کی جو شاندار خدمات انجام دیں میں ان کا عینی شاہد ہوں۔‘‘

(بیان ڈاکٹر جاوید اقبال مطبوعہ روزنامہ پاکستان، لاہور مورخہ 2001-7-28)

4۔فلسطین کے سلسلہ میں سر محمد ظفر اللہ خان نے پاکستان کے مؤقف کو کس عمدگی اور تفصیل سے اقوام عالم کے سامنے پیش کیا اس کا ذکر خود قائداعظم نے بھی اپنے ایک بیان میں کیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اپنے ایک مضمون ’’اسرائیل نامنظور کیوں؟‘‘ مطبوعہ نوائے وقت، 12 جولائی 2003ء میں لکھتے ہیں: ’’25 اکتوبر 1947ء کو قائداعظم نے رائٹر کی نیوز ایجنسی کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ’’فلسطین کے بارے میں ہمارے مؤقف کی وضاحت اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے سربراہ محمد ظفر اللہ خان نے کر دی ہے۔ مجھے اب بھی یہ امید ہے کہ تقسیم کا منصوبہ مسترد کر دیا جائے گا ورنہ ایک خوفناک چپقلش کا شروع ہو جانا ناگزیر اور لازمی امر ہے۔‘‘

5۔سابق سفیر مصر سید احمد سعید کرمانی اپنے ایک مضمون ’’سید احمد سعید کرمانی کی انکشاف انگیز یادداشتیں‘‘ مطبوعہ قومی ڈائجسٹ اکتوبر 1999ء، میں لکھتے ہیں: ’’مصر میں قیام کے دوران میں نے دیکھا جب بھی مختلف ممالک کے سفیروں سے ملاقات ہوئی ان میں سے اکثریت پاکستان کا نام چوہدری

صاحب (ظفر اللہ خان) کے توسط سے جانتی تھی۔نہ صرف عرب بلکہ جاپانی اور ایرانی سفراء بھی چوہدری صاحب کے بڑے مداح تھے۔ایک سفیر نے مجھے بتایا کہ اقوام متحدہ میں ہم چوہدری صاحب کے آنے پر اپنی گھڑیاں ٹھیک کیا کرتے تھے کیونکہ وہ وقت کے بہت پابند تھے۔''

جناب کرمانی صاحب اسی مضمون میں آگے جا کر لکھتے ہیں کہ:

''بانئ پاکستان کے ساتھ مخلص اور معتمد سیاسی رہنماؤں،دانشوروں،وکلاء،صحافیوں اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے متعلق افراد کی شاندار ٹیم جمع ہو گئی تھی۔قائد کو ان لوگوں کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا تھا۔وہ جانتے تھے کس آدمی سے کیا کام لینا ہے۔پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان بھی قائد کا ایک اچھا انتخاب تھے۔''

6۔ملک کے ایک ماہر تعلیم اور کراچی یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اپنی انگریزی تصنیف ''مسلم کمیونیٹی ان انڈو پاک سب کانٹینینٹ'' کے صفحہ 98 پر تحریر کرتے ہیں:

''ایک قادیانی محمد ظفر اللہ خان اس وقت پاکستان کے نمائندہ تھے جب کشمیر کے سلسلہ میں بحث ومباحثہ کے ابتدائی معرکے ہوئے اور انہی کے وجود میں اقوام متحدہ میں فلسطین کے لیے عربوں کے مقدمے کو ایک قابل ترین وسیلہ میسر آیا۔''

7۔اقوام متحدہ میں معرکہ فلسطین کے ایک چشم دید گواہ جو خود بھی سر ظفر اللہ خان کے وفد میں شامل تھے وہ امریکہ میں متعین پاکستانی سفیر جناب ابوالحسن اصفہانی تھے۔جو اقوام متحدہ میں کاروائی اور پیش رفت سے متعلق قائداعظم کو باقاعدہ رپورٹ بھجواتے تھے۔وہ اپنے مورخہ 14 اکتوبر 1947 کے خط میں لکھتے ہیں:

''میں اس بات کا مختصر ذکر کروں گا کہ اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد نے توقع سے بڑھ کر کارکردگی دکھائی ہے۔فلسطین کے مسئلہ پر سر ظفر اللہ خان نے جو تقریر کی وہ اقوام متحدہ میں اس مسئلے پر ہونے والی بہترین تقریروں میں سے ایک ہے۔ہم ایک مکمل ٹیم کی طرح کام کر رہے ہیں اور یہ کسی قسم کی تعلّی نہیں ہے کہ ہم نے واقعی عمدہ تاثر پیدا کیا ہے۔پاکستان نے اپنا آپ منوالیا ہے۔''

جناب ابوالحسن اصفہانی اپنے دوسرے خط مورخہ 15 اکتوبر 1917 میں لکھتے ہیں:

''سر ظفر اللہ نے فلسطین کے مسئلہ پر زبردست پذیرائی حاصل کی ہے۔اور انہوں نے پاکستان کو صف اوّل میں لا کھڑا کیا ہے۔''

جناب ابوالحسن اصفہانی نے 27 نومبر 1947 کو قائداعظم کو ایک خط لکھا جس کے جواب میں قائداعظم نے اپنے 11 دسمبر 1947 کے مکتوب میں سر محمد ظفر اللہ خان کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''ظفر اللہ (نیو یارک سے۔ناقل) واپس پہنچ گئے ہیں اور میری ان سے طویل گفتگو ہوئی ہے۔واقعی انہوں نے اپنا کام عمدگی سے انجام دیا ہے۔''

(Quaid-I-Azam Mohammad Ali Jinnah Papers (1 October - 31 December 1947, P. 101, 104 & 403)

8۔سعودی عرب کے امیر فیصل (جو بعد میں شاہ فیصل بنے) نے 5 مئی 1948 کو اقوام متحدہ میں سعودی عرب کے شاہی مندوب کی حیثیت میں سر ظفر اللہ خان کو ایک انگریزی مکتوب ارسال کیا۔یہ خط مستند چشم دید گواہی اور دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔اس خط کا اردو ترجمہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

9۔سر ظفر اللہ خان کے انتقال پر ملال (یکم ستمبر 1985) کے وقت پاکستان کے تمام معروف اخبارات نے رپورٹیں اور اداریئے تحریر کئے جن میں ان کی قابل قدر شخصیت اور کارناموں کا وضاحت سے ذکر کیا گیا تھا۔روزنامہ نوائے وقت فلسطین کے حوالے سے سر ظفر اللہ خان کی خدمات کا ذکر یوں کرتا ہے:

5 مئی 1948ء (مکتوب بنام)
سر محمد ظفر اللہ خان وزیر خارجہ مملکت پاکستان
میرے پیارے دوست! السلام علیکم ورحمۃ اللہ
مجھے جمعہ کے روز آپ کی روانگی کا سن کر بہت ملال ہوا اور اب اس خط کے ذریعے میں اپنے دلی تشکر کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے نہ صرف موجودہ اجلاس میں بلکہ جب سے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش ہوا ہے ہمارے ساتھ بھرپور تعاون اور ہمارے حق میں نہایت اعلیٰ موقف اختیار کیا ہے۔
مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ کے بلند مرتبہ اصولوں نے تمام راستباز لوگوں کے دلوں میں یہ تمنا پیدا کر دی ہے کہ وہ نہ صرف عربوں کے معاملہ میں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے حق میں آپ کی کوششوں کا بھرپور ساتھ دیں۔
اسی جذبے کے تحت میں پیش آمدہ سفر میں آپ کے بخیر و عافیت اپنے وطن پہنچنے کا متمنی ہوں۔
اللہ بزرگ و تعالیٰ اپنے وطن عزیز کی ترقی کے لئے کام کرنے میں آپ کی مدد فرمائے۔
آپ کا بے حد مخلص
(دستخط) فیصل السعود

''۔۔۔حضرت قائداعظم نے انہیں مسئلہ فلسطین پر پاکستان کی نمائندگی کے لیے وفد قائد نامزد کر کے اقوام متحدہ میں بھجوایا جہاں فلسطین پر آپ کی مدلل تقاریر نے عرب ممالک کے دلوں میں پاکستان کے لیے وقیع مقام پیدا کر دیا۔۔۔اقوام متحدہ کے مستقل مندوب کی حیثیت میں چوہدری صاحب نے افریقہ اور عالم اسلام کے ممالک خصوصاً مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک کی گراں بہاں خدمات انجام دیں اور آپ کی مخلصانہ وکالت کے نتیجے میں مراکش، الجزائر اور لیبیا کو آزادی اور خودمختاری حاصل ہوئی اور پاکستان کو عرب ممالک کے محسن کی حیثیت حاصل ہوگئی۔تیونس، مراکش اور اردن نے آپ کو اپنے سب سے بڑے نشان اعزاز سے نوازا۔'' (نوائے وقت 2 ستمبر 1985ء صفحہ 1، 7)

10۔ بزرگ صحافی جناب م۔ش۔ کی ڈائری سے دو حوالے پیش ہیں جن میں سر ظفر اللہ خان کی فلسطین اور عرب ممالک کے لیے خدمات کا ذکر ہے۔ وہ نوائے وقت میگزین 21 ستمبر 1990 میں لکھتے ہیں: ''۔۔۔چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے عربوں کے کیس کی اقوام متحدہ میں جس خلوص، دیانتداری، بلند حوصلگی سے نمائندگی کی اس کا اعتراف تمام عالم اسلام کو ہے۔ میں نے جو کچھ دیانتداری سے سمجھا اسے لکھ دیا۔'' م۔ش۔ نے نوائے وقت میگزین 6 مارچ 1989ء کی ڈائری میں لکھا: ''۔۔عرب ممالک کی جنگ آزادی میں اقوام متحدہ میں ان کی نمائندگی کا بھرپور کردار ظفر اللہ خان نے پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے ادا کیا اور تاریخی کارنامے انجام دیئے۔''

11۔ پاکستان کے ایک سابق سفیر ڈاکٹر سمیع اللہ قریشی اپنے ایک مضمون مطبوعہ نوائے وقت 16 جولائی 2003 میں اقوام متحدہ میں معرکہ فلسطین کے سلسلہ میں سر ظفر اللہ خان کی طرف سے فریق مخالف کو دیئے گئے مسکت جواب کا یوں ذکر کرتے ہیں:

''جب یو این میں یہ دلیل پیش کی گئی کہ اگر ہندوستان میں مسلمان ریاست بن سکتی ہے تو فلسطین میں یہودی ریاست کیوں نہیں بن سکتی۔تو پاکستانی وزیر خارجہ (ظفر اللہ خان) نے جواب دیا کہ پاکستان وہاں بنا ہے جہاں مسلمان اکثریت میں تھے۔ اگر اسی کی نظیر کو پیش کیا جاتا ہے تو یہودی محض حیفہ میونسپلٹی میں اکثریت میں تھے۔ وہ تو تمام فلسطینیوں کو اپنے وطن سے بے دخل کر کے اپنی ریاست بنانا چاہ رہے ہیں۔ اسرائیل کا وجود ویسے ہی ہے جیسے ہندوستان کا کشمیر پر قبضہ۔اس کی مثال ہندوستان سے نہیں دی جاسکتی۔''

12۔ایک معروف صحافی سجاد میر اپنے ایک مضمون ''ہم بھی کیا سادہ ہیں!'' مطبوعہ نوائے وقت 5 اکتوبر 2005ء میں قائداعظم اور سر ظفر اللہ خان کے دو جوابوں کا جو انہوں نے امریکی صدر ٹرومین کی ایک دلیل کے رد میں دئے تھے، ذکر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

امریکہ کے صدر ٹرومین برطانیہ پر زور دے رہے تھے کہ وہ فلسطین میں اپنے زیر تسلط علاقے میں ایک لاکھ یہودیوں کو آباد کر لیں۔ قائداعظم نے اس پر بڑے سخت الفاظ استعمال کئے اور یہ کہا کہ: ''تم نے تو بڑے لیت ولعل کے بعد صرف 100 ہندوستانیوں کو امریکہ ہجرت کی اجازت دی ہے اور یہاں تم ایک لاکھ یہودی آباد کرنے کی بات کرتے ہو۔'' آگے چل کر سجاد میر صاحب سر ظفر اللہ خان کی اسی نوعیت کی ایک مضبوط دلیل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''پاکستان کے وزیر خارجہ نے اقوام متحدہ میں اس سے ملتی جلتی دلیل دی ہے کہ ''اگر دلیل یہ ہے کہ یہودیوں کا قتل عام کیا گیا تو پنجاب میں بھی

مسلمانوں کا قتل عام ہوا ہے۔ امریکہ 50 لاکھ پنجابیوں کو امریکہ میں کیوں آباد نہیں کرتا۔''

13۔ممتاز صحافی الطاف حسین قریشی اپنے ایک مضمون ''پنجۂ یہود سے رسم وراہ'' مطبوعہ نوائے وقت مورخہ 13 ستمبر 2005ء میں سرظفراللہ خان کی اقوام متحدہ میں پاکستان کے مندوب اعلیٰ کی حیثیت سے مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں مسلمانان عالم کا مؤقف اور مقدمہ پیش کرنے کے لیے سرانجام دی جانے والی کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پاکستانی مندوب نے فلسطینیوں کا مقدمہ بڑی شدومد سے لڑا تھا اور اقوام متحدہ میں اسرائیل کے حق میں بڑی طاقتوں کے دباؤ پر منظور ہونے والی قرارداد کے بعد قائداعظم نے اسے ''ناجائز تخلیق'' سے موسوم کیا تھا اور صدر ٹرومین کو اس غیر معمولی ناانصافی پر ایک تفصیلی خط لکھا تھا۔''

14۔ نوائے وقت سنڈے میگزین 25 فروری 2001ء میں مایہ ناز صحافی جناب حمید نظامی (بانی اور ایڈیٹر نوائے وقت) اپنے 1954ء کے ایک سفرنامے کی ڈائری بعنوان ''خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوہ دانش فرنگ'' میں اپنے دو ہم سفروں کی زبانی سرظفراللہ خان کی شخصیت اور قابلیت کے اعتراف کی گواہی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صبح آٹھ بجے ہوائی جہاز پیرس سے اڑا اور پونے گیارہ بجے میونخ پہنچا۔۔۔ایک یہودی اس ہوائی جہاز میں وی آنا جارہا تھا۔ اس شخص نے بتایا کہ میں سولہ برس پہلے نازیوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر وی آنا سے بھاگا تھا۔۔۔مذکورہ بالا یہودی کوئی یہودی عالم تھا اور سیاسی آدمی۔ چوہدری ظفراللہ خان کی سخت مذمت کرتا تھا مگر ان کی قابلیت کا بے حد مداح تھا۔ وی آنا پریس اسمبلی میں ایک اسرائیلی اخبار کا ایڈیٹر بھی آیا ہوا تھا۔ یہ شخص بھی چوہدری ظفراللہ خان کو برا بھلا کہتا تھا مگر یہ بھی کہتا تھا کہ ''یو این کے ممبر عرب ملکوں میں قابلیت کے لحاظ سے کوئی شخص چوہدری ظفراللہ خان کا پاسنگ نہیں۔''

سرظفراللہ خاں کی کاوشوں پر انگریزی اور عرب پریس کے تبصرے

اب میں مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے سرظفراللہ خان کی کوششوں اور جنرل اسمبلی میں کی جانے والی تقریر کے بارے میں چند انگریزی اور عربی اخبارات میں مطبوعہ تبصروں کا ذکر کرتا ہوں جن سے ان کی کوششوں اور تقریر کی اہمیت اور اس کے گہرے اثرات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

''The Leader-Post of Regina, Saskatchewan, Canada نے 8 اکتوبر 1947 کو ''پاکستان بیک اپ عرب کیس'' کے عنوان سے مندرجہ ذیل رپورٹ شائع کی:

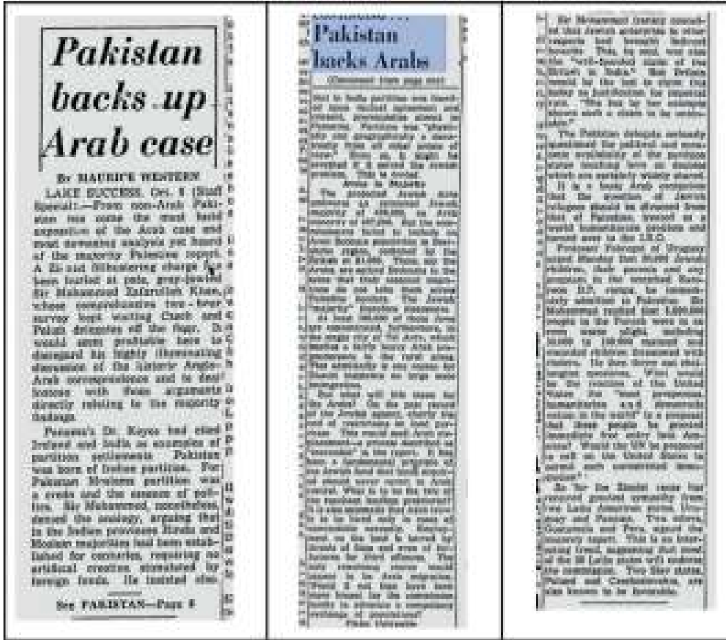


''غیر عرب پاکستان کی طرف سے عرب کیس کے بارے میں سب سے زیادہ واضح بیان آیا ہے اور سب سے زیادہ نقصان دہ تجزیہ ابھی تک فلسطین کی اکثریتی رپورٹ کے بارے میں سنا گیا ہے۔ ایک صیہونی فلبسٹرنگ کا الزام (filibustering charge) سفیدی مائل، سرمئی رنگت والے سرمحمد ظفراللہ خان پر پھینکا گیا، جن کے دو گھنٹے کے جامع سروے اور تقریر نے چیک اور پولش مندوبین کو محو انتظار رکھا۔ تاریخی اینگلو-عرب خط وکتابت کے بارے میں ان کی انتہائی روشن بحث کو نظرانداز کرنا اور اکثریتی نتائج سے براہ راست تعلق رکھنے والے دلائل سے نمٹنا یہاں فائدہ مند ہوگا۔

(The Leader-Post of Regina, Saskatchewan, Canada)

پاناما کے ڈاکٹر کیز نے آئرلینڈ اور ہندوستان کو تقسیم کی بستیوں کی مثالوں کے طور پر پیش کیا تھا کہ پاکستان، ہندوستان کی تقسیم سے پیدا ہوا تھا۔ یاد

رہے کہ پاکستان کے لیے مسلمانوں کی تقسیم ایک اصول اور سیاست کا نچوڑ تھا۔ بہر حال، سر محمد نے اس تشبیہ کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستانی صوبوں میں ہندو اور مسلم اکثریت صدیوں سے قائم ہے جس کے لیے غیر ملکی فنڈز کے ذریعے کسی مصنوعی تخلیق کی ضرورت نہیں تھی۔ انہوں نے اس بات پر بھی اصرار کیا کہ تقسیم ہند کی بنیاد باہمی معاہدے اور رضامندی پر رکھی گئی تھی، جب کہ یہ شرطیں فلسطین میں موجود نہیں تھیں۔ فلسطین کی تقسیم طبیعی اور جغرافیائی لحاظ سے بھی دیگر تمام نقطہ ہائے نظر سے ایک المیہ تھی۔ اس کے باوجود، اگر اس سے یہودیوں کا مسئلہ حل ہو جائے تو اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔



Pakistan backs up Arab case

Pakistan backs Arabs

دی فلسطین پوسٹ، یروشلم (The Palestine Post, Jerusalem)، 8 اکتوبر 1947ء صفحہ 1 پر ایک ذیلی عنوان یہ تھا:

”پاکستانی مندوب، سر محمد ظفر اللہ خان، جنہوں نے آج کی بحث کا آغاز کیا، نے کمیٹی کو بتایا کہ فلسطین کے لیے مجوزہ تقسیم کا منصوبہ طبیعی اور جغرافیائی طور پر ایک عفریت ہے۔ اس منصوبے میں واضح برائیاں تھیں اور یہ بالکل ناکافی ہے، انہوں نے کہا۔

دمشق کے اخبار الف با (AlifBa) نے 8 اکتوبر 1947ء صفحہ نمبر 1 پر رپورٹ کیا:

(عربی سے ترجمہ)... پہلے مقرر پاکستان کے مندوب سر ظفر اللہ خان تھے جنہوں نے کہا۔۔۔ ”یہ منصوبہ خوفناک ہے، اور اگر عربوں کے حقوق پر براہ راست ظلم ہونے کے باوجود اس پر عمل درآمد کیا جائے گا تو مشرق وسطیٰ میں جنگ شروع کرنے کی چنگاری بھڑک اٹھے گی اور اس سے پوری دنیا کا اقوام متحدہ کی کمیٹی سے اعتماد اٹھ جائے گا۔“

Clipping from The Leader-Post, Regina، 8 October 1947, pp. 1-8

انڈین ایکسپریس، مدراس (The Indian Express, Madras) نے 8 اکتوبر 1947ء صفحہ 1۔5 پر لکھا:



الدفاع

”سر ظفر اللہ نے پورے اجلاس میں 115 منٹ تک بات کی۔ کم از کم جنرل اسمبلی کے اس اجلاس میں سر ظفر اللہ خان نے اپنی شاندار تقریر سے ایک ریکارڈ قائم کیا۔ یہ اقوام متحدہ کے مباحثوں میں ان کی پہلی شراکت تھی اور اس نے ایک عرب ترجمان کے اس تبصرے کو جنم دیا، ”یہ فلسطین کے حوالے سے عرب کیس کا سب سے شاندار اور جامع سروے تھا جو میں نے کبھی سنا ہے۔“

Alif Ba, Wednesday 8 October 1947, p. 1The



Indian Express, Madras, 8 October 1947, pp. 1-5

اگرچہ کچھ یہودیوں اور یہودیوں کے حامی اخبارات نے اس تقریر کو محض ایک ''فلبیسٹر'' قرار دیا،لیکن اس نے مسلم دنیا کو خاص طور پر عربوں کو خوشی کا اظہار کرنے کا ایک موقع فراہم کیا جو واقعی اسے اپنی طرف سے سب سے طاقتور دفاع سمجھتے تھے۔

مصر کے ایک روزنامے البلاغ (Al-Balagh) نے 8 اکتوبر 1947 کو صفحہ نمبر 2 پر ''مسئلہ فلسطین اور پاکستانی نمائندے کے خطاب کا اثر'' کے عنوان سے لکھا: ''عرب نیوز کے خصوصی رپورٹر نے بتایا ہے کہ ایک غیر جانبدار نمائندے نے خصوصی کمیٹی کے اجلاس میں فلسطینی عربوں کی وکالت کرتے ہوئے سرظفراللہ خان کے خطاب کو خاموش اور ناقابل تردید خطاب قرار دیا ہے۔یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے خطاب کا بہت سے دوسرے غیر جانبدار نمائندوں پر بڑا اثر پڑا۔'' دو گھنٹے کے بعد اپنا خطاب ختم کرنے کے بعد عرب نمائندے سرظفراللہ خان کا استقبال کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔عرب کمیٹی کے رکن جمال الحسینی،عراق کے نمائندے ڈاکٹر جمالی اور لبنان کے نمائندے کامل شمعون سب نے مجھے بتایا کہ پاکستان کے نمائندوں نے عربوں کا خوب دفاع کیا ہے۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ سرظفراللہ خان نے اپنا خطاب ایسے وقت میں پیش کرنے کا انتخاب کیا جب امریکہ اپنے سیاسی منصوبے پیش کرنے والا تھا،یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان کے خطاب میں مختلف اوقات میں صیہونیوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے ان کا ذکر کرتے دیکھا۔خاص طور پر جب اس نے امریکی سیاست اور مسٹر ٹرومین کے اس بیان کے درمیان بنیادی تصادم کے بارے میں بات کی جس نے کہا تھا کہ لوگوں کا اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق ان ضروری رسومات میں سے ایک ہے جس پر امریکہ کی بیرونی سیاست انحصار کرتی ہے۔

''اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سرظفراللہ خان کا خطاب عربوں کا آج تک کا سب سے سچا دفاع ہے،حالانکہ میں نے شروع میں سوچا تھا کہ وہ صرف پاکستان اور عرب ممالک کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے بول رہے ہیں۔

''بعض ہندوستانی ذرائع نے ذکر کیا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان عربوں کا دفاع کر رہا ہے،ہندوستانی نمائندوں کو اس سلسلے میں اپنے موقف پر ثابت قدم رہنا چاہیئے،حالانکہ ہندوستان کے نمائندے اقلیت کے حق میں پیش کی گئی تجاویز کے حامیوں میں سے ایک تھے۔''

سرظفراللہ خان جنرل اسمبلی کی عرب سب کمیٹی کے چیئرمین بھی رہے۔

ایک عربی روزنامہ فلسطین،جافا (Falastin, Jaffa) نے 20 نومبر 1947 کو صفحہ نمبر 1 پر سرظفراللہ خان کی طرف سے اسمبلی میں اٹھائے جانے والے 10 سوالات کے بارے میں رپورٹ کیا۔

اسی میٹنگ کے بارے میں امریکہ کے ایک یہودی اخبار نے لکھا:

''پاکستان کے باریش،دلکش سرمحمد ظفراللہ خان نے عربوں کے بیان کا دفاع کرنے کی پوری کوشش کی۔کمیٹی نمبر 2 کے چیئرمین کی حیثیت سے انہوں نے اپنا کام وقار کے ساتھ پورا کیا۔

(The Wisconsin Jewish Chronicle, Milwaukee, 28 November 1947, p. 3)

28 نومبر 1947 کو اقوام متحدہ میں تقسیم کی قرارداد منظور ہونے سے ایک دن پہلے، سر محمد ظفر اللہ خان نے ایک اور پر جوش تقریر کی جس میں فلسطین کے لیے اپنی بھرپور حمایت کا اظہار کیا۔

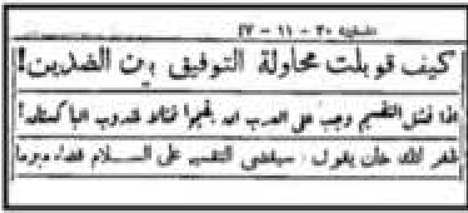
جافا کے روزنامہ الدفاع (Al-Difaa) نے 30 نومبر 1947 کو صفحہ نمبر 4 پر اس تقریر کو رپورٹ کیا:

[عربی سے ترجمہ] ''سر ظفر اللہ خان ایک بار پھر بڑے طریقے سے تقسیم کے خلاف کھڑے ہوئے۔ اپنے بیان کو پیش کرنے کی ان کی کوشش بھی بہت ذہین وفطین تھی کیونکہ انہوں نے تمام حاضرین سے کہا کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے بارے میں منطقی طور پر سوچیں۔ انہوں نے کہا کہ کمیٹی نے بہت زیادہ پر تشدد دباؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے جو کہ اب تک نہیں دیکھا گیا۔ اور وہ ایک ایسا منصوبہ شروع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے جو انصاف، منطق اور قانون کے خلاف ہوگا۔ ان کی منطق اور ڈنگ مارنے والے الفاظ میں ذرہ برابر عقل (Common Sense) بھی نہیں ہے۔

رپورٹر کہتا ہے کہ میں نے ایک عرب نمائندے کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ اگر تقسیم کا منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے تو عربوں کو سر ظفر اللہ خان کے عزم اور ان کی دانشمندانہ منطق کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے، ان کا مجسمہ کھڑا کرنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ منصوبہ مجوزہ شکل میں عربوں پر نافذ کیا جائے گا تو پاک سرزمین (فلسطین) کے عرب اس کا نشانہ بنیں گے اور یہ فیصلہ اس عالمی کانفرنس پر ایک ناقابل علاج داغ چھوڑ جائے گا اور یہ مغربی دنیا کی تمام سرگرمیوں کو تیسری دنیا (افریقہ اور ایشیا کے ممالک) میں مشکوک بنا دے گا۔۔ جیسا کہ میں آپ کو سچ بتا رہا ہوں کہ یہ منصوبہ امن کو مکمل طور پر ختم کر دے گا۔

روزنامہ فلسطین (Falastin) نے بھی 30 نومبر 1947 کے شمارے میں یہی رپورٹ شائع کی ہے۔ جس کا عکس نیچے دیا گیا ہے۔

عربی روزنامہ الدفاع میں مطبوعہ رپورٹ کا عکس بھی یہاں دیا جا رہا ہے۔


كيف قوبلت محاولة التوفيق بين الضدين!

اذا نفذ التقسيم وجب على العرب ان يقيموا تمثالا لمندوب امريكا!

ظفر الله خان يقول: سيقضي التقسيم على السلام قضاء مبرما

اقوام متحدہ میں قیام اسرائیل کے حامی تقسیم فلسطین کروانے میں کیسے کامیاب ہوئے

آیئے اب اس بات کا جواب تلاش کرتے ہیں کہ تقسیم فلسطین کی قرارداد کے خلاف سر ظفر اللہ خان کی اتنی مدلل اور مؤثر تقریر اور مندوبین کی ایک بڑی تعداد کے مثبت ردعمل کے باوجود تقسیم فلسطین کی قرارداد کس طرح منظور کروائی گئی اور فلسطینی مسلمانوں کے حقوق سلب کر کے یہودیوں کے لیے اسرائیل کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں چوہدری ظفر اللہ خان کی ایک اور تقریر کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو کہ اقوام متحدہ میں تقسیم فلسطین کے فیصلہ کے چند دن بعد انہوں نے 9 دسمبر 1947ء کو گورنمنٹ کالج لاہور میں کی تھی۔ جس میں مسئلہ تقسیم فلسطین کی سازش پر مفصل روشنی ڈالی تھی۔ اس تقریر کا ملخص روزنامہ ''نوائے وقت'' نے درج ذیل الفاظ میں شائع کیا تھا:

لاہور۔ 9 دسمبر۔ ادارہ اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے قائد چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں نے آج مسئلہ فلسطین کے تمام پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی۔ انہوں نے ادارہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تقسیم فلسطین کے فیصلہ کو سخت نامنصفانہ قرار دیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تقریر کرتے ہوئے سر ظفر اللہ نے سخت افسوس ظاہر کیا کہ امریکی حکومت نے چھوٹی چھوٹی طاقتوں کے نمائندگان پر ناجائز دباؤ ڈال کر تقسیم فلسطین کے حق میں فیصلہ کرا لیا۔ سر ظفر اللہ نے کہا کہ امریکہ کی انتخابی سیاسیات نے فلسطین کو ایک مہرہ بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ سرزمین فلسطین کی مجوزہ یہودی ریاست میں نہ صرف ایک مضبوط عرب اقلیت ہمیشہ کے لیے یہودیوں کی غلام بن جائے گی بلکہ ملک کی اقتصادیات پر بین الاقوامی کنٹرول قائم ہو جائے گا جو قطعاً غیر قانونی حرکت ہے۔ چوہدری سر محمد ظفر اللہ نے بتایا کہ کس طرح امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے یہودی اثر کے ماتحت چھوٹی چھوٹی اقوام پر ناجائز دباؤ ڈالا اور دو

تین فیصلہ کن ووٹ حاصل کر لیے جس کے مطابق ادارہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کی تقسیم کا نامنصفانہ فیصلہ ہوا۔

سر ظفر اللہ نے بتایا کہ 26 نومبر کو ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں اور مخالف فریق کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا تھا لیکن عین آخری وقت رائے شماری بلا وجہ 28 نومبر پر ملتوی کر دی گئی تا کہ دوسرے ممالک پر دباؤ ڈال کر فلسطین کے متعلق ان کا رویہ تبدیل کیا جا سکے۔ چنانچہ جب ہیٹی کے مندوب نے رائے شماری کے بعد مجھ سے ملاقات کی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس نے افسوس ظاہر کیا کہ اسے آزادی کے ساتھ ووٹ دینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اکثر ایسے مندوبین نے جنھوں نے تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ ڈالے یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے نہایت مجبوری کے عالم میں تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ ڈالے اور اسی میرٹ میں تقسیم فلسطین کا فیصلہ ہوا۔''

''سر ظفر اللہ نے بتایا کہ جنرل اسمبلی میں کس طرح شروع میں عربوں کو تقسیم فلسطین کی سکیم کے استرداد کا یقین تھا لیکن بعد ازاں زبردست سازشیں کی گئیں کہ عربوں کی حامی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا۔ صدر اسمبلی نے رائے شماری کو 26 نومبر سے 28 نومبر پر ملتوی کر دیا۔ دریں اثناء امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے بعض مندوبین پر ان کی حکومتوں کی مدد سے دباؤ ڈالا اور عربوں کے حامی 17 مندوبین میں سے 4 مندوب دوسرے فریق سے جا ملے۔ لائبیریا کے نمائندے نے اعتراف کیا کہ واشنگٹن میں ان کے سفیر نے انہیں تقسیم فلسطین کی حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہیٹی کے نمائندے نے ہمیں افسوس کے ساتھ بتایا کہ وہ اپنی حکومت کی تازہ ہدایات کے ماتحت اب تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ دینے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس طرح بالآخر تقسیم فلسطین کے حق میں امریکی اور یہودی سازش کامیاب ہو گئی اور تقسیم فلسطین کا فیصلہ کر دیا گیا۔''

(نوائے وقت 11 دسمبر 1947 صفحہ 6)



غزل

پروفیسر محمد شریف خالد

کوشش پیہم سے اک دار الاماں پیدا کریں
اِس جہان بے اماں میں اک مکاں پیدا کریں

پھونک دیں باغ عمل کے جو خس و خاشاک کو
سوزش پنہاں سے ایسی بجلیاں پیدا کریں

سازِ فطرت کے ترنم سے کریں جو آشنا
گلشن ہستی میں ایسے نغمہ خواں پیدا کریں

تا بہ کے ابر بہاری کا کریں ہم انتظار
قطرہء شبنم سے بحر بیکراں پیدا کریں

عالم بے کیف بھی آئے نظر خلد بریں
وہ نگاہ شوق میں رنگینیاں پیدا کریں

منزلیں جن کی طلب میں خود بخود آگے بڑھیں
راہِ حق میں ہم کچھ ایسے کارواں پیدا کریں

باد صر صر کے حوادث میں رہیں ثابت قدم
عزم میں کوہِ گراں کی سختیاں پیدا کریں

باد و باراں ہوں نگہباں بجلیاں جس کا چراغ
شاخِ تقویٰ پر اِک ایسا آشیاں پیدا کریں

ہوں اگر مقصود دل کشفِ رموزِ کائنات
مہر و ماہ و مشتری سے رازداں پیدا کریں

عکس

لیکن آپ سے ایک غلطی سرزد ہوئی ہے جس کی طرف آپ کی توجہ فوراً مبذول کرانا چاہتا ہوں کیونکہ میرے خیال میں یہ ایک سنجیدہ غلطی ہے۔ آپ مجھے ''نظریہ پاکستان'' کا حامی قرار دیتے ہیں مگر اب پاکستان میرا منصوبہ نہیں ہے۔''

(مکاتیب اقبال جلد 3 صفحہ 473)

مکاتیب اقبال حصہ ۳

نہایت ضروری ہے۔ آپ بھی اس میں شریک ہوجائیے اور کام کیجئے جو تجویز میرے ذہن میں ہے اس کا ذکر مفصل بروقت ملاقات ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

عکس: مکتوبات اقبال،

ایڈورڈ تھامپسن کے نام

لاہور
۴ مارچ ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مسٹر تھامپسن

میری کتاب پر آپ کا تبصرہ ابھی ابھی موصول ہوا ہے۔ یہ نہایت اعلیٰ پایہ کا ہے اور میں ان تمام کلمات خیر کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں جو آپ نے میرے متعلق کہے ہیں۔ لیکن آپ سے ایک غلطی سرزد ہوئی ہے جس کی طرف آپ کی توجہ فوراً مبذول کرانا چاہتا ہوں کیونکہ میرے خیال میں یہ ایک سنجیدہ غلطی ہے آپ مجھے ''نظریہ پاکستان'' کا حامی قرار دیتے ہیں مگر اب پاکستان میرا منصوبہ نہیں ہے۔ میں نے اپنے خطبہ صدارت میں جو تجویز پیش کی تھی وہ صرف ایک مسلم صوبہ کی تشکیل ہے۔ یعنی ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک ایسا صوبہ جس میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہو یہ نیا صوبہ میرے منصوبے کے مطابق مجوزہ ہندوستانی وفاق (فیڈریشن) کا ایک حصہ ہوگا۔ جب کہ نظریہ پاکستان میں مسلمانوں کے ایک جداگانہ وفاق کی تجویز رکھی گئی ہے جو براہ راست انگلستان سے مربوط ایک علیحدہ ریاست ہو۔ یہ منصوبہ کیمبرج میں پیدا ہوا اور اس کے خالق یہ سمجھتے ہیں کہ گول میز میں شریک ہونے والے ہم مسلمانوں نے مسلم قوم کو ہندوؤں کی یا نام نہاد ہندوستانی قومیت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے۔

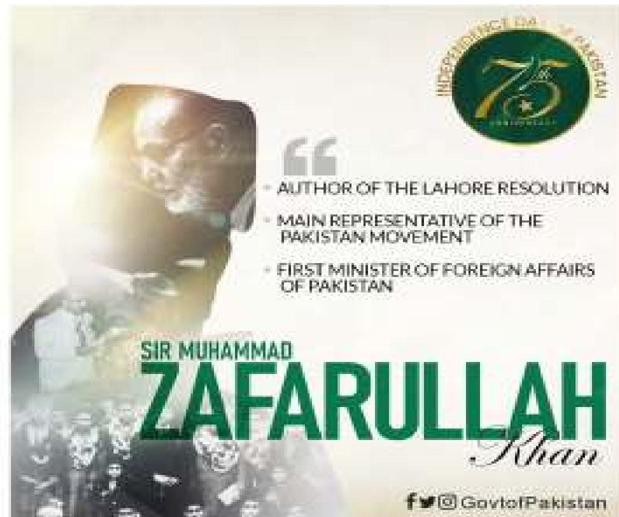
۴۷۳

Fazal Ahmad
JAN 27 AT 02:52

پاکستان کی 75 سالہ سالگرہ پر حکومت پاکستان کا سر محمد ظفر اللہ خان کو خراج تحسین

پاکستان کی 75 سالہ سالگرہ کے موقع پر حکومت پاکستان نے یوم آزادی 14 اگست 2022 کے دن سر محمد ظفر اللہ خان کی قومی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے جو نوٹیفیکیشن جاری کیا اس میں ان کی مندرجہ ذیل نمایاں خدمات کا ذکر کیا گیا ہے:

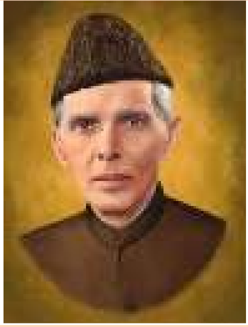
- لاہور ریزولیوشن (قرارداد پاکستان) کے مصنف
- تحریک پاکستان کے مرکزی نمائندہ
- پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ





علامہ اقبال کی قائداعظم مخالفت کے بدثمرات اور تصور پاکستان

علی مانسہروی



یہ ایک خوفناک حقیقت ہے کہ علامہ اقبال اور سر شفیع کی دشمنی نے قائداعظم کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا مگر تاریخ کے اس مکروہ حصے کو عموماً تاریخ کے طلباء سے مخفی رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال 'زندہ رود' میں لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال نے 1926 سے پیشتر عملی سیاست میں حصہ نہ لیا تھا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق 1926 کی پنجاب کونسل کے انتخاب میں کامیابی کے بعد اقبال نے سر فضل حسین کی قائم کردہ یونینسٹ پارٹی کی رکنیت اختیار کر لی تھی اور اقبال 1927 سے 1930 تک پنجاب کی قانون ساز کونسل کے رکن رہے۔ یہ تین سال انہوں نے یونینسٹ پارٹی کے اندر رہ کر اس جماعت کے طریقہ کار کو بغور دیکھا۔ عملی سیاست میں قدم رکھنے کے سبب وہ اسی سال پنجاب صوبائی مسلم لیگ کے سیکریٹری بن گئے۔

علامہ اقبال بطور مخالف قائداعظم

ہندوستان میں دستوری اصلاحات کے لیے حکومت برطانیہ نے نومبر 1927 کو سائمن کمیشن کا اعلان کیا جس کے تمام اراکین انگریز تھے۔ قائد اعظم اور دیگر سیاسی راہنماؤں نے کمیشن کی تشکیل پر اعتراض کیا کیونکہ سائمن کمشن میں کسی ہندوستانی کو شامل نہ کیا گیا تھا۔ جناح اور دیگر راہنماؤں نے بعد ازاں سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ اس وقت پنجاب مسلم لیگ کے صدر سر شفیع اور سیکریٹری علامہ اقبال تھے جو سائمن کمیشن سے تعاون کرنے کے حامی تھے۔ جس بنا پر انہوں نے جناح سے راستے جدا کر کے علیحدہ مسلم لیگ کا اعلان کر دیا تھا۔ دسمبر 1927 کو مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک جناح لیگ کہلائی اور دوسری شفیع لیگ۔ شفیع لیگ کے صدر سر محمد شفیع جبکہ علامہ اقبال سیکریٹری تھے۔ یاد رہے جناح انگریز حکومت کی من مانی پالیسی کی وجہ سے سائمن کمیشن سے تعاون کرنے کے شدید مخالف تھے جبکہ اقبال انگریز حکومت کی منشاء کے مطابق سائمن کمیشن کی ہیئت ترکیبی اور اس سے تعاون کرنے کے حامی تھے۔ سر شفیع کی انگریز حکمرانوں سے وفاداری کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ ان کے سائمن کمشن سے تعاون کرنے کے موقع پر مولانا محمد علی جوہر اپنے اخبار ''ہمدرد'' میں لکھتے ہیں: ''سر شفیع سے بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ کسی وائسرائے کی رائے سے متفق نہ ہوں۔ انہوں نے وفاداری کا راگ گانا شروع کر دیا ہے۔ یہ پنجاب کی بدقسمتی ہے کہ سر محمد اقبال جیسے لیڈر بھی سر شفیع جیسے وفادار کو اپنی آزاد خیالی کی سطح تک نہ ابھار سکے بلکہ برخلاف اس کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی سر شفیع کی وفاداری کی پست سطح پر اتر آئے ہیں"۔ (زندہ رود صفحہ 382)

سنہ 1927 میں مسلم لیگ سیاسی اور فکری خلفشار کا شکار ہو کر دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ پنجاب مسلم لیگ نے سر شفیع اور علامہ اقبال کی قیادت میں انگریزوں سے وفاداری نبھاتے ہوئے جناح کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا تھا۔ واضح رہے کہ اس ٹوٹ پھوٹ کے بعد ایک طویل عرصہ تک مسلم لیگ نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان میں قدم نہ جما سکی۔ جناح کی قیادت کو کمزور کرنے اور مسلم لیگ کو مزید دھچکے دینے کے لیے آل پارٹیز مسلم کانفرنس وجود میں لائی گئی اور اقبال اس کے بانیوں میں سے تھے۔ جناح کی مسلم لیگ کے سوا تمام مسلم جماعتوں نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ جناح نے آل

پارٹیز مسلم کانفرنس کی حیثیت کو چیلنج کرتے ہوئے مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بنانے کا عزم ترک نہ کیا اور آل انڈیا مسلم کانفرنس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا تھا۔ 29 دسمبر 1928 کو آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا اجلاس زیر صدارت آغا خان دہلی میں منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے مسلمانوں کے مطالبات پر مبنی ایک قرارداد منظور کی گئی۔ جناح نے مسلم کانفرنس کی قرارداد کو مسترد کرتے ہوئے اپنا فارمولا دیا جو جناح کے 14 نکات کے نام سے مشہور ہوا اور بعد ازاں یہ 14 نکات مسلمانان ہند کے مطالبات قرار پائے۔ جناح نے موقع پرستانہ اور مصلحت کوش سیاست سے خود کو علیحدہ رکھا۔ بالآخر سر شفیع اور علامہ اقبال بھی جناح کی قیادت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے اور 28 فروری 1930 کو مسلم لیگ دوبارہ متحد ہو گئی۔ مگر مسلم لیگ کے فکری، سیاسی اور تنظیمی انتشار، خصوصا پنجاب مسلم لیگ کی انگریز نواز پالیسی کی وجہ سے جناح ذہنی پریشانی کا شکار تھے اور بالآخر انہوں نے ترک وطن کر کے انگلستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

علامہ اقبال کا ایک اور مسلم لیگ دشمن قدم

''اقبال کے آخری دو سال'' کے مصنف عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ یونینسٹ پارٹی، مسلم لیگ کی حریف پارٹی تھی اور جس کے دروازے ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، اچھوتوں اور مسیحیوں پر یکساں کھلے تھے۔ بٹالوی مزید لکھتے ہیں کہ فضل حسین کے حیرت انگیز اثر و رسوخ نے جناح کو بے دست و پا بنا کر رکھ دیا۔ اور آخر اس یاس و حرماں اور شکست خوردگی کے احساس ہی نے انہیں وطن ترک کرنے اور انگلستان میں مستقل اقامت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بٹالوی مزید لکھتے ہیں کہ جب 1929 میں مسلم لیگ کا زور توڑنے کے لیے آل انڈیا مسلم کانفرنس وجود میں آئی تو ڈاکٹر اقبال اس کانفرنس کے بڑے سرگرم رکن تھے۔ پہلے اس کی مجلس عاملہ کے ممبر اور پھر اس کے صدر بن گئے تھے۔''

عمومی طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ علامہ اقبال تصور پاکستان کے خالق تھے اور 1930 کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں علامہ اقبال کے صدارتی خطاب کو اس کی بنیاد کہا جاتا ہے۔ کیا علامہ اقبال کے اس خطاب سے قبل کسی مفکر، دانشور یا سیاستدان نے ایسے موضوع پر کچھ لکھا یا کہا تھا یا برصغیر کی تاریخ میں اقبال ہی پہلے مفکر یا سیاستدان تھے جنہوں نے متحدہ ہندوستان میں ہندو مسلم مسئلے کا ایسا حل تجویز کیا تھا جس نے آگے چل کر تحریک پاکستان کو نظریاتی بنیاد فراہم کی۔ کیا قائداعظم نے تحریک پاکستان کے دوران یا پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد کہیں تسلیم کیا تھا یا یہ تذکرہ کرنا مناسب سمجھا تھا کہ تحریک پاکستان کی سیاسی اور نظریاتی راہنمائی کی بنیاد علامہ اقبال کا یہ خطبہ تھا۔ یا قائداعظم کی زندگی میں منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے کسی اجلاس میں کسی تقریر، تحریر یا قرارداد سے یہ اظہار ہوتا ہو جس میں علامہ اقبال کو تصور پاکستان کا خالق مانا گیا ہو اور اس سلسلہ میں ان کی بے مثال خدمات پر خراج تحسین پیش کیا گیا ہو۔ سنہ 1930 میں جناح ہندوستان سے ہجرت کر کے انگلستان سکونت اختیار کر چکے تھے اور اقبال ابھی تک یونینسٹ پارٹی سے مستعفی نہیں ہوئے تھے۔ یہ حالات تھے جب دسمبر 1930 کو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس علامہ اقبال کی صدارت میں الہ آباد میں منعقد ہوا۔ قابل ذکر بات یہ کہ قائداعظم سمیت مسلم لیگ کے کئی سرکردہ راہنما اس اجلاس میں شریک نہ ہوئے تھے بلکہ جب علامہ اقبال نے اپنا تاریخی خطبہ دیا تو اجلاس کا کورم بھی پورا نہ تھا۔ (پیرزادہ۔ صفحہ۔ 85)۔

مسلم لیگ کے اس اجلاس میں علامہ اقبال کے صدارتی خطاب کو تصور پاکستان سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کو بنیاد بنا کر اقبال کو تصور پاکستان کا خالق کہا جاتا ہے۔ اقبال نے اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: "مسلمانوں کا یہ مطالبہ قطعاً منصفانہ ہوگا کہ ہندوستان کے اندر ایک مسلم انڈیا قائم کیا جائے۔ میں یہ دیکھنا پسند کروں گا کہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک مملکت میں مدغم کر دیا جائے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ سیلف گورنمنٹ، خواہ یہ

سلطنت برطانیہ کے اندر ہو یا سلطنت برطانیہ کے باہر ہو اور ایک مربوط شمال مغربی ہندی مسلم ریاست کی تشکیل بالآخر مسلمانوں کی کم از کم شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کی تقدیر ٹھہرے گی۔ اس سے مسلمانوں کا احساس ذمہ داری مضبوط ہوگا اور جذبہ حب الوطنی فروغ پائے گا۔ اگر شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ بھر پور موقع دیا جائے کہ وہ ہندوستان کے نظام سیاست میں رہ کر نشوونما کر سکیں تو وہ ہندوستان کے خلاف تمام حملوں کی صورت میں، چاہے یہ حملہ بزورقوت ہو یا بزور خیالات، ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے۔ خود اختیار یعنی سیلف گورننگ ریاستوں کے سپرد ہونے چاہیں۔ مرکزی وفاقی ریاست کے سپرد صرف ایسے اختیارات ہونے چاہئیں جو تمام وفاقی ریاستیں واضح طور پر بخوشی اس کے سپرد کریں"۔

اقبال کے اس خطاب میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے کسی آزاد یعنی خودمختار اسلامی مملکت کا تصور پیش نہیں کیا گیا۔ اس میں آسام اور بنگال اکثریتی مسلم علاقوں اور ریاست جموں وکشمیر کا کوئی ذکر نہیں۔ اقبال اپنی تقریر میں شمال مغربی ہندوستان میں مسلم اکثریتی علاقوں کو ایک ریاست میں ضم کر کے وفاق ہندوستان کے دائرے میں ایک خودمختار یونٹ تشکیل دینے کی تجویز پیش کر رہے ہیں۔

پاکستان میری سکیم نہیں ہے۔علامہ اقبال

"پاکستان کی سیاسی تحریک" کے مصنف زاہد چوہدری لکھتے ہیں" علامہ اقبال کے خطبہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے دسمبر 1930 میں پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کو ضم کر کے وفاق ہندوستان کے دائرے میں ایک خودمختار ریاست قائم کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس کی بنیاد دراصل کسی نئے تصور پر نہ تھی۔ علامہ کے اپنے بیان کے مطابق 1927 میں آل پارٹیز کانفرنس منعقدہ دہلی کی قراردادوں سے اسی بلند نصب العین کا اظہار ہوتا تھا اور پھر 1928 میں نہرو کمیٹی کے روبرو بھی یہ تجویز پیش کی گئی مگر اس نے اسے مسترد کر دیا۔ اسی سال یعنی 1928 میں ہی پنجاب میں سرفضل حسین کی یونینسٹ پارٹی کے ترجمان اخبار انقلاب میں مرتضے خاں میکش کے نام سے ایک سلسلہ مضامین شائع ہوا جن میں یہی مطالبہ کیا گیا تھا۔ علامہ اقبال ان دنوں پنجاب کونسل میں یونینسٹ پارٹی کے رکن تھے اور جب 1930 میں انہوں نے یہ خطبہ پڑھا اس وقت تک انہوں نے یونینسٹ پارٹی سے استعفی نہیں دیا تھا۔ ایڈورڈ ٹامسن کے نام 4 مارچ 1934 کے ایک خط میں اقبال اپنے 1930 کے خطبے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' پاکستان میری سکیم نہیں ہے۔ جو تجویز میں نے اپنے خطبے میں پیش کی تھی وہ ایک مسلم صوبے کے قیام کی تجویز تھی۔ یعنی شمال مغربی ہند میں ایک ایسے صوبے کی تشکیل جہاں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہو۔ میری سکیم کے مطابق یہ نیا صوبہ آئندہ کی انڈین فیڈریشن کا حصہ ہوگا۔ لیکن پاکستان سکیم مسلم صوبوں کی ایک علیحدہ فیڈریشن کے قیام کی سفارش کرتی ہے۔ جس کا براہ راست تعلق انگلستان سے ایک علیحدہ ڈومینین کی صورت میں ہوگا۔ یہ سکیم کیمبرج میں بنائی گئی ہے"۔ (زندہ رود صفحہ 482)۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ پاکستان کا لفظ اور اس نام کے ایک آزاد ملک کا منصوبہ پہلی بار چوہدری رحمت علی نے 1933 میں پیش کیا تھا۔ یاد رہے کہ چوہدری رحمت علی نے کیمبرج میں پاکستان کے حصول کے لیے پاکستان نیشنلسٹ موومنٹ قائم کر رکھی تھی اور اقبال اس منصوبہ کے کھلے مخالف تھے۔ سنہ 1936 اور 1937 کے دوران علامہ اقبال کے جناح کو لکھے گئے مراسلات کو بعض دانشوروں کے نزدیک تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اقبال نے اس دوران جناح کو مسلم لیگ کی پنجاب میں تنظیم نو، لیگ کے سیاسی اور نظریاتی لائحہ عمل، دستور اور پروگرام میں تبدیلی کے لیے متعدد مشورے دیئے۔ کیا یہ مشورے یک طرفہ ہی رہے یا قائد نے ان خطوط کے جوابات بھی لکھے اور اقبال کے مشوروں پر کس قدر عمل کیا یا کہ ان مشوروں کو قائد نے درخور اعتنا ہی نہ سمجھا۔ یہ ایک الگ بحث کا موضوع ہے۔

علامہ اقبال سے بہت پہلے کتنے ہی مسلم اور غیر مسلم آزاد مسلم ریاست کا تصور دے چکے تھے

تاریخی دستاویزات کی ورق گردانی کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کی اقبال وہ پہلے یا واحد مفکر نہ تھے جنہوں نے برٹش انڈیا میں مسلم ہندو مسئلے کے حل کے لیے خودمختار صوبوں کے قیام کی تجویز پیش کی ہو۔ اقبال کے سیاست میں سرگرم ہونے سے قبل مسلم لیگ کے معروف لیڈر نواب ذوالفقار علی، مولانا حسرت موہانی اور آریہ سماجی ہندو نیشنلسٹ لیڈر لالہ لاجپت رائے انڈیا میں خودمختار مسلم ریاستوں کی تجویز پیش کر چکے تھے۔ بقول ڈاکٹر جاوید اقبال، بھائی پرمانند، پروفیسر جی۔ آر۔ ابھیانکر اور نواب ذوالفقار علی ایسی ہی تجاویز اقبال سے پہلے پیش کر چکے تھے۔ (زندہ رود۔ صفحہ 491)

تیس دسمبر 1929 کو خلافت کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لاہور میں نواب ذولفقار علی خاں نے تقریر کرتے ہوئے کہا: ''ہندوستان کی آزادی اور ترقی کا انحصار اس بات پر ہے کہ مسلمانوں کو شمالی ہند میں ایسا علاقہ دے دیا جائے جو دو یا تین صوبوں پر مشتمل ہو یا انہیں مدغم کر کے ایک صوبہ بنا دیا جائے۔ اسی طرح مشرقی ہند میں بنگال کی ایسی ہی تقسیم کر دی جائے"۔ (زندہ رود صفحہ 402)۔

نواب ذوالفقار علی کے اس بیان سے تقریباً 5 سال قبل ہندوستان کی مذہبی بنیادوں پر تقسیم کا نظریہ لالہ لاجپت رائے نے 1924 میں پیش کیا۔ گانگرسی اور آریہ سماجی لیڈر لالہ لاجپت رائے نے لاہور کے ایک اخبار ٹریبیون میں 1924 میں ایک آرٹیکل لکھا۔ جس کا عنوان تھا:

The Hindu-Muslim problem(part IISome suggestions for_political improvements

“Maulana Hasrat Mohani has recently said that the Muslims will never agree to Indias having Dominion status under the separate Muslim states in India, united with Hindu states under a National Federal Government. He is also in favour of smaller states containing compact Hindu and Muslim population. If communal representation with separate electorate is to be rule, then Maulana Hasrat’s scheme as to smaller provinces seems to be the only workable proposition. Under my scheme the Muslims will have four Muslim states: 1.The Pathan province or NWF_,Western Punjab, 2.Sindh and Eastern Bengal. If there are compact Muslim communities in any other part of India, sufficiently large to form a province, they should be similarly constituted. But it should be distinctly understood that this is not a united India. It means a clear partition of India into a Muslim India and a non-Muslim India”.

"پاکستان کی سیاسی تحریک" کے مصنف زاہد چوہدری لکھتے ہیں کہ یہ حقیقت دلچسپی سے خالی نہیں کہ جو پاکستان 1947 میں وجود میں آیا وہ لالہ لاجپت کی سکیم کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تصور پاکستان کا ابتدائی خالق کوئی مسلمان مفکر نہ تھا۔ بلکہ پنجاب کا ایک آریہ سماجی لیڈر تھا۔ جس کے سینے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور عداوت کا بے پناہ جذبہ موجزن تھا۔۔ (صفحہ 143)۔

زاہد چوہدری مزید لکھتے ہیں" اقبال نے ہندوستانی وفاق کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک خودمختار وفاقی مسلم ریاست یا ریاستوں کا تصور پیش کیا تھا اس کا اس تصور سے کوئی تعلق نہیں جس کی بنیاد پر 14 اگست 1947 کو پاکستان وجود میں آیا تھا۔ علامہ اقبال کے خطبہ کے کسی حصہ سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے ذہن میں کلی طور پر ایک آزاد اور خودمختار یعنی سوورن اور انڈی پنڈنٹ، اسلامی مملکت کے قیام کا تصور تھا"۔ (صفحہ۔ 181)

زاہد چوہدری لکھتے ہیں کہ یہ کہنا کہ اسلامی مملکت پاکستان کا تصور دراصل پہلی مرتبہ علامہ کے اس تاریخی خطبہ میں پیش کیا گیا تھا، تاریخ کو مسخ کرنے کی

اس سے بدتر مثال شاید ہی کہیں اور ملے۔(صفحہ۔174)

ڈاکٹر جاوید اقبال، زندہ رود، میں لکھتے ہیں کہ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے بعض لیڈر خود ہی اقبال کو مسلم ریاست کے تصور سے الگ تھلگ رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں اس کی مثال مسلم لیگ یا تحریک پاکستان کے ایک نامور لیڈر اور قائداعظم کے دست راست ایم۔اے۔ایچ۔ اصفہانی کی تحریر کے حوالے سے پیش کی جاسکتی ہے۔ اصفہانی لکھتے ہیں کہ اس بات سے بلا شبہ انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ڈاکٹر اقبال کی فکر، شاعری اور خطبات بھی اس سمت اشارہ کرتے تھے لیکن یہ کہنا کہ وہ مسلم ریاست کے تصور کے خالق تھے تاریخ کو مسخ کرنا ہے۔(صفحہ۔455)

جاوید اقبال کہتے ہیں کہ اصفہانی دراصل شریف الدین پیرزادہ، ڈاکٹر اشتیاق حسین اور تحریک پاکستان کے ایک نمایاں راہنما چودھری خلیق الزمان کی تحریروں سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔شریف الدین پیرزادہ کی تحقیق کے مطابق اقبال سے قبل کئی انگریز، مسلم اور ہندو مفکر، مسلم ہندو تنازعہ کے حل کے لیے خود مختار ریاستوں کے قیام کی بنیاد پر ہندوستان کی تقسیم کی بات کر چکے تھے۔ اس کے مطابق 1917 میں ڈاکٹر عبد الجبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری نے سٹاک ہوم کی سوشلسٹ انٹرنیشنل کانفرنس میں ایک تحریری بیان میں کہا تھا کہ ہندوستان کے ہر صوبے کو خودمختاری کا حق دیا جانا چاہیئے۔ تاکہ مسلم اور ہندو اکثریتی صوبے علیحدہ علیحدہ وفاق قائم کر سکیں۔ 1924 میں مولانا حسرت موہانی نے تجویز پیش کی کہ شمال مغرب کے مسلم اکثریتی صوبوں کو مدغم کر کے ایک صوبہ بنادیا جائے اور اسے ہندوستان کے وفاقی نظام میں ایک وحدت کی پوزیشن حاصل ہو۔(صفحہ۔452)

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اپنی تصنیف ''پاکستان کی جدوجہد'' میں لکھتے ہیں کہ اقبال سے پیشتر برصغیر میں مسلم ریاست کا تصور پیش کرنے والوں میں جمال الدین افغانی، چوہدری رحمت علی، ڈاکٹر جبار خیری، پروفیسر ستار خیری، عبدالقادر بلگرامی، لووٹ فریزر، ساور کر، لالہ لاجپت رائے، سردار گل خان، مولانا محمد علی اور آغا خان کے نام شامل ہیں۔ (زندہ رود۔453) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، شریف الدین پیرزادہ اور چوہدری خلیق الزمان کی اس تحقیق کے جواب میں ڈاکٹر جاوید اقبال صرف اتنا کہہ سکے کہ اقبال نے مسلم ریاست کی تجویز پیش کرنے سے قبل اس کے لیے ایک فکری اور نظریاتی اساس فراہم کی اور پھر جب تک ان کی زندگی نے وفا کی اسے وجود میں لانے کے لیے عملی جدوجہد کرتے رہے۔لیکن باقی شخصیات نے اس سلسلے میں کون سی ایسی خدمات انجام دیں۔(صفحہ۔45) مگر تاریخی حقائق ڈاکٹر جاوید اقبال کے اس دعوی کی مکمل نفی کرتے ہیں۔ کیونکہ اقبال کی زندگی میں چوہدری رحمت علی کی پاکستان موومنٹ کے علاوہ کسی تحریک پاکستان کا وجود نہ تھا جس کے لیے اقبال جدوجہد کرتے رہے بلکہ وہ اعلانیہ چوہدری رحمت علی کی پاکستان موومنٹ کے مخالف رہے ہیں۔اور دوسری جانب جناح کی قیادت میں مسلم لیگ متحدہ ہندوستان کے اندر رہتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑ رہی تھی۔جس کا دستاویزی ثبوت قائداعظم کے چودہ نکات اور بعد ازاں 1937 کے الیکشن کے لیے مسلم لیگ کا انتخابی منشور ہے۔جس میں میثاق لکھنو کی روشنی میں مسلم ہندو اتحاد کو اجاگر کرنے کی بات کی گئی تھی۔

قائداعظم 1934 کو انگلستان سے واپس انڈیا لوٹ آئے اور مسلم لیگ کی قیادت انہیں ایک بار پھر سونپ دی گئی۔1935 کے انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے بعد 1937 میں صوبائی انتخابات ہونے قرار پائے۔ برٹش انڈیا میں 1937 کے صوبائی انتخابات اور ان کے نتیجہ میں پیدا شدہ صورت حال نے آیندہ آنے والے حالات کا رخ متعین کرنا شروع کر دیا تھا۔

عاشق بٹالوی لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ جب سے مسٹر جناح انگلستان سے واپس آئے تھے ان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہی تھی کہ 1916 کے میثاق لکھنو کی طرح کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان کوئی پائیدار مفاہمت ہو جائے تاکہ ہندو اور مسلمان مل کر آزادی وطن کی تحریک میں حصہ لے سکیں۔

اس کے ثبوت میں بٹالوی قائد کی ڈھاکہ میں 8 جنوری 1937 کو کی گئی تقریر کا حوالہ دیتے ہیں۔جس میں قائد نے کہا۔''جداگانہ انتخاب کے باوجود اوران مشکلات کے باوجود جن کا آج ملک کوسامنا کرنا پڑ رہا ہے، ہندواور مسلمان متحد ہو کر ایک پارٹی بنا سکتے ہیں۔بشرطیکہ ہم ایک ایسی مشترکہ پالیسی اور پروگرام وضع کر سکیں جس پر ہندواور مسلمان اسمبلیوں کے اندر اور باہر عمل پیرا ہو سکیں''۔

عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔''پنجاب مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی بورڈ نے جو مینی فیسٹو شائع کیا اس کا پروگرام بھی کم وبیش انہی خطوط پر مرتب کیا گیا تھا''۔یاد رہے کہ اقبال اس وقت پنجاب مسلم لیگ کے صدر تھے اور پنجاب لیگ کا الیکشن منشور علامہ اقبال کی براہ راست نگرانی میں مرتب کیا گیا تھا۔

یہاں یہ تذکرہ کرنا اہم ہوگا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا الیکشن منشور، لیگ کی آئندہ پالیسی اور سرگرمیوں کا سنگ بنیاد تھا۔مسلم لیگ نے 1937 کے الیکشن کے لیے میثاق لکھنو کے تحت ہندو مسلم مفاہمت، ہندوستان میں مسلم اکثریتی اور اقلیتی صوبوں میں مسلم عوام کے سیاسی، قانونی، معاشی اور ثقافتی مسائل کو مدنظر رکھ کر اپنا لائحہ عمل مرتب کیا جس کا اظہار مسلم لیگ کے الیکشن منشور اور اس دوران جناح کی تقاریر میں نظر آتا ہے۔مسلم لیگ اور جناح متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کا منشور لے کر میدان میں آئے تھے۔اس الیکشن میں پاکستان کے نام کا ذکر یا ہندوستان سے علیحدہ ہو کر کسی الگ ملک کا تصور، مطالبہ یا اس کا کسی طرز یا سطح پر اظہار نظر نہیں آتا۔

ان انتخابات میں کانگرس کی غیر متوقع کامیابی نے آئندہ آنے والے حالات کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔مسلم لیگ ان انتخابات میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکی۔مگر جناح یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے کیونکہ لیگ ہی مسلمانوں کی واحد جماعت تھی جس نے مسلم نشستوں پر تقریباً پورے ملک میں اپنے نمائندے کھڑے کئے تھے۔کانگرس قیادت کی رعونت اور غیر مفاہمتی پالیسی نے ہندوستان کی سیاست کو ایک نئے رخ پہ ڈال دیا جس سے نہ صرف مسلم لیگ اور کانگرس کی قیادت میں فاصلے بڑھنے شروع ہو گئے بلکہ ہندو اور مسلم عوام میں اختلافات کی خلیج وسیع ہونے لگی۔کانگرس کے صوبوں اور ملک میں بلا شرکت غیرے حکومت کرنے کے جنون اور مسلم لیگ کے بارے میں معاندانہ پالیسی کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی، عدم تحفظ اور غصے کی لہر دوڑنے لگی اور اپنے حقوق کے تحفظ کے متعلق خدشات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔الیکشن کے بعد قائداعظم مسلم لیگ کی خود مختار حیثیت برقرار رکھتے ہوئے کانگرس کے ساتھ صوبائی وزارتوں میں مسلم لیگ کی شمولیت چاہتے تھے۔مگر کانگرس کی قیادت مسلم لیگ کی آزادانہ پارلیمانی حیثیت تسلیم کرنے کی بجائے اس کو ختم کر کے کانگرس میں ضم کرنے کی شرط پر حکومت میں شامل کرنے کی پالیسی پر بضد تھی۔کانگرس کے اس طرز عمل سے ہندوستان کے حالات کس قدر خطرناک رخ پہ چل پڑیں گے، اس کا اندازہ شائد اس وقت کانگرس اور مسلم لیگ کی قیادت کو بھی نہ تھا۔انتخابات کے کچھ عرصہ بعد 21 اپریل 1938 کو علامہ اقبال انتقال کر گئے۔اقبال کے انتقال کے بعد مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر 1938 کو قائداعظم کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعے علامہ اقبال کو مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا۔" آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس سر محمد اقبال مرحوم کے اسلام کا ایک فلسفی، صوفی وقومی شاعر ہونے کی حیثیت سے ان کی خدمات کی تحسین کرتا ہے۔مسلمانوں کو انہوں نے یہ پیغام پہنچایا تھا کہ وہ اپنے ماضی کی روایات سے اپنے مستقبل کو بنائیں''۔یہاں پر اقبال کے کسی مسلم ریاست کے تصور کے خالق ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔

علامہ اقبال کی رحلت کے تقریبا دو سال بعد مسلم لیگ کا تاریخی اور یادگار اجلاس مارچ 1940 کو لاہور میں مزار اقبال سے چند قدم کے فاصلے پر منعقد ہوا۔جس میں تاریخی قرارداد لاہور منظور کی گئی جسے بعد ازاں قرارداد پاکستان کا نام دیا گیا۔اس قرارداد میں بھی آزاد پاکستان کا مطالبہ نہیں پیش

کیا گیا تھا مگر یہ قرارداد آگے چل کر تحریک پاکستان کا سنگ میل ثابت ہوئی۔ حیران کن بات ہے کہ اس قرارداد میں، قائداعظم یا کسی دوسرے لیگی لیڈر نے کسی تقریر یا تحریر میں اقبال یا ان کے اس خطبے کا اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا۔ نہ ہی اس اجلاس میں اقبال کے تصور پاکستان کا خالق ہونے کا اعتراف کیا گیا۔ یہ حقیقت بھی توجہ طلب ہے کہ قائداعظم اور مسلم لیگ کی قیادت نے چند قدم کے فاصلہ پر موجود مزار اقبال پر حاضر ہو کر تصور پاکستان پیش کرنے پر اقبال کا شکریہ ادا کرنے اور خراج عقیدت پیش کرنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ ایک اور اہم تاریخی حقیقت جو قابل غور ہے کہ علامہ اقبال کے 1930 کے خطاب کے بعد اور قیام پاکستان تک آل انڈیا مسلم لیگ کے کسی اجلاس یا قائداعظم کی کسی تنظیمی یا پبلک تقریر یا تحریر میں اقبال کے اس خطبے کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا اور نہ ہی اس خطبے کو تصور پاکستان کی بنیاد قرار دیا گیا۔ قائداعظم کی حیات میں ایسا کوئی دستاویزی ثبوت یا شہادت نہیں ملتی جس سے یہ اخذ کیا جا سکے کہ مسلم لیگ یا قائداعظم نے علامہ اقبال کے تصور پاکستان کا خالق ہونے کا اعتراف کیا ہو۔

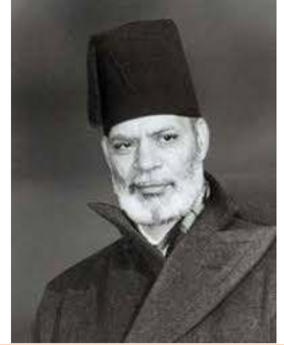
علامہ اقبال نے پاکستان کا خواب کب دیکھا اور یہ کہ وہ تصور پاکستان کے خالق تھے تاریخ کے صفحات اس کی شہادت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ تصور پاکستان یا پاکستان کے حوالے سے جو باتیں بغیر تاریخی ثبوت کے علامہ اقبال سے منسوب کی جاتی ہیں وہ علامہ اقبال کے ساتھ سراسر ناانصافی تو ہے ہی مگر تاریخ مسخ کرنے کی ایسی بھونڈی مثال شاید کہیں اور نظر نہ آئے۔ بظاہر نظر آتا ہے کہ پاکستانی ریاست نے کچھ دانشوروں کی ملی بھگت سے یہ سب کچھ قائداعظم کے انتقال کے بعد تخلیق کیا اور متعارف کرایا۔ اس وقت پاکستانی ریاست کے کرتا دھرتا افراد کو یہ نظریہ کیوں اپنانا پڑا اور انہیں اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی یہ ایک الگ موضوع بحث ہے۔

وقت کی آواز

(عطاء المجیب راشد)



حمدِ ربُّ العالمیں کرتے چلو
گیت اُس کے شکر کے گاتے چلو
مل گیا ہے تم کو وہ جانِ جہاں
جان و دل اُس پر فدا کرتے چلو
دوسری قدرت کا ہے زندہ نشاں
دیدہ و دل فرشِ رہ کرتے چلو
حق نے بخشا ہے امیر المومنین
اُس کے قدموں پر قدم رکھتے چلو
خوف کیا جب ساتھ ہے اُس کے خدا
ڈھال کے پیچھے رہو، بڑھتے چلو
وقت کی آواز ہے اُس کو ملی
مردِ فارس کی صدا سنتے چلو
ہر نصیحت اُس کی ہے درسِ حیات
بس سنو، لبّیک تم کہتے چلو
ہر جمعے ملتا ہے تم کو جامِ نو
خود پیو ، اوروں کو بھی دیتے چلو
ہاتھ میں لے کر عَلَم توحید کا
ہر طرف نکلو ، صدا دیتے چلو
مثلِ مقناطیس ہے اُس کا وجود
دوڑ کر اُس کی طرَف آتے چلو
ہر گھڑی دیتا ہے جو تم کو دُعا
رات دن تم بھی دُعا دیتے چلو



قراردادِ لاہور اور حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا میمورنڈم

حقائق کیا ہیں؟

مکرم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ملک کے اخبارات اور رسائل میں یا ٹی وی کے چینلز پر کسی موضوع پر بحث شروع ہوتی ہے۔ بحث شدید ہوتی ہے بلکہ ایک دوسرے پر الزامات لگانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ بحث بغیر کسی نتیجہ پر پہنچے ختم ہو جاتی ہے اور جب ہم اس ساری بحث کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع کے بارے میں کسی نے بنیادی حقائق بھی بیان نہیں کیے تھے۔ گویا حقائق کی جگہ جذبات لے لیتے ہیں اور سلجھے انداز میں کسی موضوع کے بارے میں تبادلہ خیالات سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ نہیں ہوتے۔

کچھ عرصہ قبل 23 مارچ 1940ء کو منظور ہونے والی قرارداد کے حوالے سے ایسی ہی بحث شروع ہوگئی بلکہ اب تک جاری ہے۔ مختلف اخبارات میں معزز کالم نگاروں اور محققین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ساری بحث کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ کیا اس قرارداد کی تیاری میں پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کوئی کردار ادا کیا تھا؟ اگر کیا تھا تو اس کردار کی نوعیت کیا تھی؟

اس سلسلہ میں سب سے پہلا مضمون مکرم ڈاکٹر نعمان احمد صاحب کا تھا۔ یہ مضمون 23 مارچ 2017 کے ڈان میں شائع ہوا۔ اس کے ابتدائی جملوں میں انہوں نے تحریر فرمایا

"Sir Zafrullah Khan , a well known figure from Pakistan's history is credited to have drafted the Lahore resolution adopted in March 1940. The text highlights the constitution of Muslim states that shall be independent and sovereign."

ترجمہ: مارچ 1940ء کی قراردادِ لاہور کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ معروف شخصیت سر ظفر اللہ نے اسے تحریر کیا تھا۔ اس کا متن اس بات پر زور دیتا ہے کہ ایسی مسلمان ریاستیں وجود میں آئیں گی جو کہ آزاد اور خود مختار ہوں گی۔

اس کے بعد تمام مضمون اس موضوع پر ہے کہ قائداعظم کی پالیسی کے مطابق پاکستان کو اپنی پالیسیوں کے معاملہ میں مکمل طور پر آزاد اور کسی ملک کی مداخلت قبول نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد مکرم ڈاکٹر صفدر محمود صاحب کا ایک کالم 31 مارچ 2017ء کو روزنامہ جنگ میں شائع ہوا۔ اس کالم کا عنوان تھا ''یہ بدنیتی ہے یا تحقیق کا فقدان؟''۔ اس کالم کے آخر میں انہوں نے لکھا ''ایک انگریزی کالم نگار نے تو تحقیق کے فقدان کی حد کردی اور سر ظفر اللہ خان کو قراردادِ لاہور کا مصنف قرار دے دیا (ڈان 23 مارچ 2017ء ڈاکٹر عثمان احمد) لطف کی بات یہ ہے کہ خود سر ظفر اللہ خان نے اس بات کی وضاحت کی تھی کہ ان کا اس قرارداد سے کوئی تعلق نہیں۔ ڈان 21 دسمبر 1981ء"

خدا جانے یہ تحقیق کا فقدان تھا یا پھر کسی وجہ سے مکرم ڈاکٹر صفدر محمود صاحب اس تحریر کے لیے مناسب تیاری نہیں کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ 21 دسمبر 1981ء کے ڈان میں اس قسم کا کوئی بیان شائع نہیں ہوا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ مکرم صفدر محمود صاحب نے اپنی بات کو وزنی بنانے کے لیے اخبار کا

حوالہ تو درج کر دیا ہے لیکن انہوں نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی تحریر کی معین عبارت نہیں لکھی کہ چوہدری صاحب نے یہ کہاں لکھا تھا کہ ان کا اس قرارداد سے کوئی تعلق نہیں تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ مورخہ 25 دسمبر 1981ء کو روزنامہ ڈان میں ایک خبر شائع ہوئی تھی اور اس کے الفاظ یہ تھے:

"Chaudri Sir Muhammad Zafrullah Khan has denied having ever presented a formula of dividing the sub-continent to the then Viceroy of India ……"

ترجمہ: چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے اس بات کی تردید کی کہ انہوں نے کبھی برصغیر کی تقسیم کا فارمولا اس وقت کے وائسرائے کو پیش کیا تھا۔۔۔اس خبر میں لکھا تھا کہ یہ خبر ایک مقامی اخبار میں شائع ہوئی ہے اور اس اخبار کا نام تک نہیں لکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈان نے یہ خبر براہ راست حاصل نہیں کی تھی اور نہ ڈان نے اس بارے میں چوہدری صاحب سے کوئی براہِ راست رابطہ کیا تھا۔ اس بحث کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ خان عبدالولی خان صاحب نے لندن میں ایک میمورنڈم دریافت کیا تھا جو کہ قراردادِ لاہور کی منظوری سے کچھ عرصہ پہلے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے لکھا تھا۔ چوہدری صاحب اس وقت وائسرائے کی کابینہ میں شامل تھے اور وائسرائے نے اس میمورنڈم کی کاپی قائدِ اعظم کو بھی بھجوائی تھی۔ کچھ عرصہ بعد جب قراردادِ لاہور جسے اب قراردادِ پاکستان بھی کہا جاتا ہے منظور کی گئی تو اس میں پیش کردہ مطالبات چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے میمورنڈم میں پیش کی جانے والی تجاویز کے مطابق تھے۔ لیکن مکرم صفدر محمود صاحب نے جس بات کا ذکر نہیں کیا وہ یہ ہے کہ اس خبر میں درج دعوے کی تردید پاکستان ٹائمز میں شائع ہوئی تھی۔ چنانچہ جب اس موضوع پر بحث جاری رہی تو پاکستان ٹائمز نے اس میمورنڈم کی نقل حاصل کر کے شائع کی جو کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے قراردادِ لاہور سے قبل اس وقت کے وائسرائے کو لکھا تھا۔ اس میمورنڈم میں ہندوستان کی آزادی اور آئینی مستقبل کے بارے میں مختلف تجاویز کا تجزیہ کیا گیا تھا اور چوہدری صاحب نے ان کے بارے میں اپنی آراء درج کی تھیں۔ اس میمورنڈم میں ایک بات بار بار زور دے کر لکھی گئی تھی اور وہ یہ تھی کہ برصغیر ایک ملک نہیں ہے بلکہ ایک سے زاید ممالک کا مجموعہ ہے۔ جیسا کہ اس میمورنڈم میں لکھا ہے۔

"We have already stated that India is not one country but collection of countries and that the population of India does not consist of one nation but of at least two nations and the only real solution which is likely to bring peace to this distracted country is the acceptance of these facts as a reality."(Daily Pakistan Times: January 23 1982)

ترجمہ: ہم پہلے بھی یہ کہہ چکے ہیں کہ ہندوستان ایک ملک پر مشتمل نہیں ہے بلکہ یہ ایک سے زائد ممالک کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح اس کی آبادی ایک قوم پر نہیں بلکہ کم از کم دو اقوام پر مشتمل ہے۔ اور اس پریشان حال ملک میں امن کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ان حقائق کو تسلیم کر لیا جائے۔ یہ چند سطریں ہی 25 دسمبر 1981 کے روزنامہ ڈان میں شائع ہونے والی خبر کی تردید کر دیتی ہیں۔ لیکن جب ہم اس سے آگے اس میمورنڈم کو پڑھتے ہیں تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اس میمورنڈم میں لکھا ہے

"Briefly the separation scheme is that there should be a north eastern federation consisting of present provinces of Bengal and Assam and a north western federation consisting of the Punjab, Sindh , North-Western frontier province, Baluchistan and the Frontier tribal areas. The rest of India may constitute itself into one federation or into more federations than one, as it suits itself."

ترجمہ: علیحدگی کی سکیم کا خلاصہ یہ ہے کہ شمال مشرق میں ایک فیڈریشن قائم ہونی چاہیئے جو کہ آسام اور بنگال کے موجودہ صوبوں پر مشتمل ہو اور ایک

فیڈریشن شمال مغرب میں قائم ہو جو پنجاب، سندھ، شمال مغربی سرحدی صوبہ، بلوچستان اور سرحدی قبائلی علاقوں پر مشتمل ہو۔ باقی ہندوستان ایک یا ایک سے زاید فیڈریشن کی صورت میں قائم ہو۔"

یہ الفاظ بالکل واضح کر دیتے ہیں کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے میمورنڈم میں برصغیر کی تقسیم کی تجویز پیش کی گئی تھی اور اس کے کچھ ہفتوں کے بعد قرارداد لاہور میں بھی جو تجویز منظور کی گئی تھی اس میں بھی انہی خطوط پر برصغیر کی تقسیم کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ جس وقت یہ میمورنڈم لکھا گیا اس وقت قراردادِ لاہور منظور نہیں ہوئی تھی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تقسیم ہندوستان کے بارے میں رائے کیا ہو گی اس کے متعلق چوہدری صاحب نے لکھا

"We have no doubt that Muslim opinion throughout India would rally round this scheme and it is likely to prove the only satisfactory solution of this most troublesome question."

ترجمہ: ہمیں اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی رائے اس سکیم کے حق میں ہو گی اور بظاہر اس نہایت الجھے ہوئے مسئلہ کا واحد تسلی بخش حل یہی نظر آ رہا ہے۔

اس میمورنڈم میں تین تجاویز کا تجزیہ کیا گیا تھا۔ ایک تو کانگرس کی تجویز تھی کہ ہندوستان کو ایک ملک کی صورت میں آزاد ہونا چاہئیے۔ دوسرے چوہدری رحمت علی صاحب کی تجویز تھی جو کہ اس وقت پاکستان سکیم کہلاتی تھی۔ اس سکیم کے مطابق پورے ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو نقل مکانی کر کے مختلف علاقوں میں منتقل کر دینا چاہئیے تھا۔ اور اس کے نتیجہ میں دس بارہ ملکوں نے وجود میں آنا تھا۔ اور تیسری تجویز وہ تھی جس کے مطابق مسلم لیگ نے قراردادِ لاہور منظور کی تھی اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے اپنے اس میمورنڈم میں اسی تجویز کے حق میں رائے دی تھی اور یہ لکھا تھا کہ اس مسئلہ کا یہی ایک تسلی بخش حل ہے۔ اور سات سال بعد پاکستان اسی تجویز کے مطابق آزاد ہوا تھا۔

اب یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ اس میمورنڈم کو کس مقصد کے لیے لکھا گیا تھا؟ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اس وقت وائسرائے کی کابینہ میں تھے اور یہ میمورنڈم اس وقت کے وائسرائے لارڈ لنلتھگو کے نام لکھا گیا تھا۔ اور روزنامہ ڈان کی 23 جون 1982 کی اشاعت میں ہی لارڈ لنلتھگو کا وہ خط بھی شائع ہوا تھا جو انہوں نے اُس وقت کے وزیرِ ہند کو 12 مارچ 1940ء کو لکھا تھا۔ اس میں وائسرائے ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے کچھ روز قبل چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا میمورنڈم بھجوایا تھا۔ اور پھر وہ لکھتے ہیں کہ یہ ایک extremer point of view یعنی انتہائی نقطہ نظر ہے اور ابھی انہیں اس کی بعض تفصیلات کے بارے میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ البتہ اس میمورنڈم کی کاپیاں جناح (قائدِ اعظم) کو بھجوا دی گئی ہیں۔ پھر وہ لکھتے ہیں

" That, while he, Zafrullah, cannot of course admit its authorship. His document has been prepared for adaption by the Muslim League with a view it being given the fullest publicity. I cannot claim to absorb it fully, and I would prefer to suspend my comment until later."(Daily Pakistan Times: January 23 1982)

ترجمہ: یقیناً ظفر اللہ اس مسودے کو تحریر کرنے کا اعلان نہیں کر سکتے۔ یہ دستاویز انہوں نے اس لیے تیار کی ہے تا کہ اسے مسلم لیگ کے اجلاس میں منظور کیا جائے۔ اور اس کی ہر ممکن تشہیر کی جائے۔ میں ابھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے اسے پوری طرح سمجھ لیا ہے۔ اس لیے میں یہی پسند کروں گا کہ اس پر اپنا تبصرہ بعد میں پیش کروں۔

اور اس کے دو ہفتوں کے بعد انہی خطوط پر قرارداد لاہور کو مسلم لیگ کے اجلاس میں منظور کر لیا گیا اور یہ قرارداد اب قرارداد پاکستان کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ لارڈ لنلتھگو کا وزیرِ ہند کے نام یہ خط خفیہ تھا اور جب یہ منظر عام پر آیا اس وقت ان دونوں کو اس دنیا سے رخصت ہوئے کئی دہائیاں گذر چکی تھیں۔ اس لیے اس بات کی کوئی وجہ نہیں کہ اس خط کے مندرجات کو غلط سمجھا جائے۔ ہم نے اصل عبارت درج کر دی ہے تا کہ ہر شخص اپنی آزادانہ رائے قائم کر سکے۔ ان عبارتوں کا سرسری مطالعہ ہی اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا اس قرارداد سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یا چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے تقسیمِ ہند کی کوئی تجویز پیش نہیں کی تھی۔

جب بھی اس موضوع پر یہ بحث شروع ہوتی ہے تو یہ نکتہ ضرور اُٹھایا جاتا ہے کہ اصل میں تو یہ قرارداد مسلم لیگ کی ایک کمیٹی نے لکھی تھی اور سر سکندر حیات نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ قرارداد انہوں نے ڈرافٹ کی تھی اور مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے اس میں کئی تبدیلیاں کی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا اس قرارداد سے کوئی تعلق نہیں۔ مکرم صفدر محمود صاحب نے اپنے اس مضمون میں بھی یہی نکتہ اُٹھایا ہے۔ اس قسم کی بحث کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ نہ تو اس قسم کی قراردادیں اچانک وجود میں آتی ہیں اور نہ ہی ایک نیا ملک فقط ایک قرارداد سے دنیا کے نقشے پر نمودار ہوتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے ایک علیحدہ ملک کا مطالبہ ایک طویل سیاسی سفر کے بعد سامنے آنا شروع ہوا اور کئی تلخ تجربات کے نتیجہ میں اس مطالبہ نے مقبولیت حاصل کرنی شروع کی۔ اور جب ہندوستان کی آزادی کا وقت قریب آنا شروع ہوا تو اسے مسلم لیگ کی طرف سے باقاعدہ ایک معین مطالبہ کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اور یقیناً یہ قرارداد بھی تیاری کے ایک طویل مراحل سے گذری ہوگی اور اس کمیٹی کے علاوہ اور کئی احباب نے اس کی تیاری میں بڑے خلوص سے حصہ لیا ہوگا۔ جمہوری روایات پر چلنے والی سیاسی جماعتوں میں یہ کام اسی طرح طویل مشوروں کے بعد کیے جاتے ہیں۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اس وقت وائسرائے کی کابینہ میں تھے اور مسلم لیگ کے صدر رہ چکے تھے۔ چنانچہ کابینہ کے رکن کی حیثیت سے ان کا فرض تھا کہ وہ مسلم لیگ کا موقف موثر طریق پر حکومتی حلقوں تک پہنچائیں۔ اور چونکہ ان کا ایک طویل سیاسی اور قانونی تجربہ تھا تو اگر مسلم لیگ نے اپنے سابق صدر کے لکھے ہوئے میمورنڈم سے استفادہ کر لیا تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ اور یقیناً دیگر قائدین نے بھی اس کی تیاری میں بھرپور حصہ لیا ہوگا۔

ابھی مکرم صفدر محمود صاحب کا یہ کالم شائع ہی ہوا تھا کہ روزنامہ دنیا یکم اپریل 2017 میں مکرم ڈاکٹر مبارک علی صاحب کا ایک کالم "در جواب آں غزل"۔ شائع ہوا۔ اس میں انہوں نے لکھا:

"۔۔انڈیا کے وائسرائے Lord Linlithgo نے یہ قرارداد چوہدری محمد ظفر اللہ سے لکھوائی جنہوں نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی، بعد میں یہ مسودہ قائداعظم اور برطانوی حکومت کی توثیق کے بعد 23 مارچ 1940 کو مسلم لیگ لاہور میں ہونے والے جلسہ عام میں پیش کیا گیا۔"

ان سطروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے میمورنڈم میں پیش کردہ تجاویز دراصل وائسرائے اور برطانوی حکومت کی خواہش اور مرضی کے مطابق تیار کی گئی تھیں اور ان کی آشیرباد سے یہ مطالبات پیش کیے گئے تھے۔ اس میمورنڈم کا سرسری مطالعہ ہی اس مفروضے کو غلط ثابت کر دیتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم حوالہ پیش کر چکے ہیں کہ یہ میمورنڈم لکھ کر قائداعظم، مسلم لیگ اور وزیر ہند کے پاس جا چکا تھا اور ابھی وائسرائے نے اس کو پوری طرح سمجھا بھی نہیں تھا۔ اور وہ خود یہ اعتراف کر رہے تھے کہ وہ اس پر ابھی کوئی تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ وائسرئے اسے ایک انتہائی نکتہ نظر قرار دے رہے تھے۔ اور اُس وقت خود وائسرائے نے وزیرِ ہند کو لکھا تھا

"I asked him yesterday to put me a little more in the picture.." (Daily Pakistan Times: January 23 1982)

ترجمہ: میں نے انہیں (یعنی چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو) کہا ہے کہ مجھے ذرا زیادہ اعتماد میں لیں۔ اس کے علاوہ اس میمورنڈم کے آغاز میں ہی

لکھا ہے کہ برطانوی سیاستدان ہندوستان کے حقائق کے بارے میں مکمل طور پر لاعلم ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ وائسرائے کے ایک بیان کے بعد مسلمانوں کے حالات اور زیادہ خراب ہو گئے ہیں۔ظاہر ہے کہ برطانوی حکومت خود اپنے پر تنقید کروانے کے لیے میمورنڈم نہیں لکھوا سکتی۔جب 1982 میں اس موضوع پر بحث شروع ہوئی تو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا ایک تفصیلی خط پاکستان ٹائمز میں شائع ہوا تھا۔اس میں آپ نے وائسرائے کے خط اور اپنے میمورنڈم کے بارے میں لکھا تھا

"A perusal of this letter and a careful perusal of note itself would put it beyond doubt that it was prepared at my own personal initiative and I only was responsible for every part of its contents. Lord Linlithgo had nothing whatever to do with it."(Pakistan Times 13 Feb 1982)

ترجمہ:اس خط کا مطالعہ اور اس نوٹ کا بغور مطالعہ اس بات میں کسی شک کی گنجائش نہیں چھوڑتا کہ اسے میں نے خود اپنے طور پر تحریر کیا تھا اور میں خود ہی اس کے ہر حصہ کا ذمہ دار تھا۔لارڈ لنلتھگو کا اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

مورخہ 28 اپریل 2017 کے روزنامہ جنگ میں مکرم ڈاکٹر مبارک صاحب کا ایک کالم شائع ہوا ہے۔جس میں انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ مکرم پرویز پروازی صاحب کی کتاب Sir Zafrullah's contribution to the Freedom Movement کے صفحہ 110 پر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے یہ اعتراف کیا تھا کہ انہوں نے لارڈ لنلتھگو کے ایما پر یہ میمورنڈم شائع کیا تھا جس میں ہندوستان کی تقسیم کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس صفحہ پر اس قسم کی کوئی بات نہیں لکھی بلکہ اس کے صفحہ 109 پر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا یہ بیان درج ہے کہ یہ میمورنڈم انہوں نے خود لکھا تھا۔اور اس میں درج تجاویز کا لارڈ لنلتھگو سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

پاکستان ٹائمز میں شائع ہونے والے جس خط کا ہم نے حوالہ دیا ہے اسی خط میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے حوالوں سے ثابت کیا تھا کہ ان کے میمورنڈم میں ہندوستان کو ایک ملک کی صورت میں آزاد کرنے کی بجائے تقسیم کر کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں علیحدہ علیحدہ فیڈریشنز کی تجویز دی گئی تھی۔یہ خط پینتیس سال قبل شائع ہو چکا ہے۔ہر کوئی خود اس کو پڑھ کر حقیقت جان سکتا ہے۔ان حوالوں سے مکرم صفدر محمود صاحب اور مکرم ڈاکٹر مبارک صاحب دونوں کی بیان کردہ مذکورہ باتیں غلط ثابت ہو جاتی ہیں۔اگر متعلق حوالے من وعن شائع کر دیئے جاتے تو کسی غلط فہمی کی گنجائش نہ رہتی 16 اپریل 2017 کے روزنامہ جنگ میں پھر مکرم صفدر محمود صاحب نے اپنے کالم ''لاعلمی قابل معافی ہے لیکن بدنیتی نہیں۔'' میں روزنامہ ڈان کی اسی غلط خبر کا حوالہ پیش کیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان ٹائمز میں شائع ہونے والے میمورنڈم اور حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے خط سے اس خبر کی مکمل تردید ہو چکی تھی۔اور اپنے خط میں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے واضح لکھا تھا کہ انہوں نے ہندوستان کی تقسیم کی تجویز پیش کی تھی۔ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مکرم صفدر محمود صاحب یہ نامکمل حقائق پیش کر کے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

ہماری گذارش ہے کہ اس موضوع پر رائے دینے سے قبل ہے کہ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے تحریر کیے گئے میمورنڈم اور اس موضوع پر آپ کے لکھے گئے خط کو بغور پڑھ لیا جائے۔اور قرار دادِ لاہور کی تیاری میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کلیدی کردار ادا کیا تھا آپ کے میمورنڈم میں مسلم لیگ کے موقف کی بھرپور تائید کی گئی تھی تو اس میں بدحواس ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔اسے ایک تاریخی حقیقت کے طور پر قبول کر لینا چاہیئے۔



مشرقی بنگال سے گورداسپور تک،

1250 میل لمبے عجب سفر کی غضب کہانی

مراسلہ شاہین سانگلوی

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ امیر جماعتہائے احمدیہ بنگال نے بیسویں صدی کے اوائل میں برہمن بڑیہ مشرقی بنگال سے قادیان ضلع گورداسپور تک ایک طویل سفر کیا۔ برہمن بڑیہ، موجودہ بنگلہ دیش کا ایک آباد مقام ہے جو چٹاگانگ ڈویژن میں واقع ہے۔

اس سفر میں آپ نے مولانا شبلی نعمانی، مولوی عبداللہ ٹونکی، مولوی احمد رضا خان بریلوی، مولوی عبدالحق تفسیر حقانی، مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی ثناء اللہ امرتسری اور حکیم محمد حسین قریشی صاحبان سے ان کے گھروں پر حاضر ہو کر ملاقات کی اور سوال و جواب کی محافل برپا کیں۔

اس سفر کی خاص بات یہ ہے کہ یہ سفر حضرت مولانا سید محمد عبدالواحد صاحب امیر جماعت احمدیہ برہمن بڑیہ نے اپنے احمدی ہونے اور بیعت کرنے سے پہلے کیا۔ جب آپ جماعت کا لٹریچر پڑھ چکے تھے اور آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے شرح صدر ہو چکا تھا تو آپ بیعت کرنے سے پہلے ایک لمبے سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ برصغیر کے ممتاز علمائے کرام کے گھروں پر جا کر ان سے ملاقات کی اور جماعت احمدیہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نکتہ نظر ان کے سامنے پیش کیا۔ آپ خود برصغیر کے چوٹی کے عالم دین اور چوٹی کے علمائے کرام کے شاگرد تھے چنانچہ ان علمائے کرام سے بڑی دلچسپ محافل ہوئیں۔ اور ہر محفل کے بعد آپ کا یہ یقین اور راسخ ہوتا چلا گیا کہ جو انہوں نے بیعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارادہ کیا ہے بالکل درست ہے اور جماعت احمدیہ کے دلائل کا کسی بھی مولوی اور ملاؤں کے پاس سنجیدہ جواب نہیں ہے۔ چنانچہ آپ 1250 میل کا طویل سفر کرتے کرتے اور ایک ایک جید مولوی سے بحث و مباحثہ کرتے کرتے قادیان کی طرف بڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ قادیان پہنچ گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس وقت تک اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور منشاء سے قدرت ثانیہ کا ظہور ہو چکا تھا، چنانچہ آپ خلیفۃ المسیح الاوّل حضرت حکیم نورالدین رضی اللہ عنہ کے در دولت پر حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کر کے قافلہ مسیح موعود میں شامل ہو گئے۔

بنگال میں آپ کی تبلیغ سے ایک ہزار 1000 افراد کو سلسلہ حقہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ہماری یہ نہایت خوش نصیبی ہے کہ وفات سے کچھ عرصہ قبل آپ نے آپ کو پیغام احمدیت پہنچنے سے لے کر قبول احمدیت سے پہلے کے طول وطویل سفر تک کی مکمل تفصیل لکھ دی تھی جسے حکیم محمد عبداللطیف شاہد منشی فاضل تاجر کتب مین بازار گوال منڈی لاہور نے ''جذبات الحق'' کے نام سے دسمبر 1966 میں شائع فرما دیا۔ ہمارے خیال میں یہ ایک انتہائی قیمتی تحریر اور ازدیاد ایمان کرنے والی کتاب ہے چنانچہ ہمارے بھائی شاہین سانگلوی نے ادارہ قندیل کے لیے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کر کے افادہ عام کے لیے پیش کرنے کے لیے ارسال کیا ہے۔ پہلے حصے میں آپ تک پیغام پہنچنے کی اور ابتدائی مخالفت اور لوکل سطح پر ہونے والے مناظروں کی تفصیل شائع کریں گے جبکہ دوسرے حصے میں برصغیر کے 7 بڑے علماء سے ان کی فرودگاہوں پر ہونے والی ملاقات اور جماعت کے حوالے سے گفتگو کا دلچسپ احوال شائع کریں گے۔

وجہ تالیف

آپ اس کتاب کی وجہ تالیف بتاتے ہوئے فرماتے ہیں: ''چونکہ اکثر حضرات بہت دنوں سے خاکسار سے اپنے احمدی ہونے کی روئیداد قلم بند کرنے کے لیے اشتیاق ظاہر کرتے تھے لیکن خاکسار موانع چند در چند کی وجہ سے اس کی تکمیل نہ کر سکتا تھا اب چونکہ زندگی کا خاتمہ نظر آتا ہے معلوم نہیں کہ کب پیغام اجل آ جاوے۔ لہذا قلم بند کرتا ہوں تا کہ یادگار رہ جاوے اور طالبان حق کے لیے راہ بر ہو۔ جاننا چاہیئے کہ سابق میں خاکسار اپنے والد ماجد مرحوم و مغفور سے جو حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکہ معظّمہ قدس سرہ کے شاگرد تھے بیعت کر کے طریقہ محمدیہ میں جو حضرت سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہ کا طریقہ ہے منسلک تھا۔ اور حضرت سید احمد قدس سرہ تیرہویں صدی کے مجدد امت محمدیہ علی نبیھا الصلوٰۃ والتحیہ مانے جاتے تھے۔ لیکن جب تیرھویں صدی آخر ہونے لگی اور چودھویں صدی آنے لگی تب خاکسار کو چودھویں صدی کے مجدد جدید کا فکر دامنگیر ہوا اور اس بارے میں کچھ تجسس و تفحص بھی عمل میں لایا۔۔۔ پس ہر قوم اپنے اپنے مقتداء و معتقد یہ کی نسبت مجدد کا گمان کرنے لگے۔ چنانچہ غیر مقلدین جو اپنے کو اہل حدیث کہلاتے ہیں نواب صدیق حسن کی نسبت یہ گمان کرتے تھے اور بعض بعض مقلدین یعنی حنفی المذہب استادنا حضرت مولانا محمد عبد الحی لکھنوی کی نسبت بھی یہی گمان کرتے تھے۔۔۔ بعض سوات و بونیر کے اخوند صاحب کی نسبت یہ گمان کرتے تھے۔ اور بعض دیگر اشخاص کی نسبت۔ لیکن چونکہ کسی کو بھی متحقق طور پر یہ دعویٰ کرنے کی جرات نہیں ہوئی تھی اس لیے کوئی بات متقرر نہ تھی جس کے جی میں جو کچھ آتا کہتا تھا اسی طرح پر چونکہ امام مہدی آخر الزمان کے ظاہر ہونے کا بھی غالب مظنہ یہی چودھویں صدی کا آغاز تھا اور وہ وقت بھی سر پر آ چکا تھا۔۔۔ پس اس تقریب سے بہت چھوٹے اور نا قابل لوگ بھی امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں زمانہ کی دست برد سے نیست و نابود ہو گئے اور اسی سے لوگوں کی طبیعت میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جو امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں افواہی طور پر سننے میں آیا کہ پنجاب کے علاقہ گورداسپور میں ایک شخص نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن مجھے اس کی طرف چنداں توجہ دو وجہ سے نہ ہوئی۔ اول وجہ یہ کہ امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ چونکہ وہ خبر مجھ کو منکرین و مخالفین کے ذریعہ محض بری طرح سے پہنچی تھی۔ اس لیے اس خبر کی تحقیق کی طرف خاکسار کی توجہ مبذول نہ ہوئی۔ اسی زمانہ میں اتفاقاً منشی محمد دولت خان صاحب وکیل صاحب مرحوم کے لیے ایک ڈبیہ مفرّح عنبری کا منگانا پڑا۔ پس میں نے ایک پوسٹ کارڈ وکیل صاحب کی طرف سے لاہور جناب حکیم محمد حسین قریشی کے پاس لکھ دیا۔ حکیم صاحب نے مفرح عنبری کی تو ایک ڈبیہ بھیجی لیکن اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا رسالہ بھی جس کا نام تفسیر سورہ جمعہ تھا وکیل صاحب نے مفت بھیج دیا۔ وہ رسالہ حضرت خلیفۃ اول جناب مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ مرحوم و مغفور کا لکھا ہوا تھا۔ وکیل صاحب اس رسالے کو پڑھ کر چونکہ کچھ بھی نہ سمجھ سکے اس وجہ سے میرے پاس لے آئے اور کہنے لگے ذرا اسے دیکھئے تو سہی شائد وہاں لاہور میں کوئی نیا فرقہ نکلا ہے۔ ہم اس رسالے کو حکیم صاحب کے پاس واپس بھیج دیں گے۔ ہم کو اس بکھیڑے سے کچھ کام نہیں۔ میں نے کہا واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم اس کی حقیقت دریافت کریں گے اور رد لکھیں گے۔ پس وکیل صاحب وہ رسالہ مجھ کو دے کر چلے گئے۔ میں نے اول سے آخر تک اسے پڑھا۔ اس رسالے کے ٹائیٹل پیج پر لکھا ہوا تھا کہ اس رسالے کے مصنف کی علمیت کے قائل صرف ہندوستان ہی کے علماء نہیں ہیں بلکہ عرب و مصر و شام وغیرہا کے علماء بھی ہیں۔ آخرش میں نے وکیل صاحب کی طرف سے حکیم صاحب کو ایک پوسٹ کارڈ لکھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ جن امام کے آپ معتقد ہوئے ہیں ان کے کچھ حالات لکھیں اور ان کی کچھ کتب بھی ارسال کریں۔ حکیم صاحب نے حضرت صاحب کے کچھ حالات بھی مختصر طور پر لکھ بھیجے اور کتب بھی۔ ایک دن خاکسار حضرت صاحب کی ایک تحریر پڑھ رہا تھا کہ پڑھتے پڑھتے اچانک ایک چکا چوند سا آنکھوں میں معلوم ہوا۔ پس آنکھوں کو مل کر

پڑھنے لگا اور پھر ایسا ہی معلوم ہوا۔ اور پھر آنکھوں کو مل کر پڑھنے لگا اور پھر وہی حالت ہوئی۔ تب میں نے غور سے دیکھنا شروع کیا تب عبارتوں کے اندر سے روشنی سی معلوم ہوئی۔ میں نے دل میں کہا کہ اہل باطل کی تو بہت سی تحریریں میں نے دیکھی ہیں لیکن یہ کیفیت کسی میں نہیں پائی۔ یہ روشنی کیسی ہے؟ مزید کتب دیکھنے کی طلب ہوئی تو میں نے قادیان سے ازالہ اوہام، تحفہ گولڑویہ، نشان آسمانی، لیکچر لاہور، اور لیکچر سیالکوٹ وغیرہ مزید کتب منگوالیں۔ اور بہت ہی توجہ کے ساتھ ان کتابوں کو پڑھنے لگا۔ ان کتابوں کے بعد اور بھی کتب منگوائیں اور پڑھتا گیا آخر جوں جوں کتابیں پڑھتا تھا شوق بڑھتا جاتا تھا اور صداقت کی روشنی دل میں پیدا ہوتی جاتی تھی۔ اس کے بعد میں حضرت صاحب سے بلا واسطہ خط و کتابت کرنے لگا اور اپنے شبہات کے جوابات خود حضرت صاحب سے طلب کرنے لگا چنانچہ میرے بعض سوالات کے جوابات حضرت صاحب کی تصنیف براہین احمدیہ حصہ پنجم میں چھپے ہوئے موجود ہیں جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔

اس عرصہ میں مجھ پر کئی امور کھلے:

1) ایک یہ اس جماعت میں بڑے بڑے علماء بھی ہیں۔ 2) یہ کہ مدعی مہدویت خود بھی ایک بڑا عالم شخص ہے کہ اس کے سامنے دوسرا کوئی عالم کوئی چیز ہی نہیں۔ 3) تیسری حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس مدعی مہدویت نے یہ علم کسی نامی گرامی عالم سے حاصل نہیں کیا بلکہ اوائل عمر میں کچھ معمولی سی تعلیم ہوئی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ 4) چوتھا امر یہ کہ پنجاب و ہندوستان کے اکثر علماء اس کے اس قدر مخالف ہیں کہ جان تک لینے کو تیار ہیں۔

پھر مجھے خیال آیا کہ مخالف علماء کے خیالات کو بھی دیکھنا چاہیئے تا کہ معلوم ہو کہ منصفانہ احقاق حق و ابطال باطل کرتے ہیں یا متعصّبانہ کلام کرتے ہیں پس جب سنتا کہ کسی عالم معتبر نے کوئی کتاب یا رسالہ لکھ کر حضرت صاحب کی تردید کی ہے فوراً اس کو منگواتا اور بڑے غور سے اس کو پڑھ کر کیفیت حال دیکھتا بالآخر منکشف ہو گیا کہ مخالف علماء کو احقاق حق و تحقیق مطلب منظور نہیں بلکہ عوام الناس کو خوش کرنے کے لیے پرانی باتوں کی تائید حتی الامکان مد نظر رکھتے ہیں اور دلائل حقہ قویہ سے مدعی مہدویت کی باتوں کو نہیں پرکھتے اور خشیت اللہ سے بھی کچھ حظ نہیں رکھتے بلکہ دنیا طلبی اور دنیوی عزت و آبرو کی محبت اُن پر غالب ہے جیسا کہ گزشتہ زمانے میں تمام نبیوں کے ساتھ معاملہ ہوتا آیا ہے۔

جب حضرت مولانا عبدالواحد پر حق واضح ہو گیا تو آپ نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔ آپ نے قادیان جاتے ہوئے برصغیر کے حاضر دور کے تمام جید علماء سے انکی فرودگاہوں پر حاضر ہو کر حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود کے حوالے سے بحث و تمحیص کا پروگرام بنایا اور دو ساتھیوں کو ساتھ لے کر اپنے دیس برہمن بڑیہ مشرقی بنگال سے ایک عجیب اور طویل سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔

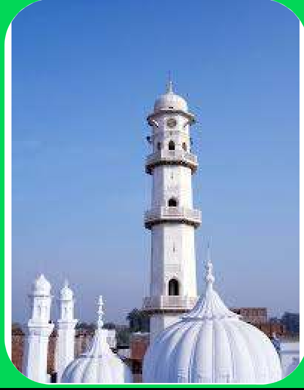
آپ نے سفر کا پہلا پڑاؤ مولانا شبلی نعمانی کے ہاں کیا اور پھر اس کے بعد آپ نے شہر شہر، قریہ قریہ گھومتے ہر مشہور مولوی کے در دولت کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ آپ مولوی عبداللہ ٹونکی، مولوی احمد رضا خان بریلوی، مولوی عبدالحق تفسیر حقانی، مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی ثناء اللہ امرتسری اور حکیم محمد حسین قریشی صاحبان جیسے مشہور علمائے کرام کے ہاں سے ہوتے ہوئے ایک ہزار دو سو پچاس کلومیٹر کا طویل سفر طے کرتے مسیح دوراں و مہدی آخر الزمان کی بستی قادیان کی بستی میں جا وارد ہوئے ۔

(آپ کے اس طویل سفر اور علماء کرام سے گفت و شنید کی تفصیل آئندہ شماروں میں پیش کی جائے گی)



فقیہان امت کثیف مذہبی مسائل اور انجنیئر محمد علی مرزا کے لیے قادیان سے ناصحانہ پیغام

تحریر۔ابن صدیق



وطن عزیز میں مسلمانوں کے بیسیوں فرقے ہیں تو سینکڑوں ان کی ذیلی برانچیں۔ ہزاروں مدرسے ہیں تو لاکھوں مدرسین۔ملینز مدرسوں کے متعلمین ہیں تو کروڑوں میں متبعین ۔مگر ان سب سے سوا ہے مسلم معاشرے کا دکھ،معاشرے کی پلیدگی اور جرائم کا بڑھتا ہوا ناسور۔ بقول جناب اظہار الحق صاحب ’’۔ہم جہاں بھی بیٹھتے ہیں ’’ہماری کارگزاری مجرمانہ ہے۔غفلت کی دلدل میں ہم سب گلے گلے تک دھنسے ہوئے ہیں۔ دکاندار ہیں یا استاد ’ٹرانسپورٹر ہیں یا دفتر کے افسر یا بابو‘والدین ہیں یا اولاد‘ پڑوسی ہیں یا محلے دار‘ آجر ہیں یا مزدور‘صنعت کار ہیں یا لیبر‘زمیندار ہیں یا کسان‘بینکر ہیں یا میونسپل کمیٹی کے عہدیدار‘ہم وہ کچھ نہیں کر رہے جو ہمیں کرنا چاہیئے۔ ہم اپنا اپنا فرض نہیں ادا کر رہے۔ ہم تنخواہیں حرام کر رہے ہیں۔ ہم معاوضوں کا حق نہیں ادا کر رہے ہیں۔

ہم منافع کما رہے ہیں۔مگر گاہک کو دھوکا دے کر۔ہم انڈسٹری چلا رہے ہیں مگر معیار سے نیچے گر کر۔ہم پڑھاتے ہیں مگر جذبے سے عاری ہو کر۔ہم طالب علم ہیں مگر طلب دلوں میں علم کی نہیں‘ہر اس شے کی ہے جس کا علم سے دور کا بھی تعلق نہیں۔آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے جہاں ہاتھ ڈالیں گے وہیں بچھو کاٹے گا۔قالین کو جس جگہ سے اٹھائیں گے‘نیچے کوڑا کرکٹ ملے گا۔‘‘(میرا گریبان مجھ سے کتنا دور ہے؟13/04/2019محمد اظہار الحق)

مگر ہمارے معاشرے کے ان سب کریہہ مناظر سے کچھ ہی دور،کچھ ہی فاصلے پر،سب سے جدا،سب سے ہٹ کر،ایک نئی ہی مستی میں مسرور ایک عالم دین صاحب بیٹھے نظر آ رہے ہیں،یعنی جہلم کے نوجوان عالم دین انجنیئر محمد علی مرزا صاحب،جو فرما رہے ہیں کہ پاکستان ہی میں نہیں سارے اسلامی ممالک میں، بلکہ سارے اسلامی ممالک میں ہی نہیں، اس Planet Earth پر بلکہ اس Planet Earth پر ہی نہیں بلکہ اس Universe میں یعنی کل عالم کائنات میں،وہ۔وہ واحد اسلامی سکالر ہیں جو اس وقت انقلاب آفرین کامیابیاں سمیٹ رہے ہیں اور صدیوں کے کام دنوں میں کرتے جا رہے ہیں۔

اپنی ممدوحہ انقلاب انگیز کامیابیوں کی لسٹ کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ ان کے یوٹیوب چینل کو millions میں نوجوان فالو کر رہے ہیں۔ انہوں نے بریلوی اور دیوبندی بابوں کو ننگا کر دیا ہے اور چشتی رسول اللہ یا اشرف علی رسول اللہ کے کفریہ کلمے سامنے لا کر بریلوی اور دیوبندی عوام کو اپنے بابوں سے متنفر کر دیا ہے اب وہ اپنے مولویوں سے سوال پوچھنا شروع ہو گئے ہیں۔مزید کامیابیاں گنواتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو ہم نے کوئی الگ سے مسجد نہیں بنائی،انہیں اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔کوئی چندہ بک نہیں بنائی ان فرقوں کو ہی چندہ دیتے ہیں۔ہم نے لوگوں کو رٹو ادیا ہے

"نہ میں بابی نہ میں وہابی۔میں ہوں مسلم علمی کتابی یا پھر مرنے سے پہلے اے مسلمان کر لے تو اس پہ غور بابوں کا خدا اور ہے اور کتابوں کا خدا اور۔"

ان مزعومہ کامیابیوں کے اعلان کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ انجنیئر صاحب ! اللہ تعالیٰ آپ کے علم میں، بصارت میں اور بصیرت میں مزید اضافہ فرمائے۔مزید خدمت دین کی توفیق کے ساتھ ساتھ ایمان کی دولت سے بہرہ مند فرمائے۔ہم آپ کی مندرجہ بالا کامیابیوں کے حاسد نہیں ہیں اور آپ کے دشمن بھی نہیں ہیں مگر آپ کے خیرخواہ ضرور ہیں اور دین ایک سچی نصیحت ہے کے فرمان کی اطاعت میں آپ کی راہ نمائی کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔

اشرف علی رسول اللہ یا چشتی رسول اللہ کا، آپ جو مذاق اڑاتے ہیں اگر اس سلسلے میں آپ حق پر بھی ہوں تو بھی اس سے اسلام کی کیا خدمت؟ سوائے اس کے کہ چند بچے یا چند لوگ ان کتب یا ان کتب کے مولفین کو جو پہلے ہی فوت ہو کر اپنے مولا کے حضور حاضر ہو چکے ہیں اور ان کا معاملہ اللہ کے حضور پیش ہو چکا ہے، کو برا بھلا کہنا شروع کر دیں یا ان سے نفرت کرنے لگ جائیں یا ان کتب کی اشاعت پر پابندی لگا دی جائے تو اس سے ان بچوں کی روحانیت میں کتنا اضافہ ہوگا؟ وہ کتنے فرمانبردار بیٹے یا خاوند یا بھائی بن جائیں گے؟ معاشرے سے کتنی کرپشن یا بے حیائی اور باغیانہ پن ختم ہو جائے گا؟ کتنے عیسائی، یہودی، بدھ اور مشرکین توحید کے قائل ہو جائیں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔سوچو ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو۔نفرت کے انڈے سے نفرت کے چوزے ہی نکلیں گے روحانیت کی جل پری نہیں۔

آپ اور آپ جیسے دیگر خود ساختہ واعظین اسلام اور فقیہان امت کے لیے جو اپنی مساعی کو اسلام کی لازوال خدمت سمجھتے ہیں۔جو اپنے آپ کو خدائی فوج دار قرار دیتے ہیں اور دنیائے اسلام کے تمام معاشی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی، تہذیبی اور تبلیغی مسائل کا حل اپنے کسی خطبے، کسی کتاب، کسی یوٹیوب چینل کے پروگرام یا کسی ریسرچ پیپر میں بتاتے ہیں۔ان تمام خود ساختہ مفکرین و فقیہان امت کو امام الزمان مہدی دوراں، مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام نے ازراہ شفقت بہت پہلے سے نصیحت کرتے ہوئے ایک Canon یا Road map Draw, کرتے ہوئے 20 نکاتی اشاریہ عطا فرمایا تھا کہ اگر تمہیں زعم ہے کہ آپ ہی واحد خادم اسلام ہو اور آپ کی موجودگی میں خدا تعالیٰ کو کسی فرستادہ کے بھجوانے کی ضرورت نہیں تو غور کرو اور اس سوال کا جواب تلاش کرو کہ:

” خدا تعالیٰ کے راستباز بندے دنیا میں اس لیے نہیں آتے کہ لوگوں کو تماشے دکھلائیں بلکہ اصل مطلب اُن کا جذب الی اللہ ہوتا ہے اور آخر کار وہ اسی قوت قدسیہ کی وجہ سے شناخت کئے جاتے ہیں۔وہ نور جو اُن کے اندر قوتِ جذب رکھتا ہے اگرچہ کوئی شخص امتحان کے طور سے اس کو دیکھ نہیں سکتا بلکہ ٹھوکر کھاتا ہے۔مگر وہ نور آپ ہی ایک ایسی جماعت کو اپنی طرف کھینچ کر جو کھینچے جانے کے لائق ہے اپنا خارق عادت اثر ظاہر کر دیتا ہے۔

(1) خدائے تعالیٰ کے خالص دوستوں کی یہ علامتیں ہیں کہ ایک خالص محبت ان کو عطا کی جاتی ہے جس کا اندازہ کرنا اس جہان کے لوگوں کا کام نہیں۔

(2) اُن کے دلوں پر ایک خوف بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دقائق اطاعت کی رعایت رکھتے ہیں ایسا نہ ہو کہ یارِ قدیم آزردہ ہو جائے۔

(3) ان کو خارق عادت استقامت دی جاتی ہے کہ اپنے وقت پر دیکھنے والوں کو حیران کر دیتی ہے۔

(4) جب اُن کو کوئی بہت ستاتا ہے اور باز نہیں آتا تو اُن کے لیے غضب اس ذات قوی کا جو اُن کا متولّی ہے یکدفعہ بھڑکتا ہے۔

(5) جب اُن سے کوئی بہت دوستی کرتا ہے اور سچی وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اُن کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس پر ایک خاص رحمت نازل کرتا ہے۔

(6) اُن کی دعائیں بہ نسبت اَوروں کے بہت زیادہ قبول ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ شمار نہیں کر سکتے کہ کس قدر قبول ہوئیں۔

(7) اُن پر اکثر اسرار غیب ظاہر کئے جاتے ہیں اور وہ باتیں جو ابھی ظہور میں نہیں آئیں اُن پر کھولی جاتی ہیں اگرچہ اَور مومنوں کو بھی سچی خوابیں

اور سچے مکاشفات معلوم ہوجاتے ہیں مگر یہ لوگ تمام دنیا سے نمبر اوّل پر ہوتے ہیں۔

(8) خدائے تعالیٰ خاص طور پر اُن کا متولّی ہوجاتا ہے اور جس طرح اپنے بچوں کی کوئی پرورش کرتا ہے اس سے بھی زیادہ نگاہِ رحمت اُن پر رکھتا ہے۔

(9) جب اُن پر کوئی بڑی مصیبت کا وقت آتا ہے تو اُس وقت دو طور میں سے ایک طور کا ان سے معاملہ ہوتا ہے یا خارق عادت طور پر اس مصیبت سے رہائی دی جاتی ہے اور یا ایک ایسا صبر جمیل عطا کیا جاتا ہے جس میں لذّت اور سرور اور ذوق ہو۔

(10) اُن کی اخلاقی حالت ایک ایسے اعلیٰ درجہ کی کی جاتی ہے جو تکبّر اور نخوت اور کمینگی اور خود پسندی اور ریاکاری اور حسد اور بُخل اور تنگدلی سب دور کی جاتی ہے اور انشراح صدر اور بشاشت عطا کی جاتی ہے۔

(11) اُن کی توکّل نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور اس کے ثمرات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

(12) اِن کو ان اعمال صالحہ کے بجالانے کی قوت دی جاتی ہے جو دوسرے اُن میں کمزور ہوتے ہیں۔

(13) اُن میں ہمدردی خلق اللہ کا مادہ بہت بڑھایا جاتا ہے اور بغیر توقع کسی اجر اور بغیر خیال کسی ثواب کے انتہائی درجہ کا جوش اُن میں خلق اللہ کی بھلائی کے لیے ہوتا ہے اور خود بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اس قدر جوش کس غرض سے ہے کیونکہ یہ امر فطرتی ہوتا ہے۔

(14) خدائے تعالیٰ کے ساتھ ان لوگوں کو نہایت کامل وفاداری کا تعلق ہوتا ہے اور ایک عجیب مستی جاں فشانی کی اُن کے اندر ہوتی ہے اور اُن کی روح کو خدائے تعالیٰ کی روح کے ساتھ وفاداری کا ایک راز ہوتا ہے جس کو کوئی بیان نہیں کرسکا۔اس لیے حضرت احدیت میں اُن کا ایک مرتبہ ہوتا ہے جس کو خلقت نہیں پہچانتی وہ چیز جو خاص طور پر اُن میں زیادہ ہے اور جو سرچشمہ تمام برکات کا ہے اور جس کی وجہ سے یہ ڈوبتے ہوئے پھر نکل آتے ہیں اور موت تک پہنچ کر پھر زندہ ہوجاتے ہیں اور ذلتیں اُٹھا کر پھر تاجِ عزت دکھا دیتے ہیں اور مہجور اور اکیلے ہوکر پھر ناگہاں ایک جماعت کے ساتھ نظر آتے ہیں وہ یہی راز وفاداری ہے جس کے رشتہ محکم کو نہ تلواریں قطع کرسکتی ہیں اور نہ دنیا کا کوئی بلوہ اور خوف اور مفسدہ اس کو ڈھیلا کرسکتا ہے۔ السّلام علیہم من اللہ وملآئکتہٖ ومن الصلحاء اجمعین۔

(15) پندرہویں علامت ان کی علم قرآن کریم ہے۔قرآن کریم کے معارف اور حقاق ولطائف جس قدر ان لوگوں کو دئے جاتے ہیں دوسرے لوگوں کو ہرگز نہیں دئے جاتے۔ یہ لوگ وہی مطہرون ہیں جن کے حق میں اللہ جلَّ شَانُہٗ فرماتا ہے لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ (الواقعۃ آیت 80)

(16) ان کی تقریر وتحریر میں اللہ جلَّ شَانُہٗ ایک تاثیر رکھ دیتا ہے جو علماء ظاہری کی تحریروں وتقریروں سے نرالی ہوتی ہے اور اس میں ایک ہیبت اور عظمت پائی جاتی ہے اور بشرطیکہ حجاب نہ ہو دلوں کو پکڑ لیتی ہے۔

(17) اُن میں ایک ہیبت بھی ہوتی ہے جو خدائے تعالیٰ کی ہیبت سے رنگین ہوتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ ایک خاص طور پر اُن کے ساتھ ہوتا ہے اور اُن کے چہروں پر عشق الٰہی کا ایک نور ہوتا ہے جو شخص اس کو دیکھ لے اُس پر نارِ جہنم حرام کی جاتی ہے۔اُن سے ذنب اور خطا بھی صادر ہوسکتا ہے مگر اُن کے دلوں میں ایک آگ ہوتی ہے جو ذنب اور خطا کو بھسم کردیتی ہے اور ان کی خطا ٹھہرنے والی چیز نہیں بلکہ اس چیز کی مانند ہے جو ایک تیز چلنے والے پانی میں بہتی ہوئی چلی جاتی ہے۔سو اُن کا نکتہ چین ہمیشہ ٹھوکر کھاتا ہے۔

(18) خدائے تعالیٰ اُن کو ضائع نہیں کرتا اور ذلّت اور خواری کی مار اُن پر نہیں مارتا کیونکہ وہ اس کے عزیز اور اس کے ہاتھ کے پودے ہیں،ان کو اس لیے بلندی سے نہیں گراتا کہ تا ہلاک کرے بلکہ اس لیے گراتا ہے کہ تا اُن کا خارق عادت طور پر بچ جانا دکھاوے،ان کو اس لیے آگ میں دھکا نہیں دیتا تا اُن کو جلا کر خاکستر کردیوے بلکہ اس لیے دھکا دیتا ہے تا لوگ دیکھ لیویں کہ پہلے تو آگ تھی مگر اب کیسا خوشنما گلزار ہے۔

(19) ان کو موت نہیں دیتا جب تک وہ کام پورا نہ ہو جائے جس کے لیے وہ بھیجے گئے ہیں اور جب تک پاک دلوں میں اُن کی قبولیت نہ پھیل جائے تب تک البتہ سفرِ آخرت ان کو پیش نہیں آتا۔

(20) اُن کے آثارِ خیر باقی رکھے جاتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کئی پشتوں تک اُن کی اولاد اور ان کے جانی دوستوں کی اولاد پر خاص طور پر نظرِ رحمت رکھتا ہے اور ان کا نام دنیا سے نہیں مٹاتا۔''

آثارِ اولیاء الرحمٰن کیا ہیں؟

''یہ آثارِ اولیاء الرحمن ہیں اور ہر یک قسم ان میں سے اپنے وقت پر جب ظاہر ہوتی ہے تو بھاری کرامت کی طرح جلوہ دکھاتی ہے۔ مگر اس کا ظاہر کرنا خدائے تعالیٰ کے ہی اختیار میں ہوتا ہے۔ اب یہ عاجز بحکم وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحٰی آیت 12) اس بات کے اظہار میں کچھ مضائقہ نہیں دیکھتا کہ خداوند کریم و رحیم نے محض فضل و کرم سے اِن تمام امور سے اس عاجز کو حصہ وافرہ دیا ہے اور اس ناکارہ کو خالی ہاتھ نہیں بھیجا اور نہ بغیر نشانوں کے مامور کیا، بلکہ یہ تمام نشان دیئے ہیں جو ظاہر ہو رہے ہیں اور ہوں گے اور خدائے تعالیٰ جب تک کھلے طور پر حجت قائم نہ کر لے تب تک ان نشانوں کو ظاہر کرتا جائے گا۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے کا کیا فائدہ ہوا؟

''اور یہ جو کہا کہ تمہارے وجود سے ہمیں کیا فائدہ؟ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ جو شخص مامور ہو کر آسمان سے آتا ہے اس کے وجود سے علیٰ حسب مراتب سب کو بلکہ تمام دنیا کو فائدہ ہوتا ہے اور درحقیقت وہ ایک روحانی آفتاب نکلتا ہے جس کی کم و بیش دُور دُور تک روشنی پہنچتی ہے۔ اور جیسی آفتاب کی مختلف تاثیریں حیوانات و نباتات و جمادات اور ہر یک قسم کے جسم پر پڑ رہی ہیں اور بہت کم لوگ ہیں جو اُن تاثیروں پر باستیفا علم رکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو مامور ہو کر آتا ہے تمام طبائع اور اطراف اکناف عالم پر اس کی تاثیریں پڑتی ہیں اور جب ہی سے کہ اس کا پُر رحمت تعیّن آسمان پر ظاہر ہوتا ہے آفتاب کی کرنوں کی طرح فرشتے آسمان سے نازل ہونے شروع ہوتے ہیں اور دنیا کے دُور دُور کناروں تک جو لوگ راستبازی کی استعداد رکھتے ہیں ان کو سچائی کی طرف قدم اٹھانے کی قوت دیتے ہیں اور پھر خود بخود نیک نہاد لوگوں کی طبیعتیں سچ کی طرف مائل ہوتی جاتی ہیں۔ سو یہ سب اس ربّانی آدمی کی صداقت کے نشان ہوتے ہیں۔ جس کے عہد ظہور میں آسمانی قوتیں تیز کی جاتی ہیں۔ سچی وحی کا خدائے تعالیٰ نے یہی نشان دیا ہے کہ جب وہ نازل ہوتی ہے تو ملائک بھی اس کے ساتھ ضرور اُترتے ہیں اور دُنیا دن بدن راستی کی طرف پلٹا کھاتی جاتی ہے۔ سو یہ عام علامت اُس مامور کی ہے جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور خاص علامتیں وہ ہیں جو ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔'' (ازالہ اوہام حصہ دوم روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 334 تا 339)

تاریخ کتنی بے رحم حقیقت کے ساتھ ہمارے سامنے کھڑی ہے کہ آج ہمارا معاشرہ چوری، ڈاکے، غبن، ملاوٹ، بے شرمی، بے حیائی، بد خلاقی اور جنسی بے راہ روی ہی نہیں مُردوں کے بیوپار سے لے کر مردوں کی جنسی بے حرمتی تک نیچے گر گیا ہے۔ جس ملک میں پیٹ کی بھوک مٹانے کو قبروں سے نکال کر مُردوں کا گوشت اور ہوس کی بھوک مٹانے کے لیے مُردوں کے شریر بھنبھوڑے جا رہے ہوں۔ جہاں چھ چھ سات سال کی معصوم بچیاں بے غیرتیوں سے محفوظ نہ ہوں، جہاں جان بچانے کی دوائیاں جعلی ہوں، جہاں دودھ، گوشت، دالیں، ہلدی، مرچیں، گھی حتیٰ کہ بچوں کی ٹافیوں تک میں حقوق العباد کا قتل ہو رہا ہو وہاں پر ایک مولوی صاحب اور ایک اسلامی مذہبی سکالر کا کردار کیا ہونا چاہئے تھا؟ چشتی رسول اللہ یا اشرف علی رسول اللہ کے خلاف استہزائیہ تقاریری محاذ جیسا یا اوپر بیان شدہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الرحمۃ کے بیان فرمودہ 20 نکاتی روڈ میپ جیسا؟ سوچیئے غور کیجئے!



مسئلہ فلسطین کا حل خلفائے احمدیت کے موقف اور ارشادات کی روشنی میں

شمس الدین مالاباری۔ کبابیر

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جب تقسیم فلسطین کا ظالمانہ فیصلہ ہوا تو اس سے پہلے وہ کونسی آواز تھی جس نے سارے عالم کو خبردار اور متنبہ کیا تھا اور جس سے عرب دنیا میں بھی اور عرب سے باہر بھی ایک تہلکہ مچ گیا تھا۔ یہ دردمندانہ انتباہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی آواز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو حضرت خاتم النبیین محمد عربی ﷺ کے مشن کی تکمیلِ اشاعت کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپؑ جس نبی عربی ﷺ کے خادمِ اکمل اور عاشق صادق بن کر آئے تھے اس سے نسبت رکھنے والی عرب قوم اور بلاد عربیہ کی ہدایت کے لیے آپؑ کے اندر غیر معمولی محبت اور ایک تڑپ تھی۔

1893ء میں آپؑ نے اپنی ایک عربی کتاب حمامة البشریٰ تصنیف فرمائی اور اس میں خدائی بشارت اور حکم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ’’وإن ربي قد بشّرني في العرب، وألهمَني أن أمونهم وأُريهم طريقهم وأُصلح لهم شؤونهم. وستجدوني في هذا الأمر إن شاء الله من الفائزين. ‘‘(حمامة البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 182) یعنی میرے رب نے عربوں کی نسبت مجھے بشارت دی اور الہام کیا ہے کہ میں ان کی خبر گیری کروں اور ٹھیک راہ بتادوں اور ان کے معاملات کو درست کروں، اور اس کام میں تم مجھے ان شاء اللہ کامیاب پاؤ گے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے بعد آپ علیہ السلام کے خلفائے کرام آپؑ کے نقش قدم پر آپؑ کی خواہش کی تکمیل میں مصالح عرب کے لیے انتہائی درجہ کی جد وجہد کرتے رہے اور آج حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے عہد سعید میں ہم ان امور کو بچشم خود مشاہدہ کرتے جا رہے ہیں۔

فلسطین کی اہمیت

بیت المقدس ہمارا قبلہ اوّل ہے۔ اس سرزمین میں لوگوں کی اصلاح کی خاطر بہت سے انبیاء بھیجے گئے، اس مبارک زمین پر وہ چلے، عبادات بجالائے، ان کی دعائیں سنی گئیں اور دینی مہمات میں اللہ تعالیٰ نے انہیں فائز المرامی عطا فرمائی۔ پھر خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم فرما کر مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے مقامات کو بلند فرمایا اور انبیاء بنی اسرائیل کو خاتم النبیینؐ کے تابع فرما کر بیت المقدس کو مکہ مدینہ کے تابع کر دیا گیا۔ بہرحال ارض فلسطین کا ایک مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ کے نام سے پکارا ہے۔

مسئلہ فلسطین کا پس منظر

مسئلہ فلسطین کو سمجھنے کے لیے اس کا مختصر پس منظر تاریخ احمدیت سے پیش کیا جاتا ہے۔

فلسطین کو یہودیت کا مرکز بنانے کی تحریک انیسویں صدی کے آخر (1897ء) میں شروع ہوئی اور ہرزل نے عالمی صیہونی انجمن کی بنیاد ڈالی۔ اور طے پایا کہ فلسطین میں یہودیوں کا ایک وطن بنایا جائے۔ صیہونی تحریک کے لیڈروں نے پہلے تو سلطان ترکی کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ یہودی وطن کے قیام کی اجازت دی جائے۔ مگر ترکی حکومت نے انکار کر دیا۔ 1903ء میں حکومت برطانیہ نے تجویز پیش کی کہ یہودی کینیا (افریقہ) کو اپنا وطن بنا لیں۔ لیکن یہودی رضامند نہ ہوئے۔ 1914ء میں جب پہلی عالمگیر جنگ چھڑی تو یہودیوں نے جرمنی اور برطانیہ دونوں سے جوڑ توڑ شروع

کردیئے۔ جنگ عظیم کے دوران حالات نے پلٹا کھایا۔ ترک جنگ میں اتحادیوں کے خلاف جرمنی کا ساتھ دے رہے تھے۔ ادھر برطانیہ کو عربوں کی (جو اس وقت ترکی حکومت سے مطمئن نہ تھے) ضرورت محسوس ہوئی۔ انگریزوں نے حسین شریف مکہ کو پیغام بھیجا کہ اگر فلسطین کے عربوں نے جنگ میں ان کا ساتھ دیا تو ترکوں کے عربی مقبوضات آزاد کردیئے جائیں گے۔ ان مقبوضات میں فلسطین بھی شامل تھا۔ عرب برطانیہ کی سازشوں کے نتیجہ میں اسے منظور کرلیا اور جنگ میں ترکوں کے خلاف برسرپیکار ہوگئے۔ چنانچہ عربوں کی مدد سے انگریز نے 1917ء میں ترکوں کو شکست دے کر یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ صیہونی تحریک کے لیڈر بھی خاموش نہیں بیٹھے تھے، فلسطین کو اپنا قومی گھر بنانے کی پرانی خواہش از سرنو تازہ ہوگئی۔ ادھر جنگ کے مصارف کی وجہ سے انگریزوں کو یہودی سرمایہ کی سخت ضرورت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی سال برطانوی وزیر امور خارجہ لارڈ بالفور اور یہودی لیڈر لارڈ روسچائیلڈ کے مابین ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کے ذریعہ طے پایا کہ یہودی جنگ میں برطانیہ کی مدد کریں۔ اس کے عوض میں برطانیہ اختتام جنگ پر فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنادے گا۔ یہ معاہدہ 1920ء یعنی اختتام جنگ کے ایک سال بعد تک خفیہ رکھا گیا۔ لہٰذ جنگ کے بعد ایک سال تک سکون قائم رہا اور عرب یقین کرتے رہے کہ عنقریب فلسطین ایک آزاد ملک ان کے سپرد کردیا جائے گا۔ لیکن 1920ء میں عربوں کو پہلی بار محسوس ہوا کہ برطانیہ کسی صورت میں بھی ان کو فلسطین کا اقتدار سونپنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ دوسری طرف اسی عرصے میں یہود بڑی تعداد میں فلسطین پہنچ گئے (یاد رہے کہ 1914ء میں فلسطینی یہودیوں کی آبادی صرف نوے ہزار تھی مگر 1918ء تا 1936ء کے دوران بیرونی ممالک سے یہاں آکر آباد ہونے والے یہودیوں کی تعداد قریباً دو لاکھ اسی ہزار رہی)۔ یہودی اعلانیہ طور پر فلسطین کو اپنا ملک بنانے پر مصر رہے۔ عربوں کی آنکھیں کھلیں اور فسادات کا دور شروع ہوا۔ پھر 1924ء، 1933ء اور 1936ء کے سالوں میں یہ فسادات شدت اختیار کرگئے بہت کچھ مالی وجانی نقصان ہوا۔ یہ اختلاف بڑھتا رہا۔ پندرہ سال کے کشت وخون کے بعد جب حالت قابو سے باہر نظر آنے لگی تو برطانیہ نے ایک شاہی کمیشن کے ذریعہ عرب اور یہودی دونوں کے ساتھ کی ہوئی وعدہ خلافی کا اعتراف کرکے فلسطین کو یہودی اور عربوں کے مابین تقسیم کرنے کی پیشکش کی کہ ملک کا بحری اور زرخیزی علاقہ یہودیوں کو اور فلسطین کا بیشتر حصہ جو عموماً ریتلا صحرا اور بنجر ہے عربوں کو دیا جائے نیز بیت المقدس کے علاقے میں انگریزی حکومت کی عملداری رہے۔ مگر عرب اور یہودی دونوں نے اس تجویز کی سخت مذمت کی۔ اور فلسطین میں فریقین کی طرف سے منظم فسادات اٹھ کھڑے ہوئے۔ عربوں کا نشانہ پہلے تو یہودی ہوا کرتے تھے مگر پھر انگریزی فوجوں پر یورش شروع کردی گئی۔ اس پر ملک میں مارشل لا نافذ کردیا گیا۔ حریت پسند عرب لیڈر گرفتار کیے گئے۔ مسئلہ مزید سخت ہوتا گیا۔ پھر یہودی عربی باہمی مفاہمت کے لیے حکومت برطانیہ نے ایک تجویز سوچی کہ لندن میں دونوں فریقین کی ایک مشترکہ کانفرنس منعقد کی جائے۔ چنانچہ فروری 1939ء میں یہ کانفرنس لندن میں منعقد ہوئی جس میں سعودی عرب، مصر اور عراق کے مندوبین نے شرکت کی۔ مگر یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 553 تا 556)

حضرت مصلح موعودؓ اور مسئلہ فلسطین

حضرت مصلح موعودؓ کی قیادت میں احمدیہ پریس اور سلسلہ کے مبلغین بلاد عربیہ وغربیہ کی تمام ہمدردیاں شروع سے ہی مسئلہ فلسطین کے بارے میں مسلمانان عالم کے ساتھ تھیں اور وہ یہودیوں کے ناپاک عزائم کو سخت نفرت وحقارت سے دیکھتے اور ان کی سازشوں کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے سخت خطرہ سمجھتے اور عرب مفادات اور مطالبات کی ترجمانی کا کوئی موقع فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔

1939ء میں عربی یہودی مشترکہ کانفرنس سے چند دن قبل عیدالاضحیٰ کی مناسبت سے 31رجنوری 1939ء کو جماعت احمدیہ کی طرف سے عید کی تقریب منعقد ہوئی، جس میں ہر قوم وملت کے بہت سے معززین اور سیاسی اشخاص جمع تھے۔

اس اہم جلسے کی رپورٹ لندن کے ایک با اثر ومقتدر اخبار ساؤتھ ویسٹرن سٹار نے اپنی 3رفروری 1939ء کی اشاعت میں یہ لکھی کہ ’’عیدالاضحیٰ کی تقریب پر جو عید قربان ہے مسجد احمدیہ لندن میں ایک جلسہ ہؤا۔ لیفٹنٹ کرنل سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کے سی ایس آئی کے سی آئی ای[Lieutenant KCSI KCIE,Colonel Sir Francis Edward Younghusband]صدر تھے۔ امام مسجد مولوی جلال الدین صاحب شمس نے قیامِ امن کی کوشش کے لیے وزیر اعظم برطانیہ کو خراج تحسین ادا کیا۔ اور مسئلہ فلسطین پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ نے کہا:......اپنی تعداد کے لحاظ سے یہودیوں کا عربوں سے بڑھ جانے اور اس طرح ان پر چھا جانے کا خیال عربوں کے لیے نہایت خوفناک ہے۔ اور وہ اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ جو ڈیلیگیٹ یہاں آئے ہوئے ہیں، ان کو اور حکومت کو چاہئے کہ اس مسئلہ پر اخلاص اور غیر جانبدارانہ رنگ میں غور کریں اور اس کا کوئی حل تلاش کریں۔ کیونکہ اگر آج اس کا کوئی حل نہ ملا تو پھر کبھی نہیں ملے گا۔‘‘(بحوالہ الفضل 4رمارچ 1939ء صفحہ 4)

امیر فیصل اور عرب نمائندگان کے نام حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام



فروری 1939ء میں برطانوی حکومت نے مسئلہ فلسطین کے حوالے سے عرب ممالک کے نمائندگان کی موجودگی میں جب ایک کانفرنس کا انعقاد کیا تو حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ امام مسجد فضل لندن نے اس اجتماع کو غنیمت سمجھتے ہوئے مکہ مکرمہ کے وائسرائے اور فلسطین، عراق اور یمن کے نمائندوں کے اعزاز میں ایک پارٹی دی جس میں شہزادہ امیر فیصل، شیخ ابراہیم سلیمان رئیس النیابۃ العامہ اور بلاد عربیہ کے بعض معروف قاضی صاحبان وغیرہ مندوبین کے علاوہ لندن کے اکابر اور ریٹائرڈ افسران، مختلف ممالک کے چھ سفراء، ممبران پارلیمنٹ، بڑے بڑے عہدیداران اور کئی معزز ہندوستانیوں سمیت دوسو کے قریب معزز افراد شامل تھے۔ اس تقریب میں امیر المومنین حضرت مصلح موعودؓ نے امیر فیصل اور دوسرے عرب نمائندگان کے نام بذریعہ تار برقی مندرجہ ذیل پیغام بھیجا۔ جو مولانا شمس صاحب نے عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں سنایا۔ ’’میری طرف سے ہزرائل نس امیر فیصل اور فلسطین کانفرنس کے ڈیلیگیٹوں کو خوش آمدید کہیں۔ اور ان کو بتادیں کہ جماعت احمدیہ کامل طور پر ان کے ساتھ ہے۔ اور دعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی عطا کرے۔ اور تمام عرب ممالک کو کامیابی کی راہ پر چلائے۔ اور ان کو مسلم ورلڈ کی لیڈر شپ عطا کرے۔ وہ لیڈر شپ جو ان کو اسلام کی پہلی صدیوں میں حاصل تھی۔‘‘(تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 556۔557)

مسئلہ فلسطین یکم دسمبر 1947ء کو ایک نئے مرحلہ میں داخل ہوا، جبکہ امریکہ اور روس دونوں کی متفقہ کوشش سے جنرل اسمبلی نے تقسیم فلسطین کا ظالمانہ فیصلہ کر دیا۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے تقسیم فلسطین کے پس منظر کو بے نقاب کرنے کے لیے دو معرکہ آراء مضامین لکھے جن میں سے ایک فیصلہ تقسیم سے قبل 28رنومبر کو شائع ہوا۔ اور دوسرا دس روز بعد 11ردسمبر کو۔ حضورؓ نے ان مضامین میں نہایت شرح وبسط سے بادلائل ثابت کیا کہ یہودیوں کی فلسطین میں آبادی روس، امریکہ اور برطانیہ تینوں کی پرانی سازش کا نتیجہ ہے۔ گو یہ طاقتیں اپنے سیاسی اغراض کے لیے ایک دوسرے کے خلاف برسرِپیکار نظر آتی ہیں مگر مسلم دشمنی کے مقصد میں سب مشترک ہیں۔ عربوں اور مسلمانوں سے کسی کو ہمدردی نہیں ہے۔ مسلمان صرف اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے اور اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس ضمن میں حضورؓ نے یہ بھی فرمایا کہ ’’فلسطین کا معاملہ اسلامی دنیا کے لیے ایک نہایت ہی اہم معاملہ ہے۔ ایک ہی وقت میں پاکستان، انڈونیشیا اور فلسطین کی مصیبتیں مسلمانوں کے لیے نہایت ہی تشویشناک صورت پیدا کر رہی ہیں۔ ہمیں ان سب مشکلات پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے کوئی ایسا راہ نکالنا ہے جو آئندہ اسلام کی تقویت کا موجب ہو اور ہمیں اس وقت اپنے ذہنوں کو دوسری چھوٹی سیاسی باتوں میں پھنسا کر مشوش نہیں کرنا چاہئے۔ فلسطین کا معاملہ ایک الٰہی تدبیر کا نتیجہ ہے اور قرآن کریم، احادیث اور بائبل میں ان تازہ پیدا ہونے والے

واقعات کی خبریں پہلے سے موجود ہیں۔‘‘(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 334، بحوالہ الفضل 11؍دسمبر 1947ء)

حضرت امام جماعت احمدیہؓ نے اس سلسلے میں اپنا دوسرا مضمون ’’الکفر ملة واحدة‘‘ کے عنوان سے تحریر فرمایا جس کا عربی ترجمہ عرب ممالک میں کثرت سے شائع کیا گیا جس کو عرب پریس نے بڑے اہتمام اور شکریہ سے شائع کیا۔ اس مضمون میں حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا: ’’...... فلسطین میں یہودیوں کو پھر بسایا جا رہا ہے۔ امریکہ اور روس جو ایک دوسرے کا گلا کاٹنے پر آمادہ ہو رہے ہیں اس مسئلہ میں ایک بستر کے دو ساتھی نظر آتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ کشمیر کے معاملہ میں بھی یہ دونوں متحد تھے...... آخر یہ اتحاد کیوں ہے؟ یہ دونوں دشمن مسلمانوں کے خلاف اکٹھے کیوں ہو جاتے ہیں؟ اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں مگر شاید ایک جواب جو ہمارے لیے خوشکن بھی ہے زیادہ صحیح ہو۔ یعنی دونوں ہی اسلام کی ترقی میں اپنے ارادوں کی پامالی دیکھتے ہوں...... کشمیر کا معاملہ پاکستان کے لیے نہایت اہم ہے لیکن فلسطین کا معاملہ سارے مسلمانوں کے لیے نہایت اہم ہے۔ کشمیر کی چوٹ بالواسطہ پڑتی ہے۔ فلسطین کی چوٹ بلاواسطہ پڑتی ہے۔ فلسطین ہمارے آقا اور مولیٰ کی آخری آرام گاہ کے قریب ہے جن کی زندگی میں بھی یہودی ہر قسم کے نیک سلوک کے باوجود بڑی بے شرمی اور بے حیائی سے ان کی ہر قسم کی مخالفتیں کرتے رہے تھے...... عرب اس حقیقت کو سمجھتا ہے۔ عرب جانتا ہے کہ اب یہودی عرب میں سے عربوں کو نکالنے کی فکر میں ہے اس لیے وہ اپنے جھگڑے اور اختلاف کو بھول کر متحدہ طور پر یہودیوں کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہو گیا ہے۔ مگر کیا عربوں میں یہ طاقت ہے؟ کیا یہ معاملہ صرف عرب سے تعلق رکھتا ہے...... سوال فلسطین کا نہیں سوال مدینہ کا ہے، سوال یروشلم کا نہیں سوال خود مکہ مکرمہ کا ہے، سوال زید اور بکر کا نہیں سوال محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت کا ہے۔ دشمن باوجود اپنی مخالفتوں کے اسلام کے مقابل پر اکٹھا ہو گیا ہے۔ کیا مسلمان باوجود ہزاروں اتحاد کی وجوہات کے اس موقعہ پر اکٹھا نہیں ہو گا؟...... میں نے متواتر مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ روس مسلمانوں کا شدید دشمن ہے لیکن مسلمانوں نے سمجھا نہیں...... حق یہی ہے کہ سب سے بڑا دشمن مسلمانوں کا روس ہے۔ امریکہ یہودیوں کے ووٹ کی خاطر بنا پر یہودیوں کی مدد کر رہا ہے۔ اور روس عرب ملکوں میں اپنا اڈہ جمانے کے لیے یہودیوں کی مدد کر رہا ہے۔ رویہ ایک ہے مگر بواعث مختلف ہیں اور یقیناً روس کے عمل کا محرک امریکہ کے عمل کے محرک سے زیادہ خطرناک ہے...... آج ریزولیوشنوں سے کام نہیں ہو سکتا۔ آج قربانیوں سے کام ہو گا۔ اگر پاکستان کے مسلمان واقعہ میں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اپنی حکومت کو توجہ دلائیں کہ ہماری جائیدادوں کا کم سے کم ایک فیصدی حصہ اس وقت لے لے۔ ایک فیصدی حصہ سے بھی پاکستان کم سے کم ایک ارب روپیہ اس غرض کے لیے جمع کر سکتا ہے اور ایک ارب روپیہ سے اسلام کی موجودہ مشکلات کا بہت کچھ حل ہو سکتا ہے۔ پاکستان کی قربانی کو دیکھ کر باقی اسلامی ممالک بھی قربانی کریں گے...... پس میں مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس نازک وقت کو سمجھیں اور یاد رکھیں کہ آج رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ الکفر ملة واحدہ لفظ بلفظ پورا ہو رہا ہے۔ یہودی اور عیسائی اور دہریہ مل کر اسلام کی شوکت کو مٹانے کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں...... آؤ ہم بھی سب مل کر ان کا مقابلہ کریں کیونکہ اس معاملہ میں ہم میں کوئی اختلاف نہیں۔ دوسرے اختلافوں کو ان امور میں سامنے لانا جن میں کہ اختلاف نہیں نہایت ہی بیوقوفی اور جہالت کی بات ہے...... اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ایک دفعہ پھر فلسطین میں آباد ہوں گے لیکن یہ نہیں کہا گیا کہ وہ ہمیشہ کے لیے آباد ہوں گے۔ فلسطین پر ہمیشہ کی حکومت تو عباد اللہ الصالحون کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ پس اگر ہم تقویٰ سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کی پہلی پیشگوئی اس رنگ میں پوری ہو سکتی ہے کہ یہود نے آزاد حکومت کا وہاں اعلان کر دیا ہے لیکن اگر ہم نے تقویٰ سے کام نہ لیا تو پھر وہ پیشگوئی لمبے وقت تک پوری ہوتی چلی جائے گی اور اسلام کے لیے ایک نہایت خطرناک دھکا ثابت ہو گی......‘‘

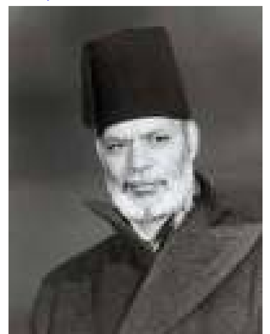
(الفضل 21؍مئی 1948ء)

مضمون ہذا کی کثرت سے اشاعت ہوئی۔ جماعت احمدیہ فلسطین کی طرف سے هيئة الأمم المتحدة (قرار تقسیم فلسطین) کے نام سے حضورؓ

کے مضمون کا عربی ترجمہ ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔سلسلہ ڈاک کے بند ہونے سے چند روز قبل بلاد عربیہ کی احمدی جماعتوں کے علاوہ سب عربی اخبارات کے ایڈیٹروں کو یہ مضمون ارسال کر دیا گیا۔فلسطین کے روزنامہ ''فلسطین'' نے اس پر عمدہ نوٹ لکھا۔سوڈان جیسے بعض اسلامی ممالک سے بھی اس مضمون کو اپنے اخباروں میں شائع کرنے کی اطلاع ملی۔الكفر ملة واحدة کا عربی ترجمہ شائع ہوا۔ اخبار اليوم، ألف باء، الكفاح، الفيحاء، الأخبار، القبس، النصر، اليقظة، صوت الأحرار، النهضة وغیرہ عربی اخبارات میں اس کا ذکر ہوا۔

حضرت مصلح موعودؓ کے مضمون کا اثر استعماری طاقتوں پر بہت زوردار تھا۔عراق کے ایک مشہور بزرگ صحافی الاستاذ علی الخیاط آفندی جن کا ایک مشہور ومعروف اور موقر اخبار الانباء کے نام سے نکلتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:''یہ غیر ملکی حکومتیں ہمیشہ کوشش کرتی ہیں کہ مسلمانوں میں مختلف نعرے لگوا کر منافرت پیدا کی جائے اور بعض فرقے احمدیوں کی تکفیر اور ان پر نکتہ چینی کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں...... مجھے اس امر کی پوری پوری اطلاع ہے کہ درحقیقت یہ سب کارروائی استعماری طاقتیں کروا رہی ہیں کیونکہ فلسطین کی گزشتہ جنگ کے ایام میں 1948ء میں استعماری طاقتوں نے خود مجھ کو اس معاملہ میں آلہ کار بنانے کی کوشش کی تھی......'' پھر آگے لکھتے ہیں: یہ ان دنوں کی بات ہے جب 1948ء میں ارض مقدسہ کا ایک حصہ کاٹ کر صیہونی حکومت کے سپرد کر دیا گیا تھا اور اسرائیلی سلطنت قائم ہوئی تھی اور میرا خیال ہے کہ مذکورہ بالا سفارت خانہ کا یہ اقدام درحقیقت ان دو ٹریکٹوں کا عملی جواب تھا جو تقسیم فلسطین کے موقع پر اسی سال جماعت احمدیہ نے شائع کئے تھے۔ایک ٹریکٹ کا عنوان هيئة الأمم المتحدة وقرار تقسيم فلسطين تھا جس میں مغربی استعماری طاقتوں اور صیہونیوں کی ان سازشوں کا انکشاف کیا گیا تھا جن میں فلسطینی بندرگاہوں کو یہودیوں کے سپرد کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔دوسرا ٹریکٹ الكفر ملة واحدة کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس میں مسلمانوں کو کامل اتحاد اور اتفاق رکھنے کی ترغیب دی گئی تھی...... یہ وہ واقعہ ہے جس کا مجھے ان دنوں ذاتی طور پر علم ہوا تھا اور مجھے پورا یقین ہے کہ جب تک احمدی لوگ مسلمانوں کی جماعت میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے...... جن سے استعماری طاقتوں کی پیدا کردہ حکومت اسرائیل کو ختم کرنے میں مدد ملے تب تک استعماری طاقتیں بعض لوگوں اور فرقوں کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گی کہ وہ احمدیوں کے خلاف اس قسم کی نفرت انگیزی اور نکتہ چینی کرتے رہیں تاکہ مسلمانوں میں اتحاد نہ ہو سکے۔''(اخبار الانباء(بغداد)21/ستمبر 1954ء)

مسئلہ فلسطین میں خادمِ خلافت حضرت سر چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی مساعی



اسلام احمدیت کے ایک فدائی مایہ ناز فرزند حضرت چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے اقوام متحدہ میں مسئلہ فلسطین کے متعلق ایسی پر شوکت تقریر کی کہ اخبار ''نوائے وقت'' نے اس اہم خبر کو درج ذیل عناوین سے شائع کیا:

☆...... ''سر ظفر اللہ کی تقریر سے اقوام متحدہ کی کمیٹی میں سکتے کا عالم طاری ہو گیا امریکہ روس اور برطانیہ کی زبانیں گنگ ہو گئیں''

☆...... ''فلسطین کے متعلق سر ظفر اللہ کی تقریر سے دھوم مچ گئی عرب لیڈروں کی طرف سے سر ظفر اللہ خان کو خراج تحسین''

(تفصیل اخبار نوائے وقت 12/اکتوبر 1947ء میں درج ہے)

پاکستان بنتے ہی اقوام متحدہ میں نمائندگی دلوانے اور دیگر زیر بحث معاملات میں پاکستان کی آواز بلند کرنے کے لیے پہلے پاکستانی وفد کی سربراہی کے لیے قائداعظم نے سر ظفر اللہ خان صاحبؓ کو مقرر فرمایا۔آپ کی اعلیٰ کارکردگی کے بارے میں امریکہ میں اس وقت کے پاکستانی سفیر حسن اصفہانی صاحب نے محمد علی جناح صاحب کے نام اپنے خط مورخہ 4/اکتوبر 1947ء میں لکھا۔ترجمہ:''اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد نے توقع سے بڑھ کر کارکردگی

دکھائی ہے۔فلسطین کے مسئلہ پر ظفر اللہ خان نے جو تقریر کی وہ اقوام متحدہ میں اس مسئلہ پر ہونے والی بہترین تقریروں میں سے ایک ہے......یہ کسی قسم کی تعلّی نہیں ہے کہ ہم نے واقعی عمدہ تاثر پیدا کیا ہے پاکستان نے اپنا آپ منوالیا ہے۔‘‘

(Quaid-I-Azam Mohammad Ali Jinnah Papers, Vol VI, 1st Oct – 31 Dec 1947. P 101)

(بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ 161)

اسی تعلق میں محمد علی جناح صاحب نے حسن اصفہانی صاحب کے نام اپنے خط مورخہ 11 ستمبر 1947ء میں لکھا:’’ظفر اللہ (نیویارک سے) واپس پہنچ گئے ہیں اور میری ان سے طویل گفتگو ہوئی ہے۔واقعی انہوں نے اپنا کام عمدگی سے انجام دیا ہے۔‘‘

(Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah Paper,Vol VI,(1 Oct-31Dec1947) P 403,Ministry of Culture, 2001)

(بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ 162)

حضرت چودھری صاحبؓ کے تاریخی خطاب نے اقوام عالم کے سامنے فلسطینی مسلمانوں کا مسئلہ حقیقی خدوخال کے ساتھ نمایاں کر دیا اور متعدد ممالک نے تقسیم فلسطین کے خلاف رائے دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن بعد میں انہوں نے دنیا کی بعض بڑی طاقتوں کی طرف سے دباؤ میں آکر اپنی رائے بدل لی۔ اس بارے میں اخبار نوائے وقت کا بیان ہے:’’......عین آخری وقت رائے شماری بلا وجہ (26/نومبر سے) 28/نومبر پر ملتوی کر دی گئی تاکہ دوسرے ممالک پر دباؤ ڈال کر فلسطین کے متعلق ان کا رویہ تبدیل کیا جا سکے......اکثر ایسے مندوبین نے جنہوں نے تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ ڈالے یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے نہایت مجبوری کے عالم میں تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ ڈالے اور اسی سپرٹ میں تقسیم فلسطین کا فیصلہ ہوا۔‘‘(نوائے وقت 11/دسمبر 1947ء)

غرض جماعت احمدیہ کی طرف سے دنیا بھر کے مسلمان ممالک کو تقسیم فلسطین کے خلاف منظم ہونے کی پر جوش تحریک کی گئی اور اس فتنہ کبریٰ کے خطرناک مقاصد سے آگاہ کر کے زبردست انتباہ کیا۔

لیکن افسوس صد افسوس! بیسویں صدی کے اکثر دینی وسیاسی مسلم زعماء یہودی فتنہ کی ہلاکت آفرینیوں کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر رہے بلکہ ان میں بعض بلند پایہ دانشوران قوم اور فقہائے زمان کا رویہ یہود کی نسبت مصالحانہ، ہمدردانہ بلکہ مشفقانہ رہا ہے جو ہر دردمند دل رکھنے والے مسلمان کے لیے از حد تشویش انگیز ہے۔

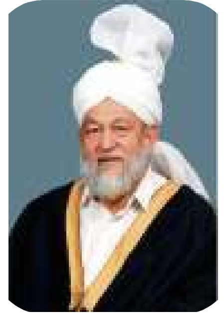
جس کی تفصیل سے فی الحال گریز کیا جارہا ہے۔صرف ایک مثال تحریر کرتا ہوں جو مولانا ابوالکلام آزاد کا قول ہے۔کہتے ہیں:

“…One can sympathize with the aspiration of the Jews for such a national home, as they are scattered all over the world and cannot in any region have any effective voice in the administration”.(India wins freedom, Page143)

یعنی جہاں تک یہودیوں کے قومی وطن کا مطالبہ ہے اس سے ہمدردی کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ ساری دنیا میں بکھرے ہوئے ہیں۔اور کسی علاقہ میں بھی وہاں کے نظم وانصرام پر کوئی اثر نہیں رکھتے۔

بالآخر 16/مئی 1948ء کو فلسطین میں حکومت اسرائیل منصۂ شہود پر آگئی۔امریکہ، برطانیہ اور روس کی باہمی سازش اور مشترکہ کوشش سے عالم اسلام کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیا گیا۔اور یہ خدا تعالیٰ کی تقدیر رہی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی کوششیں اور ارشادات



حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے منصب خلافت پر متمکن ہونے سے کئی سال پہلے بھی مسئلہ فلسطین کے بارے میں مضامین تحریر فرمائے۔ اس سلسلے میں آپ نے ایک کتاب ''ربوہ سے تل ابیب تک'' جماعت احمدیہ کے خلاف کیے گئے اعتراضات کے جواب میں لکھی۔ پھر عرصہ خلافت میں خطبات جمعہ، سوال و جواب کی مجالس اور مختلف علمی مجالس میں آپؒ نے فلسطین اور مسلمانوں کے لیے ہمدردی کا اظہار فرمایا اور بہترین اسلامی حل پیش فرمایا اور مسلمانوں کو فتنوں اور اختلافات سے نکل کر باہم متحد ہونے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ کشمیر و فلسطین کی تحریک آزادی اور جماعت احمدیہ کی عظیم الشان خدمات پر مبنی دو عظیم الشان خطبات جمعہ آپؒ نے مورخہ 8 اور 15 / مارچ 1985ء کو مسجد فضل لندن میں ارشاد فرمائے۔ ستم بالائے ستم کہہ کر آپؒ نے فلسطین کی محسن جماعت احمدیہ کے خلاف اٹھنے والے فتنہ کا ذکر فرمایا۔ نہایت مفتریانہ دو اعتراضات کا مدلل جواب دیا۔ چنانچہ ان اعتراضات میں سے ایک یہ تھا کہ نعوذ باللہ، حضرت سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے فلسطین کے مفاد کے خلاف تقریریں کیں۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اسرائیل میں احمدیوں کا مشن قائم ہے جو اسرائیل کے مفاد کے لیے ہے۔

چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں: ''اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جب تقسیم فلسطین کا ظالمانہ فیصلہ ہوا تو اس سے پہلے وہ کونسی آواز تھی جس نے سارے عالم کو خبردار اور متنبہ کیا تھا اور جس سے عرب دنیا میں بھی اور عرب سے باہر بھی ایک تہلکہ مچ گیا تھا۔ یہ دردمندانہ انتباہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی آواز تھی۔ آپ نے دل ہلا دینے والا ایک پمفلٹ لکھ کر کثرت سے شائع کیا جس میں مسلمانوں کو متنبہ کیا اور بتایا کہ تم اس گمان میں نہ رہو کہ آج مغرب تمہارا دشمن ہے تو مشرق تمہارا دوست ہوگا یا مشرق تمہارا دشمن ہے اور مغرب تمہارا دوست ہوگا......۔ یہ ایسا مدلل اور مؤثر مضمون تھا کہ اس نے مسلمانوں کو اس طرح جھنجھوڑ کر بیدار کیا کہ اس کی بازگشت مدتوں تک عرب دنیا میں سنائی دیتی رہی...... الغرض حضرت المصلح الموعودؓ کے دو ٹریکٹ شائع ہوئے اور ان کا اتنا حیرت انگیز اثر پڑا کہ بڑی بڑی استعماری طاقتیں کانپ گئیں اور سفارت خانوں کو ان کے مراکز سے ہدایتیں ملنے لگیں کہ اخباروں کو پیسے دو اور ان سے تعلقات قائم کرو جس طرح بھی ہو احمدیوں کے خلاف ایک تحریک چلاؤ۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 15 / مارچ 1985ء مطبوعہ، خطبات طاہر جلد 4 صفحہ 231و233)

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی ذات پر جو الزام لگایا گیا اس کی تردید کرتے ہوئے حضورؒ نے فرمایا: ''...... چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی خدمات کے بارہ میں عرب دنیا کے جو خیالات تھے نہ صرف اس وقت انہیں علم تھا بلکہ آج تک جبکہ احمدیت کی مخالفت زوروں پر ہے انہیں وہ خدمات یاد ہیں اور آج بھی بعض حق پرست ایسے ہیں جو ان خدمات کو تسلیم کرنے میں باک نہیں رکھتے۔ چنانچہ عربوں کی زبانی سنئے۔ عبد الحمید الکاتب رسالہ ''العربی'' ماہ جون 1983ء کے شمارہ میں ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ''محمد ظفر اللہ خان ہی وہ شخص ہے کہ جو فلسطین کے حق کے دفاع میں مردِ میدان ثابت ہوا۔ اس نے فلسطین کے بارے میں عربوں کے حقوق کے دفاع میں خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی قدرت علی الخطاب اور قانون و سیاست میں قابلیت کے ہر جوہر کو آزمایا۔ اس کے کلام کی نبض حقیقی اسلامی روح کے ساتھ چلتی تھی۔''

ان دنوں جبکہ مسئلہ فلسطین ابھی تازہ تھا اور چودھری ظفر اللہ خان صاحب اس عظیم جدوجہد میں مصروف تھے جو کہ ایک تاریخی حیثیت کی حامل تھی، عرب لیگ میں ایک بڑی مکروہ کوشش چودھری صاحب کو عالم اسلام سے باہر نکالنے اور ان کی خدمات سے عالم اسلام کو محروم کرنے کی ہوئی۔ شاہ فاروق جو استعماری طاقتوں کے ایجنٹ کے طور پر معروف ہیں اور جن کا بعد میں تختہ الٹ دیا گیا تھا، ان کے ایماء پر فلسطین کے مفتی نے چودھری ظفر اللہ خان

صاحب اور جماعت احمدیہ کے خلاف ایک بڑا سا فتوی دے دیا...... تا کہ عالم اسلام کی خدمات کرنے والا جو بطل جلیل ہے اس سے عالم اسلام محروم رہ جائے۔ چنانچہ جب یہ فتوی شائع ہوا اس وقت اگرچہ وہ دور گزر چکا تھا لیکن چونکہ چودھری صاحب کی خدمات کی یاد ابھی تازہ تھی اس لیے جنرل عبدالرحمن عزام پاشا جو عرب لیگ کے سیکرٹری تھے انہوں نے اس جریدہ کو جس میں وہ فتویٰ چھپا تھا مخاطب کر کے لکھا: ''میں حیران ہوں کہ آپ نے قادیانیوں یا چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان کے متعلق مفتی کی رائے کو ایک مؤثر مذہبی فتوی خیال کیا ہے۔''

پھر لکھتے ہیں: ''اگر یہ اصول مان لیا جائے تو پھر بنی نوع انسان کے عقائد، ان کی عزت و وقار اور ان کا سارا مستقبل محض چند علماء کے خیالات و آراء کے رحم وکرم پر آ رہے گا۔''

پھر آگے لکھتے ہیں: ''ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ظفر اللہ خان اپنے قول اور اپنے کردار کی رو سے مسلمان ہیں۔ روئے زمین کے تمام حصوں میں اسلام کی مدافعت کرنے میں آپ کامیاب رہے اور اسلام کی مدافعت میں جو موقف بھی اختیار کیا گیا اس کی کامیاب حمایت ہمیشہ آپ کا طرہ امتیاز رہا اس لیے آپ کی عزت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی اور مسلمانان عالم کے قلوب آپ کے لیے احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہو گئے۔'' (جریدۃ الاخبار القاھریۃ مورخہ 23/جون 1952ء)

کیا یہ مسلمانان عالم پاکستان میں نہیں بستے کیا انہیں علم نہیں ہے کہ ایک وقت تھا کہ عالم اسلام اور عالم اسلام کا بھی وہ حصہ جہاں سے اسلام کا نور پھوٹا تھا وہ بہانگ دہل یہ اعلان کر رہا تھا کہ مسلمانان عالم چودھری ظفر اللہ خان کی ان خادمانہ کوششوں کے ممنون احسان ہیں جو انہوں نے اسلام کی سربلندی اور مسلمانان عالم کے مفاد میں سرانجام دیں۔ پھر ایک اور اخبار ''المصری'' 26 جون 1952ء (بحوالہ: البشریٰ ستمبر 1952ء جلد 18 صفحہ 119) کی اشاعت میں ''اے کافر! خدا تیرے نام کی عزت بلند کرے'' کے زیر عنوان لکھتا ہے: ''مفتی نے ظفر اللہ کو کافر و بے دین قرار دیا ہے۔ آؤ سب مل کر چودھری محمد ظفر اللہ خان پر سلام بھیجیں۔ ظفر اللہ خان کافر کے کیا کہنے ان جیسے اور بڑے بڑے دسیوں کافروں کی ہمیں ضرورت ہے۔'' مصر ہی کے ایک اور اخبار ''الزمان'' اپنی اشاعت میں 25/جون 1952ء (بحوالہ البشریٰ ستمبر 1952ء جلد 18 صفحہ 125)

اخبار ''الیوم'' 26 جولائی 1952ء میں رقم طراز ہے: ''وہ شخص جو استعماریت کا بڑی قوت، بلاغت اور صدق بیانی سے مقابلہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ بھی جس کی زبان اور دل پر حق جاری کرتا ہے وہ بھی اگر کافر قرار دیا جا سکتا ہے تو نیک لوگوں کی اکثریت ایسے کافر بن جانے کی خواہش کرے گی۔'' (بحوالہ رسالہ البشریٰ جلد 18 شمارہ ستمبر 1952ء صفحہ 132) (منقول از خطبہ جمعہ 15/مارچ 1985ء)

ارض مقدسہ کا حقیقی وارث

اب چونکہ دجالی فتنہ کے وقت یاجوج ماجوج کی طاقت اور سیاسی اقدام کے زیر سایہ یہود کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق ارض مقدسہ میں آباد کر دیا ہے تو کیا یہ کوئی ابدی رہائش کا وعدہ ہے؟ ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء 106) اور یقیناً ہم نے زبور میں ذکر کے بعد یہ لکھ رکھا تھا کہ لازماً موعود زمین کو میرے صالح بندے ہی ورثہ میں پائیں گے۔

حضرت مسیح موعودؑ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''کیونکہ یہ آیت صاف صاف پکار رہی ہے کہ اسلامی خلافت دائمی ہے اس لیے کہ یَرِثُهَا کا لفظ دوام کو چاہتا ہے۔ وجہ یہ کہ اگر آخری نوبت فاسقوں کی ہو تو زمین کے وارث وہی قرار پائیں گے نہ کہ صالح اور سب کا وارث وہی ہوتا ہے جو سب کے بعد ہو۔'' (شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 354)

ایک اور جگہ آپؑ فرماتے ہیں: ''اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الارض سے مراد جو شام کی سرزمین ہے یہ صالحین کا ورثہ ہے اور جواب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے یَرِثُهَا فرمایا یَمْلِكُهَا نہیں فرمایا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وارث اس کے مسلمان ہی رہیں گے اور اگر یہ کسی اور کے قبضہ میں کسی وقت چلی بھی جاوے تو وہ قبضہ اس قسم کا ہوگا جیسے راہن اپنی چیز کا قبضہ مرتہن کو دے دیتا ہے یہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی کی عظمت ہے۔ ارض شام چونکہ انبیاء کی سرزمین ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس کی بے حرمتی نہیں کرنا چاہتا کہ وہ غیروں کی میراث ہو۔''

(الحکم جلد 6 نمبر 40 مورخہ 10 نومبر 1902ء صفحہ 7)

آیت وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (العنکبوت: 10) کی تفسیر میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں اور پھر اس ایمان کے مطابق انہوں نے اعمال صالحہ بھی کئے ہیں ہم انہیں یقیناً صالحین میں داخل کریں گے یعنی ان صادق اور راستباز لوگوں میں شامل کریں گے جن کے متعلق زبور میں (زبور باب 37 آیت 29) ہم نے وعدہ کیا تھا کہ انہیں فلسطین کی بادشاہت دی جائے گی۔ گویا وہ وعدہ جو بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا اب مسلمانوں کے ایمان اور عمل صالح کرنے کی وجہ سے ان کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ چنانچہ جب تک مسلمان صالح رہے فلسطین مسلمانوں کے پاس رہا۔ اور جب ان میں بگاڑ پیدا ہو گیا فلسطین بھی ان سے چھن گیا۔ مگر جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات سے ظاہر ہے کہ یہ فلسطین کا چھننا عارضی ہے۔ ایک دن اللہ تعالیٰ ان کو پھر اس ملک میں لائے گا اور ان کی موجودہ پسپائی فتح سے بدل جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ...... یہود اگر فلسطین میں مستقل طور پر رہنا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ وہ صالحین میں شامل ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ کو ان سے کوئی دشمنی نہیں۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اگر وہ صالح بن جائیں تو وہ اس ملک میں رہ سکتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صالح کی تشریح میں فرماتا ہے کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں وہ صالح اور شہید اور صدیق وغیرہ کا مقام پائیں گے۔ پس صالح بننے کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی ضروری ہے۔ اگر یہود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس ملک میں قائم رکھے گا اور وہ اسی طرح مسلمانوں کے بھائی ہوں گے جس طرح اسحاقؑ اسماعیلؑ کا بھائی تھا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہمت کر کے خدا تعالیٰ کے قانون کو اپنی تائید میں نہ بنالیں۔'' (تفسیر کبیر جلد 7 صفحہ 594 تا 595)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس موضوع کو مزید کھول کر بیان فرمایا ہے اور مسلمانوں کو اپنی اصلاح کی طرف کھول کھول کر توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ ایک درس القرآن کے موقع پر آپؒ نے فرمایا: کہ ایک پیشگوئی ہے بنی اسرائیل سے متعلق وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا (بنی اسرائیل 105) کہ جب آخرت کا وعدہ آئے گا اس وقت ہم تمہیں ساری دنیا سے سمیٹ کر اکٹھا کر دیں گے۔ اب یہ جو دَور ہے یہ آخَرین کا دَور ہے...... دَورِ آخَرین سے مراد وہ دوسرا دَور، اور آخرۃ کہتے ہیں بعد میں آنے والا، تو بعد کے آنے والے زمانے میں جو عجیب باتیں رونما ہونے والی ہیں ان کی پیشگوئیاں کچھ سائنسی ہیں، کچھ مذہبی نوعیت کی ہیں، کچھ سیاسی نوعیت کی ہیں سب قرآن کریم میں موجود ہیں۔ یہ جو پیشگوئی ہے یہ مذہبی نوعیت کی ایک پیشگوئی ہے جس میں یہود کے متعلق فرمایا گیا کہ ہم تمہیں تمام دنیا سے اکٹھا کر کے ارض مقدس میں لے آئیں گے۔ اب یہ جو واقعہ ہوا ہے اس میں لوگ کہتے ہیں کہ یہود کی چالاکی ان کی سازشیں ہیں۔ وہ ذریعہ بنے ہیں جس طرح سائنس دان ذریعہ بنتے ہیں مگر یہ مقدر تھا قرآن بتا رہا ہے اور ناممکن تھا کوئی اس کو بدل سکے۔ اب مسلمان علماء کو چاہئے تھا کہ اس آیت کا مطالعہ کر کے ایسی کوششیں نہ کرتے جو تقدیر کو بدلنے کی کوششیں ہوں۔ اس سے ان کو نقصان پہنچنا تھا اور ہر دفعہ جب وہ خدا کی تقدیر سے ٹکرائے ہیں ان کو نقصان پہنچا ہے۔ اس تقدیر کو سمجھ کر وہ کوششیں کرنی چاہئیں تھیں جن کا قرآن کریم میں ذکر موجود ہے کہ وہ کوششیں ضرور کامیاب ہونی تھیں ان کی طرف توجہ نہیں

کی۔تو میں یہ نہیں کہتا کہ ہاتھ توڑ کر بیٹھ جاتے کہ خدا کی تقدیر نے ظاہر ہونا ہے، میں یہ بتا رہا ہوں کہ ایسی مبرم تقدیر تھی کہ جس کے متعلق کوئی تبدیلی ممکن نہیں تھی۔لیکن اس کے بعد ایک اور بھی تقدیر مقدر ہے اس طرف اگر توجہ کرتے تو کم سے کم نقصان پر اسرائیل میں وہ (جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا) والی پیشگوئی بھی پوری ہو جاتی اور آخری فیض مسلمان پاتے اور آخری فتح مسلمانوں کو ہوتی، وہ ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ (الانبیاء 106-107) کتنا کھول کر خدا تعالیٰ نے یہ پیغام سمجھایا تھا کہ اب اگر تم اس زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہو تو عباد الصالحین بننا پڑے گا، خدا کے پاک نیک بندے بنو گے تو یہ زمین ملے گی ورنہ نہیں ملے گی جو مرضی زور لگا لو إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ اس میں ایک بہت بڑا پیغام ہے۔ وہ خدا کے بندے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت میں ہیں عابدین کہلاتے ہیں ان کے لیے اس میں ایک بہت بڑا پیغام ہے، ایک عظیم پیغام ''بلاغ'' ہے۔اس کو سمجھیں گے تو فائدہ اٹھائیں گے نہیں سمجھیں گے تو ٹکریں مارتے رہیں گے ان کا کچھ بھی نہیں بنے گا اب تک تو نا سمجھنے والا دَور چل رہا ہے۔ پس یہ درس سُن رہے ہیں عرب بھی تمام دنیا میں لوگ سن رہے ہیں ان کو میں سمجھاتا ہوں کہ اس پیغام کو سمجھیں یہ بلاغاً ہے بہت بڑا عظیم الشان پیغام ہے اس کے تابع اپنی روزمرہ کی زندگی کو صالح بنائیں۔اور یہ صالح بنانے کا جو مضمون ہے اس کا حکومت کے تختے اُلٹنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔حکومت کے اسلام کے نام پر تختے اُلٹنے کی کوششیں جو ہیں یہ اسلام کو یا اسلامی دنیا کو مزید کمزور کریں گی، کبھی بھی اس کا فائدہ نہ ماضی میں ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔اس لیے یہ ظلم نہ کریں اپنی جان پر۔(ماخوذ از اردو درس القرآن)

خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے سوال جواب کے ایک موقع پر جرمنی میں مسئلہ فلسطین کا ذکر فرمایا جس کی مختصر رپورٹ ذیل میں ہے: ''فلسطین کے معاملہ میں جماعت احمدیہ کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ جس طرح عالم اسلام کو میں ہمیشہ متنبہ کرتا رہا ہوں اسی طرح اہل فلسطین کو بھی صحیح راستہ کی طرف راہنمائی کرتا رہا ہوں لیکن وہ میری بات نہیں مانتے کیونکہ وہ مجھے کافر سمجھتے ہیں حالانکہ اگر میں حکمت کی بات کہتا ہوں تو پھر انہیں میری بات مان لینی چاہئے۔اگر وہ اُن باتوں پر عمل کرتے تو آج اسرائیل کو اتنا پھیلنے کا موقع نہ ملتا۔یہ تو اس وقت لڑتے ہیں جب ہاتھ میں تلوار بھی نہیں ہے۔سارا مغرب اسرائیل کے پیچھے ہے چنانچہ ہر جنگ میں یہ اپنا کچھ علاقہ اسرائیل کو دے دیتے ہیں۔

حضور انور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ الارض (فلسطین) کے وارث میرے صالح بندے بنیں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ فلسطینی عباد الصالحین نہیں رہے۔ پس یہ سزا ہے کہ انہوں نے اسلام کی قدروں کی پرواہ نہیں کی۔ ...... میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ہم دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقل اور رضا کی راہ پر چلائے اور ہم عباد الصالحین ہو جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ فلسطین کو یہود کے قبضہ سے آزاد کروا دے گا۔

حضور نے فرمایا کہ دوسری بات جو ضروری ہے اور جسے سارے مسلمان بھول گئے ہیں یہ ہے کہ فلسطین میں اسرائیلی حکومت انہی فلسطینیوں کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کیونکہ یہود کے پاس زمین نہیں تھی اس لیے ان کی ریاست کو کسی کے تسلیم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔اُس وقت میرے مرحوم والد نے متنبہ کیا تھا کہ فلسطینی روپے کے لالچ میں زمین یہود کو نہ بیچیں۔اگر فلسطینی مان جاتے تو آج اس مصیبت کا مونہہ نہ دیکھتے۔''

(الفضل انٹرنیشنل 5رجون 1998ء)

یہاں یہ قابل ذکر بات ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے فلسطینی احمدیوں کے نام 15رمئی 1948ء کو یہ ضروری پیغام بھجوایا کہ ''شام والوں کو لکھا جائے کہ کسی نہ کسی طرح کبابیر والوں کو اطلاع دیں کہ تنگی کے دن ہیں صبر سے گزار لیں اور کسی قیمت پر بھی کبابیر کی زمین یہود کے پاس فروخت نہ کریں۔'' (تاریخ احمدیت جلد 12 صفحہ 122) اللہ کے فضل سے اس نصیحت پر عمل درآمد ہوا اور اللہ کے فضل سے کبابیر کی جماعت اب تک اپنی مسجد اور جائیداد کے ساتھ تنعم کی زندگی گزار رہے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اور مسئلہ فلسطین



ارض مقدسہ اور بیت المقدس کی اہمیت کا ذکر کے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں: ’......بیت المقدس کئی صدیوں تک مسلمانوں کے قبضے میں رہا، اس کے بعد مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کی وجہ سے ان کے ہاتھ سے نکل گیا...... بیت المقدس کا بہرحال ایک مقام ہے۔لیکن اس کا مقام مکہ اور مدینہ کے بعد ہے۔ بیت المقدس چونکہ پہلے قبلہ تھا بعد میں تحویل قبلہ کا حکم آ گیا تو اس حکم کے ساتھ بیت المقدس کا پہلا والا مقام نہیں رہا۔ بلکہ مدینہ منورہ کا مقام بڑا ہو گیا......۔انبیاء کی یہ مقدس جگہ پھر مسلمانوں کے قبضے میں آئے گی، مگر جنگوں سے نہیں بلکہ دعاؤں سے۔وہ فتح مومنوں کی دعاؤں سے ہو گی۔اس لیے جتنے زیادہ مومن ہوں گے دعائیں کریں گے اور حق اللہ اور حق العباد ادا کرنے والے ہوں گے اتنی جلدی ان کا قبضہ ہو جائے گا۔بہرحال یہ مقدس جگہ ہے۔مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کریں......‘

(فرمودہ دوران آن لائن ملاقات جماعت کبابیر 5رجون 2021ء)

ان دنوں ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز مسلمانوں کو قیام وحدت کی طرف بار بار توجہ دلا رہے ہیں۔کیونکہ قیام وحدت اور اتحاد کے بغیر وہ اب کچھ نہیں کر سکتے۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ’’آج بڑے افسوس سے ہمیں یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے مسلمان ممالک کی بدقسمتی ہے کہ ان میں اتفاق و اتحاد نہیں رہا۔رعایا رعایا سے لڑ رہی ہے۔رعایا حکومت سے بھی لڑ رہی ہے اور حکومت رعایا پر ظلم کر رہی ہے۔گویا نہ صرف اتفاق و اتحاد نہیں رہا بلکہ ظلم بھی ہو رہا ہے۔اور پھر ظلم پر زور بھی دیا جا رہا ہے۔پس اس اتفاق و اتحاد کی کمی کا نتیجہ ہے کہ غیروں کو بھی جرأت ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جو چاہیں کریں۔اور یہی وجہ ہے کہ اسرائیل بھی ظالمانہ طور پر اس وقت معصوم فلسطینیوں کو قتل کرتا چلا جا رہا ہے۔اگر مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد ہوتا اور وہ خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے والے ہوتے تو مسلمان ممالک کی اتنی بڑی طاقت ہے کہ پھر اس طرح ظلم نہ ہوتے۔جنگ کے بھی کوئی اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔اسرائیل کے مقابل پر فلسطینیوں کی کوئی طاقت نہیں۔اگر یہ کہا جاتا ہے کہ حماس والے بھی ظلم کر رہے ہیں تو مسلمان ملکوں کو ان کو بھی روکنا چاہئے۔لیکن ان دونوں کے ظلموں کی نسبت ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص اپنے ڈنڈے سے ظلم کر رہا ہے اور دوسری طرف ایک فوج توپیں چلا کر ظلم کر رہی ہے۔مسلمان ممالک سمجھتے ہیں (گزشتہ دنوں ترکی میں سوگ منایا گیا) کہ سوگ منا کر انہوں نے اپنا حق ادا کر دیا۔اسی طرح مغربی طاقتیں بھی اپنا کردار ادا نہیں کر رہیں۔چاہئے تو یہ تھا کہ دونوں طرفوں کو سختی سے روکا جاتا۔بہرحال ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مظلوموں اور معصوموں کو ان ظلموں سے بچائے اور امن قائم ہو۔اسی طرح مسلمان ممالک کے اپنے اندر بھی جو ایک دوسرے کے اوپر ظلم کئے جا رہے ہیں اور فساد بڑھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی عقل دے۔اور کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کے خون سے جو ہاتھ رنگ رہے ہیں اس سے یہ لوگ بچیں۔آپس میں بھی اتفاق و اتحاد قائم ہو۔اس کے بغیر نہ ان کی عبادتوں کے حق ادا ہو سکتے ہیں نہ یہ حسرت پوری ہو سکتی ہے کہ ہمیں لیلۃ القدر ملے۔کیونکہ جب قوم میں اتفاق و اتحاد مٹ جائے، ختم ہو جائے تو لیلۃ القدر بھی اٹھا لی جاتی ہے۔پھر صرف راتیں اور ظلمتیں ہی، اندھیرے ہی مقدر بنتے ہیں۔ترقی رک جاتی ہے۔‘‘ (خطبہ جمعہ فرمودہ 25رجولائی 2014ء، الفضل انٹرنیشنل مورخہ 15راگست 2014ء صفحہ 6)

سیدنا حضور انور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مورخہ 14رمئی 2021ء کے خطبہ عید الفطر کے موقع پر فلسطین کے مظلوم عوام پر جاری ظلم و ستم کے تناظر میں دعا کی تحریک فرمائی اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، یہ عید تو ان کے لیے غموں کے پہاڑ لے کر آئی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے غموں کو خوشیوں میں تبدیل کر دے۔آمین

پھر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ 21 مئی 2021ء کے خطبہ جمعہ کے دوران فلسطینیوں کے لیے مزید دعا کی تحریک فرمائی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”گزشتہ ہفتہ میں نے کہا تھا کہ مظلوم فلسطینیوں کے لیے دعا کریں۔ گو کہ جنگ بندی ہوگئی ہے لیکن تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ کچھ عرصے کے بعد کہیں نہ کہیں سے کسی نہ کسی طریقے سے کسی نہ کسی بہانے سے دشمن ان فلسطینیوں کو ظلم کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔ اور کوئی نہ کوئی وجہ بنتی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور فلسطینیوں کے لیے بھی حقیقی آزادی میسر آئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایسے لیڈر بھی عطا فرمائے جن میں عقل اور فراست بھی ہو اور مضبوطی بھی ہو جو اپنی بات کو کہنے اور حق لینے والے بھی ہوں۔“ (الفضل انٹرنیشنل مورخہ 21 جون 2021ء صفحہ 8)

ظالم حکمرانوں کے سامنے حق وانصاف کی بات کہنا بہترین جہاد ہے

ہمارے آقا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (سنن الترمذي كتاب الفتن عن رسول الله) یعنی ظالم حکمرانوں کے سامنے حق وانصاف کی بات کہنا بہترین جہاد ہے۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے جہاں سربراہان عالم کے نام امن کا پیغام اور قیام امن کی نصائح پر مبنی خطوط ارسال فرمائے وہاں اسرائیل کے وزیر اعظم نیتن یاہو کو اپنے خط میں حکم خداوندی کا خیال کرنے، دوسری قوموں کے ساتھ عدل وانصاف سے کام لینے اور ظلم کو ختم کرنے کی طرف خصوصی رنگ میں نصیحت فرمائی۔ حضور ایدہ اللہ نے اپنے اس خط میں بائبل کی تعلیمات کے حوالے سے بھی ہوشیار فرمایا۔ چنانچہ ارض مقدسہ کے حقیقی وارثین کی طرف اشارہ کرکے بائبل کا یہ حوالہ تحریر فرمایا: ”......قہر سے باز آ اور غضب کو چھوڑ دے۔ بیزار نہ ہو۔ ورنہ تجھ سے بدی سرزد ہوگی۔ بدکردار کاٹ ڈالے جائیں گے لیکن جن کو خُداوند پر توکل ہے وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ تھوڑی دیر میں شریر نابُود ہو جائے گا۔ تُو اُس کی جگہ کو غور سے دیکھے گا پر وہ نہ ہوگا۔ لیکن حلیم ملک کے وارث ہوں گے اور خوب اطمینان سے رہیں گے۔“ (زبور باب 37 آیت 8۔11)

اور عدل وانصاف کے قیام کی نصیحت کرکے بائبل کا یہ حوالہ بھی تحریر فرمایا: ”تم اپنی تھیلی میں ایک ہی طرح کے دو باٹ نہ رکھنا کہ ایک بھاری ہو اور دوسرا ہلکا ہو۔ تم اپنے گھر میں ایک ہی طرح کے دو پیمانے نہ رکھنا کہ ایک کم ماپ کا ہو اور دوسرا زیادہ کا۔ تمہارے اوزان اور پیمانے صحیح اور درست ہوں تا کہ اس ملک میں جسے خداوند تمہارا خدا تمہیں دے رہا ہے تمہاری عمر دراز ہو کیونکہ ایسے لوگ جو دھوکے سے کام لیتے ہیں خداوند تمہارے خدا کی نظر میں مکروہ ہیں۔“ (استثناء باب 25 آیت 13 تا 16)

ایک موقع پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے ایک فلسطینی احمدی کو نصیحت کرکے فرمایا: ”......اور ہمیشہ یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم نے حق کی آواز اٹھانی ہے ہر جگہ۔ اور حق کی آواز کے لیے بعض دفعہ ظلم برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ ویسے جب فلسطین کا قیام یا اسرائیل کا قیام ہو رہا تھا اس وقت چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے United Nations میں جو تقریر کی تھی انہوں نے یہی کہا تھا کہ جب تک ان دونوں قوموں کو برابری کے حقوق نہیں مل جاتے یہاں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ اور فلسطینیوں کو بھی اور اسرائیلی اگر رہنا ہے تو پھر دو آزاد ملکوں کی حیثیت سے رہیں۔ کہنے کو تو آپ فلسطین سے آئے ہیں، فلسطین میں ایک علیحدہ حکومت ہے لیکن وہ بھی آزاد حکومت تو نہیں ہے۔ اس کو کوئی دنیا کی حکومت تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ نہ اقوام متحدہ اس کو ماننے کو تیار ہے۔ اس لیے فلسطین میں رہتے ہوئے بھی کم و بیش دباؤ کے زیر اثر ہی آپ رہ رہے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ اسرائیل میں رہ کر آپ قانون کی پابندی کس طرح کریں، فلسطین میں بھی رہ کے آپ کو سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں بعض۔ اس کے لیے یہی ہے کہ حکمت سے اپنی آواز اٹھائیں اور ایسے لوگ اکٹھے ہوں جو اس آواز کو ایسے فورَم تک لے کر جائیں، بین الاقوامی فورَم تک، جہاں پھر یہ ایک آزاد فلسطینی حکومت قائم ہو۔ نہ یہ کہ دباؤ میں آئی ہوئی ایک فلسطینی حکومت جس کے پاس اختیار ہی کوئی نہیں۔ تو بہر حال ظلم کے خلاف آواز اٹھانا مومن کا ایک بنیادی فرض ہے یا پھر اس ظلم

والی سرزمین سے ہجرت کر جانا یہ دوسرا حکم ہے۔ پس یہ دو باتیں ہیں اس کے علاوہ ملک میں بدانتظامی پیدا کرنا، فساد پیدا کرنا یا توڑ پھوڑ کرنا یہ چیزیں ایک حقیقی مومن کو زیب نہیں دیتیں اور نہ اس کی اجازت ہے۔ تو اس کے لیے بہر حال حکمت اور دعا سے کام کرنا پڑے گا۔ دعا کریں، اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کریں۔ اگر فلسطینی حقیقی رنگ میں ایک ہو کے دعا کرنے والے ہوں اور اپنے اخلاق و عادات اور اپنے ایمان کو اس معیار پہ پہنچائیں جہاں اللہ تعالیٰ دعائیں سنتا ہے اور مومنین کا مددگار ہوتا ہے تو انشاء اللہ حالات بہتر ہو جائیں گے۔''

(الفضل انٹرنیشنل 18 رجون 2021ء صفحہ 2و9)

خدا تعالیٰ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعائیں فلسطینیوں کے حق میں قبول فرمائے اور ان کو عباد صالحین میں تبدیل کر کے حصار عافیت امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلیل احمد خلیل قریشی

چشم میخانے کا لب ہیں جام و پیمانے کا نام
تیرا ہنسنا ہے بدن میں جان پڑ جانے کا نام
زندگی ہے تیری خوشبوؤں سے مہکانے کا نام
حُسن تیرا ہے بہاروں پر شباب آنے کا نام
اک اُداسی چھا رہی تھی اندھے آشام پر
ہے تیری آواز ساقی جام چھلکانے کا نام
سن کے چرچے چار جانب اس میر گلفام کے
تتلیاں لیتی نہیں ہیں باغ میں جانے کا نام
اب کبھی ناکامیوں کا نام مت لینا خلیلؔ
اب ذرا لے زیست کو خوشیوں سے مہکانے کا نام

ارض فلسطین

انیس رئیس جاپان

صدیوں کی ہے تاریخ ترے خون سے رنگین
اقوامِ امم چپ ہیں، حالات ہیں سنگین
خاموش ہیں، لب بستہ ہیں شاہان و سلاطین
برپا ہے ترے سینے پہ اِک رقصِ شیاطین
افسردہ ہے، محزون ہے پھر ارضِ فلسطین

کہنے کو یہ اُمت ہے، مگر اُمت مرحوم
ہمدردی و غمخواری کے اوصاف ہیں معدوم
گفتار کے غازی ہیں تو کردار سے محروم
اغیار کے ہاتھوں میں ہیں لاچار یہ محکوم
درماندہ ہیں مجبور ہیں بے حال ہیں مسکین
افسردہ ہے، محزون ہے پھر ارضِ فلسطین

ہیں تشنہ لب و خاک بسر ، ظلم کے مارے
بیٹھے ہوئے چپ چاپ بس اللہ کے سہارے
محصور ہیں عرصہ سے سمندر کے کنارے
سہمے ہوئے معصوم ترے راج دلارے
ظالم کی مگر باقی ہے جذبات کی تسکین
افسردہ ہے، محزون ہے پھر ارضِ فلسطین

بارود فضاؤں میں، زمیں بوس مکاں ہیں
ہر چند کہ کہتے ہیں عدو، اب بھی نہاں ہیں
ظالم کے نشانہ پہ مگر پیر و جواں ہیں
جو امن کے خوگر تھے، وہ سب آج کہاں ہیں
انصاف کے ایوانوں میں ہے عدل کی توہین
افسردہ ہے، محزون ہے پھر ارضِ فلسطین

ہے ظلم کا بازار گرم، وقتِ دعا ہے
بے گوروکفن لاشے ہیں، مغموم فضا ہے
جو ظلم بھی ممکن تھا وہ سب ان پہ روا ہے
دُکھ درد کے ماروں کی فقط آہ و بکا ہے
ہے چاک مرا سینہ و دل، درد سے غمگین
افسردہ ہے، محزون ہے پھر ارضِ فلسطین

حضرت سیدہ ہاجرہ علیہا السلام

انجنیئر محمود مجیب اصغر سویڈن



اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل واسحاق۔ ان ربی لسمیع الدعآء (ابراہیم: آیت 40) سب حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا کئے۔ یقیناً میرا رب دعا کو بہت سننے والا ہے۔

یہ مناجات ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کی حرم ثانی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے آپ کے بیٹے تھے۔ جن کی نسل سے حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے۔

حضرت ہاجرہ مصری شہزادی تھیں جو مصر کے قبطی بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں دی تھیں۔ ان کی پاک نسل سے وہ عظیم الشان رسول پیدا ہوا جس جیسا نہ کسی ماں نے جنا اور نہ جن سکے گی۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سورۃ الشعرآء آیات 218۔220 کے تعلق میں فرماتے ہیں: ”خدا پر توکل کر جو غالب اور رحم کرنے والا ہے۔ وہی خدا جو تجھے دیکھتا ہے جب تو دعا اور دعوت کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ وہی خدا جو تجھے اس وقت دیکھتا تھا جب تو تخم کے طور پر راست بازوں کی پشتوں میں چلا آتا تھا یہاں تک کہ اپنی بزرگ والدہ آمنہ معصومہ کے پیٹ میں پڑا“۔ (تریاق القلوب بحوالہ تفسیر مسیح موعود جلد 6 صفحہ 374)

ملیکۃ العرب

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے واقعات قرآن کریم کے مختلف صفحات پر پھولوں کی طرح بین السطور بکھرے پڑے ہیں۔ حضرت ہاجرہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت اسماعیل کی عظیم ترین والدہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ فرمایا ہے۔ ”حضرت ہاجرہ سے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ ہوا“۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 593)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں

”حضرت ہاجرہ میری تحقیق کے مطابق ملک مصر کی ایک شہزادی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام کی کرامتوں کو دیکھ کر بادشاہ نے اپنی لڑکی ابراہیم کے نکاح میں دے دی۔ نوجوان اور خوبصورت اور باکرہ تھی۔ اس وقت ابراہیم کی عمر 84 سال تھی جب کہ وہ حاملہ ہوئی۔

میں مختصر سناتا ہوں کہ پہلی بی بی نے اسے نکلوا دیا۔ اس پر اللہ سے مکالمہ ہوا کہ کیوں نکلی؟ آپ نے عرض کیا کہ بڑی بی بی رہنے نہیں دیتی۔ خدا نے فرمایا۔ واپس جاؤ اور اس کی فرماں بردار ہو کر رہو۔ اس صبر کے بدلے میں ہم تمہیں ایک لڑکا دیں گے جس کی اولاد تمام جہان کے لیے موجب ہدایت ہوگی اور آسمان کے تارے اور ریت کے ذرے گننے آسان ہوں گے مگر تیری اولاد کو کوئی نہ گن سکے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر جب دوبارہ اس بی بی نے ہاجرہ کو دکھ دیا تو ابراہیم انہیں مکہ میں چھوڑ گئے۔ ابراہیم سے پوچھا کہ ہمیں کس کے سپرد کرتے ہو؟ آپ نے اس کا جواب نہیں دیا۔ پھر پوچھا کہ کس کے حکم سے یہاں لائے ہو؟ فرمایا خدا کے حکم سے۔ اس پر اس نیک بخت صابرہ بی بی نے کہا تو پھر اب

تمہاری ضرورت نہیں۔اس بی بی کے پاس نہ روپیہ تھا نہ مال اسباب تھا نہ مویشی تھے۔بچہ بھی چھوٹا تھا۔وہاں کوئی غم گسار نہ تھا۔درندوں کا بھی ڈر تھا۔کوئی آبادی بھی نہ تھی۔مگر اس صبر کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج مکہ ایک عظیم الشان شہر آباد ہے جو کروڑ ہا مخلوق کا ملجاو ماوا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میرے نام کے لیے صبر کرکے اس کے نتائج سے آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ صفا اور مروہ سے جا کر یہ شعور یہ معرفت حاصل کریں کیونکہ وہ مقام اللہ کی طرف سے صبر کے نتائج کے شعور کے حصول کا ذریعہ مقرر شدہ ہے۔جو حج کرنے جائے وہ وہاں چل کر پھر دیکھے کہ ہمارا فضل اس صابرہ پر کیسے ہوا۔ہم کیسے قدر دان ہیں۔

صبر اور پھر اجر کی ایک مثال بیان فرماتا ہے اور وہ صفا و مروہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے شعائر اللہ قرار دیا ہے۔وہ مقام جو بالکل ایک ویرانہ تھا خدا کے فضل سے مرجع خلائق بن رہا ہے اور کس کثرت سے ساتھ برکات کا نزول ہوتا ہے۔''(حقائق الفرقان جلد اول صفحہ 374۔375)

مزید پس منظر بیان کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا:''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ سے ایک معاہدہ کیا تھا کہ ہم تیری ایک بات مان لیں گے۔چنانچہ جب ہاجرہ بی بی کے لڑکا پیدا ہوا تو جناب سارہ کو کسی سبب سے دکھ ہوا۔جس پر انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم بموجب اپنے وعدہ کے اس لڑکے اور اس کی ماں کو ایسے جنگل میں چھوڑ آ جہاں سے ہمیں ان کی کوئی خبر نہ آئے۔انبیاء ایسے معاہدے خدا کے حکم سے کرتے ہیں چنانچہ وہ اپنے بچے اور بیوی کو اسی حکم سے جنگل میں چھوڑ آئے۔''(حقائق الفرقان جلد 2 صفحہ 445)

حضرت ہاجرہ کی مضطربانہ دعائیں

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں:''کیسا طاقتور۔قادر۔توانا۔آئندہ کی خبروں سے واقف خدا اس گھر کا ہے جو تیرہ سو سال سے اس قدر عزت پا رہا ہے وہ جسے ابراہیم علیہ السلام والبرکات نے جنگل میں بنایا۔جنگل میں وہ جس کے گرداگرد سینکڑوں کوسوں تک کوئی آبادی نہ تھی اس فکر میں خدا کی عبادت کے واسطے اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑ دیا۔اللہ اللہ کیا ہی وہ ایمان تھا جو حضرت ابراہیم کے سینہ اور دردِ دل میں تھا۔کیا ہی توکل اور ایمان والی وہ بیوی تھی جس نے اپنے خاوند کو کہا کہ جب یہ خدا کا حکم ہے تو اب تو جا۔تیری اور نہ کسی اور کی ہم کو پرواہ ہے۔کیا ہی وہ پیارا بچہ وہ بچہ تھا۔جس کی خاطر جنگل بیابان میں چشمہ جاری ہوا اور ایسا جاری ہوا کہ آج تک تمام جہان کے لوگ اس کا پانی پیتے ہیں۔خدا کی ہزاروں ہزار برکتیں اور رحمتیں تجھ پر ہوں۔عورتوں میں ایک بے نظیر عورت۔مصر کی شہزادی اور ابراہیم کی بیوی اور اسماعیل کی ماں۔کیا ہی خدا رسیدہ تیرا دل تھا کہ تو نے خدا کے حکم کی تابعداری میں اپنے بھاری امتحان کو اپنے سر پر قبول کیا کہ اگر وہ امتحان پہاڑ پر پڑتا تو پہاڑ اس کے بوجھ سے شق ہو جاتا۔بے شک تو ہی اس قابل تھی کہ تیری اولاد میں نبیوں کا سردار محمد ﷺ پیدا ہوتا۔تیری اس مضطربانہ دوڑ کی یادگار میں آج لاکھوں انسان مختلف بلاد سے آکر تیرے قدم بقدم دوڑتے اور خدا کی حمد کرتے ہیں۔''(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 470۔471)

انا للہ وانا الیہ راجعون کی دعا کا پس منظر

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو ایک بڑا ابتلاء پیش آیا جس کا اشارہ ان باتوں سے ہوا۔

ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات (البقرہ، آیت 156) اور انعام دیں گے ہم تم کو بدلہ میں تھوڑے سے خوف اور بھوک اور مالوں کے اور جانوں کے اور پھلوں کے نقصان کے۔اور ان پانچوں پر ام نا (ہماری ماں) ہاجرہ نے **انا للہ وانا الیہ راجعون** کہا۔ہم سب اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف جانا ہے۔پس اپنے دو اقوال سے صبر و استقلال اور ایمان کا اظہار فرمایا۔اس واسطے اللہ تعالیٰ کریم و رحیم نے اس کی اولاد کو آمنھم من خوف۔امن دیا ان کو عظیم الشان ڈر سے۔**اطعمھم من جوع** (قریش، آیت 5) کھانا دیا ان کو بھوک سے اور بلدہ کو بلدۂ مبارک فرما کر کثرت اموال و انفس و ثمرات اور **الصبر** کا **نعم الاجر صلوات** و رحمت عطا فرما کر اس کی اولاد کو ہدایت یافتہ

فرمایا۔‘‘(نورالدین بحوالہ حقائق الفرقان جلد اول صفحہ 371)

زم زم کا کنواں: حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ’’دیکھو حضرت ہاجرہ کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے جو کہ مومنین کی دادی تھی پہلی مرتبہ جب وہ نکالی گئی تو فرشتے نے اسے آواز دی اور بڑی تسلی دی اور اس سے اچھا سلوک کیا مگر جب دوسری مرتبہ نکالی گئی تو سوکن نے کہا کہ اس کو ایسی جگہ چھوڑ و جہاں نہ دانہ ہو نہ پانی۔ اس کی غرض یہی تھی کہ وہ اس طرح سے ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو جاوے گی اور حضرت ابراہیم کا ایسا منشاء نہ تھا مگر خدا نے حضرت ابراہیم کو کہا کہ اچھا جس طرح یہ کہتی ہے اسی طرح کیا جاوے اور سارہ کی بات کو مان لے۔ اصل میں بات یہ تھی کہ خدا کا منشاء قدرت نمائی کا تھا ۔توریت میں یہ قصہ مفصل لکھا ہے۔ بچہ جب بوجہ شدت پیاس رونے لگا تو بی بی ہاجرہ پہاڑ کی طرف پانی کی تلاش میں ادھر ادھر گھبراہٹ سے دوڑتی بھاگتی پھرتی رہی مگر جب دیکھا کہ اب یہ مرتا ہے تو بچے کو ایک جگہ ڈال کر پہاڑ کی چوٹی پر دعا کرنے لگ گئی کیونکہ اس کی موت کو دیکھ نہ سکتی تھی۔ اسی اثناء میں غیب سے آواز آئی کہ ہاجرہ! ہاجرہ! لڑکے کی خبر لے وہ جیتا ہے۔ آکر دیکھا تو لڑکا جیتا تھا اور پانی کا چشمہ جاری تھا۔ اب وہی کنواں ہے جس کا پانی ساری دنیا میں پہنچتا ہے اور بڑی حفاظت اور تعظیم اور شوق سے پیا جاتا ہے۔‘‘(ملفوظات جلد دہم صفحہ 160۔161)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں ’’ہاجرہ کو جب ابراہیم نے یہاں چھوڑا تو انہوں نے ابراہیم سے پوچھا تو ہمیں کس کے سپرد کرتا ہے۔ تو ابراہیم نے فرمایا خدا کے سپرد اور اسی کے حکم سے۔ تب ہاجرہ نے کہا۔ جاؤ۔ وہ اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہ کرے گا۔

آخر پیاس کی شدت میں، پانی کی جستجو میں جب یہاں (صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان) دوڑیں تو خدا نے زم زم سے ان کی امداد کی۔ اس قسم کی یادگاریں اولاد ابراہیم میں مروج تھیں۔‘‘(حقائق الفرقان جلد اول صفحہ 507)

سیدہ ہاجرہ کی آخری آرام گاہ

جہاں جہاں قرآن کریم میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور خانہ کعبہ کی تعمیر اور اس کے 23 عظیم الشان مقاصد اور قرآن عظیم کے نزول وغیرہ کا ذکر ہے ان آیات کے بین السطور میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام شامل ہے جس سے حضرت ہاجرہ کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خانہ کعبہ کی بنیادی اینٹ حضرت ہاجرہ کا پاک اور بے نظیر وجود تھا تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ اس پر خدا کی فعلی شہادت یہ ہے کہ آپ کی تدفین حطیم کے نیچے ہوئی جو خانہ کعبہ کا حصہ ہے۔‘‘

یہ جہاز نہیں ٹوٹے گا کیونکہ مَیں مسیح وقت کا پیغام لندن لے کر جا رہا ہوں۔(چوہدری فتح محمد سیال)

1913ء میں تبلیغ کی غرض سے حضرت چوہدری فتح محمد سیال ؓ صاحب لندن تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دوران سفر سمندر میں طوفان آگیا اور جہاز ٹوٹنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو جہاز کے کپتان نے کہا کہ آپ سب لوگ لائف بیلٹ باندھ لیں۔ ایک ہندو بھی ہمارے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ وہ یہ سن کر بہت گھبرا گیا۔ میں نے اس ہندو کو کہا کہ تم بالکل پریشان نہ ہو یہ جہاز نہیں ٹوٹے گا کیونکہ میں مسیح وقت کا پیغام لندن لے کر جا رہا ہوں ۔اس ہندو نے کہا اگر یہ جہاز نہیں ڈوبے گا تو میں لندن پہنچ کر مسلمان ہو جاؤں گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ طوفان تھم گیا اور جہاز بخیر و عافیت سے لندن پہنچ گیا۔ لندن پہنچ کر وہ صاحب خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمان ہو گئے۔ الحمدللہ۔ مگر تین دن کے بعد وہ جہاز دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہوا اور کھلے سمندر میں پہنچنے سے پہلے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

(سیرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب، ص:101)



شوکت تھانوی مردہ باد، شوکت تھانوی زندہ باد

غلام مصباح بلوچ



تمغہ امتیاز یافتہ مشہور مزاح نگار، افسانہ نگار، ناول نگار، شاعر، ادیب، صحافی اور کالم نگار جناب شوکت تھانوی صاحب کے قادیان کے اسفار اور جلسہ جات میں شرکت اور مخالفین کی نعرہ بازیوں کی داستان

جناب شوکت تھانوی کا اصل نام محمد عمر تھا۔ آپ کا آبائی وطن تھان بھون ضلع مظفر نگر تھا لیکن آپ کی پیدائش بندرابن (Vrindavan) ضلع ماتھورا (یوپی۔ انڈیا) کی ہے۔ آپ کا بچپن بھوپال میں گزرا۔ 1914 میں آپ کے والد صاحب پولیس ملازمت سے سبکدوش ہو کر لکھنؤ میں مقیم ہو گئے۔ چنانچہ آپ پھر اسی شہر سے وابستہ رہے۔ آپ ایک بہترین مزاح نگار، افسانہ نگار، ناول نگار، شاعر، ادیب، صحافی اور کالم نگار تھے۔ کئی اخبارات کے عملہ ادارت میں بھی اور بطور مدیر بھی کام کیا۔ قیام پاکستان سے قبل آل انڈیا ریڈیو اور بعد میں ریڈیو پاکستان سے وابستہ رہے۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی کے ایڈیٹر رہے۔ شعری مجموعہ ''گہرستان'' کے نام سے شائع ہوا۔ پچھتّر سے زائد کتب تحریر کیں۔ معروف تحریرات میں سے چند یہ ہیں: ایک دلچسپ شرارت، سودیشی ریل، سناؤں تمہیں بات اک رات کی، وغیرہ وغیرہ، کراچی کی بسیں، موج تبسم، بحر تبسم، خدانخواستہ۔

ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے انہیں ''تمغہ امتیاز'' سے نوازا۔ 4 مئی 1963ء کو لاہور میں وفات پائی اور میاں میر قبرستان میں ابدی نیند سو گئے۔

جناب شوکت تھانوی کی شادی لکھنؤ میں جناب حکیم مولوی سجاد حسین (وفات: 11 اگست 1923ء) کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی جو کہ خود تو احمدی نہیں تھے لیکن ان کے باقی بھائی محترم ڈاکٹر محمد عمر صاحب، محترم مولوی محمد عثمان صاحب، مولوی محمد زبیر صاحب اور محترم محمد طلحہ صاحب ایڈووکیٹ سب احمدی تھے۔ کچھ اس وجہ سے بھی مخالفین احمدیت آپ کے احمدی یا قادیانی ہونے کا شور مچا کر آپ کو احمدیت سے دور رہنے کی تنبیہ کرتے تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ کے دل میں جماعت احمدیہ کے متعلق نہایت احترام تھا اور آپ برملا احمدیت کی خدمات اسلام اور خوبیوں کا اظہار کرتے تھے۔ گو کہ آپ مزاح نگار تھے لیکن اس مزاح نگاری میں آپ نے ہمیشہ دوسروں کے مذہبی جذبات کا ادب ملحوظ خاطر رکھا۔ آپ خود لکھتے ہیں: ''میں نے آج تک بحمد اللہ خدا اور رسول اور بزرگان دین یا عقائد کا مذاق نہیں اڑایا ہے۔'' (بیگم بادشاہ غلام صفحہ 81)۔

جماعت احمدیہ کے متعلق آپ کی سوچ اور برتاؤ سلجھا ہوا تھا اور آپ جاہل مسلمانوں کے تمسخرانہ روّیہ سے بیزار تھے۔ شوکت تھانوی صاحب نے 1954ء میں اپنی آپ بیتی ''مابدولت'' کے نام سے شائع کی۔ جس میں احمدیت کے حوالے سے بھی اپنے مشاہدات کا تذکرہ فرمایا جن میں سے بعض حوالے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

پنجاب کا پہلا سفر

''کسی کو کلکتہ اور بمبئی دیکھنے کا شوق ہوتا ہے، کسی کو کشمیر جنت نظیر کی زیارت کی تمنا مگر ہم کو نہ معلوم کیوں ہمیشہ سے لاہور دیکھنے کی تمنا تھی۔ بچپن ہی سے لاہور میں ہمارے لیے خدا جانے کیا کشش تھی کہ ہمیشہ لاہور جانے کو دل چاہا مگر یہ آرزو کبھی پوری نہ ہو سکی۔ مگر جب اس تمنا کے بر آنے کا وقت آیا تو

اچانک پوری بھی اس طرح ہوگئی کہ گمان تک نہ ہوسکتا تھا۔ ایک دن ڈاکٹر محمد عمر صاحب نے فرمایا چلتے ہو پنجاب! دل نے کہا نیکی اور پوچھ پوچھ۔ وہ لاہور سے بھاوج صاحبہ، مسز عمر کو لینے جارہے تھے اور ارادہ تھا کہ راستہ میں قادیان بھی ٹھہریں گے۔ چنانچہ ہم ان کے ہم رکاب ہوگئے۔ امرتسر پہنچ کر ہم لوگ قادیان کی طرف مڑ گئے۔ قادیان پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ڈلہوزی تشریف لے گئے ہیں۔ پھر بھی تمام دن قادیان میں گزرا۔ قادیان کے مختلف شعبے سرسری طور پر دیکھے، بہشتی مقبرہ دیکھا، اخبار الفضل کے دفتر گئے، قاضی اکمل صاحب سے ملے اور سہ پہر کو یہ سن کر کہ آج ہی حضرت صاحب ڈلہوزی سے شملہ جاتے ہوئے امرتسر سے گزریں گے ہم لوگ واپس امرتسر آ گئے اور امرتسر میں حضرت صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ خیال تھا کہ ہم کو دیکھتے ہی احمدیت کی تبلیغ شروع کردیں گے ہم کو بیعت کی دعوت دی جائے گی اور ہم جب انکار کریں گے تو ڈاکٹر صاحب کو ہدایت دی جائے گی کہ ان کو جماعت کا لٹریچر پڑھنے کو دیا جائے مگر نہ وہاں احمدیت کا کوئی ذکر تھا نہ بیعت کا کوئی سوال، نہ کوئی ایسی بات جس سے یہ اندازہ ہوسکے کہ ہم کو غیر احمدی سمجھا جارہا ہے اور احمدی بنانے کی تحریک ہورہی ہے بلکہ بجائے اس کے حضرت صاحب نے کچھ ادبی اور کچھ شاعرانہ گفتگو چھیڑ دی تا کہ ہم کو دلچسپی ہوسکے۔ سب نے مل کر ریفریشمنٹ روم میں ہندوستانی کھانا کھایا اور اس کے بعد حضرت صاحب شملہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس پہلی ملاقات میں ان کی گفتگو کا رخ زیادہ تر سیاسیات کی طرف تھا اور ہم صرف یہ اندازہ کرسکے کہ ان کی مذہبی حیثیت تو درکنار ان کی سیاسی حیثیت بھی نہایت بلند ہونا چاہیئے جو عمیق نظر ان کی سیاست کی باریکیوں پر پڑ رہی تھی وہ صرف ایک مشاق ماہر سیاست کی ہوسکتی تھی۔ ادبی معاملات میں جو گفتگو آپ نے فرمائی وہ خالص ادبی رنگ لیے ہوئے تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ ایک منجھا ہوا ادیب یہ باتیں کررہا ہے۔ ان باتوں کے علاوہ نگاہیں نیچی، لبوں پر تبسم اور آواز میں ایک دلکشی۔ غالباً ان ہی باتوں کو غیر احمدی قادیانیوں کی جادوگری کہتے ہوں گے۔'' (صفحہ 135 تا 137۔ بشکریہ rekhta.org)

پنجاب کا دوسرا سفر

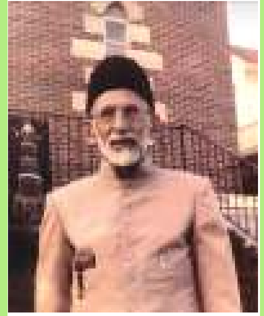
''روزنامہ حق کی ملازمت ہی کے درمیان ہم کو پھر قادیان جانا پڑا۔ لکھنؤ میں احمدیت کے خلاف جو پراپیگنڈہ ہورہا تھا اسی سلسلہ میں مولوی محمد عثمان صاحب احمدی نے ''حقیقت'' کے ایڈیٹر انیس احمد عباسی کو اور اس خاکسار کو دعوت دی کہ آپ لوگ قادیان چل کر وہاں کے حالات کا خود مطالعہ کریں اور اپنے اس مطالعہ کی روشنی میں اگر مناسب سمجھیں تو کچھ لکھیں۔ انیس احمد صاحب عباسی نے اور ہم نے علیحدہ مشورہ کیا اور آخر اس دعوت کو منظور کرلیا۔ اس مرتبہ قادیان پہنچ کر ہم لوگوں نے نہایت تفصیل کے ساتھ ہر شعبہ کو تنقیدی نظر سے دیکھا۔ خود حضرت صاحب سے ملے اور دعوت بھی ان کے ساتھ کھائی۔ ہمارے اعزاز میں ایک مشاعرہ بھی منعقد کیا گیا۔ اسکول کو دیکھا اور حضرت صاحب کی مکمل سیکریٹریٹ کی سیر کی جہاں ہر ایک شعبہ کا علیحدہ ناظم تھا اور جتنے ناظم تھے وہ سب نہایت ایثار کے ساتھ اپنی اعلیٰ قابلیتوں کے باوجود، نہایت قلیل معاوضہ پر کام کررہے تھے۔ برادر محترم مولوی محمد عثمان صاحب نے ہم دونوں کی تواضع اور آرام کا ہر ممکن انتظام ہر جگہ کیا اور آخر ہم سب ایک رائے قائم کرکے وہاں سے واپس ہوئے۔ انیس صاحب سیدھے لکھنؤ آ گئے اور مولوی محمد عثمان صاحب اور ہم لاہور گئے...... اور لاہور کی اس دوسری سیر کے بعد اپنے آپ کو لاہور کا اور بھی تشنہ بنا کر واپس آ گئے۔'' (صفحہ 169 تا 171)

شوکت تھانوی مردہ باد

''جماعت احمدیہ کی طرف سے ہر سال جلسہ سیرۃ النبی ﷺ ہوا کرتا تھا اور ہر جلسہ میں ہم ایک نظم پڑھا کرتے تھے مسلسل چار سال تک ہم نے جلسہ میں نظمیں پڑھی تھیں اور اب تک اس جلسہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ تھا مگر ہم تو بڑے مبارک قدم واقع ہوئے ہیں جہاں اور جس معاملہ میں ہمارا دخل ہوجائے پھر خیریت ذرا مشکل ہی سے نظر آتی ہے۔ چنانچہ جس جلسہ کا ہم ذکر کررہے ہیں اس کے لیے صدر ہم کو منتخب کیا گیا تھا اور لکھنؤ میں اس جلسہ کے

خلاف پراپیگنڈہ ہورہا تھا کہ یہ قادیانی جلسہ سیرۃ النبی ﷺ کے پردے میں دراصل اپنی تبلیغ کرتے ہیں اوران کی ''چالاکیوں'' کومسلمان سمجھتے نہیں بلکہ اس دھوکے میں چلے جاتے ہیں کہ یہ جلسہ سیرۃ ہے مگرہم پراس پروپیگنڈے کاکوئی اثر نہ تھا۔ ہمارے پاس بھی لوگ آئے اورہم کومنع کیا مگرہم اپنی رائے پر قائم رہے کہ یہ ذکررسولؐ ﷺ ہے اور ذکر رسولؐ ﷺ خواہ کسی جماعت کی طرف سے بھی ہو ہر مسلمان کے لیے باعث کشش ہونا چاہیئے۔سمجھ میں نہ آیا کہ آخراب اس اختلاف کی کیاوجہ پیدا ہوگئی۔اب سے پہلے ہرسال بڑے بڑے غیر احمدی علماء نے اس جلسہ میں شرکت کی تھی، غیر مسلم مقرر اس میں حضورسرور دوعالم ﷺ کی زندگی پر اپنے خیالات پیش کرتے تھے،شیعہ اورسنی علماء ہرمرتبہ شریک رہے تھےمگراب اس جلسہ کو یکا یک احمدی حضرات کاایک ''داؤ'' سمجھ لیا گیا تھا۔بہرصورت ہم نے کسی کی ایک نہ سنی اورجلسہ کی صدارت کرنے مقررہ وقت پرگنگا پرشاد میموریل ہال پہنچ گئے۔اس وقت بھی ہال کے دروازہ پرایک قسم کی پکٹنگ ہورہی تھی۔لوگوں کوجلسہ کی شرکت سے روکا جارہا تھامگراس کے باوجود جلسہ میں حاضرین کی تعداد کافی تھی۔ہم نے ایک مختصر سے خطبہ صدارت کے بعد جلسہ کی کاروائی شروع کردی مگرحاضرین جلسہ میں بہت سے حضرات اسی غرض سے آئے تھے کہ جلسہ میں ابتری پیدا کریں چنانچہ ہال کے اندرہی کچھ لوگوں نے شوروغل شروع کردیا۔ہم نے ایک مختصر تقریر میں پھرلوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کی کہ آپ حضرات سینماہاؤسز میں خاموش بیٹھ سکتے ہیں اورتماشہ کے اختتام پر''خدا بادشاہ کوسلامت رکھے'' والاترانہ نہایت ادب سے کھڑے ہوکر سنتے ہیں مگر یہاں اس وقت شہنشاہ دوعالمؐ کاذکرہورہا ہے اورآپ اس کوخودسننا تو درکنار دوسروں کوبھی سننے دینا نہیں چاہتے۔فرض کرلیجیے کہ یہ جلسہ احمدیوں کا ہے مگرذکرکن کا ہورہاہے،جن کے نام لیوا آپ بھی ہیں اوررویّہ آپ نے یہ اختیارکیا ہے گویا احمدیوں کی ضد میں آپ ان سے بھی بغاوت کررہے ہیں جو آپ کے ہیں۔مگران الفاظ کابھی بہت کم لوگوں پر اثرہوااس لیے وہ توگھرہی سے طے کرکے آئے تھے کہ جلسہ میں ابتری پیداکریں گے،تھوڑی ہی دیر میں جلسہ کے باہربہت کافی مجمع ہوگیا اورلوگوں نے نعرے بلندکرنا شروع کردیئے جو جماعت احمدیہ کے خلاف تھےمگراس کے باوجود جلسہ کی کاروائی جاری رہی مگرباہر کے شوروغل کا اثراب ہال کے اندربھی پہنچنے لگا۔آخرحاضرین جلسہ میں سے ایک بزرگ نے کھڑے ہوکرکہا کہ میں جناب صدر سے استدعا کروں گا کہ وہ جلسہ کی کاروائی ختم کردیں اس لیے کہ ہم کوذکرحبیبؐ سننے کے لیے جس سکون کی ضرورت ہے وہ یہاں حاصل نہیں ہورہا ہے۔اس آواز کی تائیداورلوگوں نے بھی کی اوراسی وقت باہرسے پھرایک طوفان اٹھا،اب جونعرے بلند ہورہے تھے وہ اس خاکسار کے متعلق تھے یعنی''شوکت تھانوی مردہ باد'' ادھر سے کچھ لوگوں نے نعرہ بلند کیا''شوکت تھانوی زندہ باد'' اورہم حیران تھے کہ ہمیں ان دونوں میں سے کس کے مشورہ پرعمل کرنا چاہیئے۔لوگوں نے ہم کومشورہ دیا کہ آپ پشت کے دروازے سے نکل جائیےمگرہم نے اس کومنظورنہ کیا اوراس وقت اپنے دل میں بلا کی جرأت پیداکر کے ہم صدردروازہ ہی سے باہرنکلے جہاں دورویہ لوگوں کی ایک بہت بڑی بھیڑ ہمارے خلاف نعرے بلندکررہی تھی مگرہمارے پہنچتے ہی پھردوقسم کے نعرے شروع ہوگئے''شوکت تھانوی مردہ باد'' اور''شوکت تھانوی زندہ باد'' اورہم اسی طوفان سے گذرکرسواری تک آئے۔ بانیانِ جلسہ نے اسی درمیان پولیس کابھی انتظام کرلیا تھامگرہم نے باہرنکل کرپولیس کواپنی حفاظت سے روکا اوریہ کہہ کراس مجمع سے گذرنے لگے کہ میرا فیصلہ ان ہی حضرات کوکرنے دیجیے۔ایک صاحبزادے کچھ حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے تھے کہ ان ہی کے چند ساتھیوں نے ان کوروکا اورہم بخیریت مجمع سے گذرکراپنے گھرآگئے۔گھرپراس ہنگامے کی اطلاع پہنچ چکی تھی اورسب بے حد پریشان تھےمگرہم نے گھرجاکرسب کومطمئن کردیا کہ دیکھ لومیرے دھڑ پر میراسر موجود ہےاورمیرے تمام اعضا صحیح سالم ہیں۔(صفحہ 179 تا 181)

بحوالہ(الفضل 16 اگست 1934ء صفحہ 2)۔ اشاعت مکرر(الفضل لندن 21 اکتوبر 2023)



نامور استاد اور مربی میاں محمد ابراہیم صاحب جمونی

بشیر طارق ابن قاری محمد امین صاحب سیسکاٹون، کینیڈا



میاں محمد ابراہیم صاحب اور تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔And in retrospect دونوں کو الگ کر کے دیکھا نہیں جاسکتا کیونکہ ہر دو کا رنگ ایک دوسرے پر نمایاں تھا۔ وہ عہد ساز شخصیت تھے جنہوں نے ہماری تین نسلوں کی تعلیم و تربیت اور کردار سازی کی۔ اگر میں یہ کہوں کہ وہ استادوں کے استاد تھے تو یہ ایک understatement ہوگی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کے حوالہ سے قادیان سے لے کر ربوہ تک وہ ہر کس و ناکس اور خورد و کلاں کے استاد رہے یا دوسرے لفظوں میں ہر known اور well known فرد نے کسی نہ کسی رنگ میں ان سے اکتساب فیض کیا ہے۔ ان کی outreach اور حلقہ اثر ایک معنی میں آفاقی تھا۔ انہوں نے ہمیں اور ہماری نسلوں کو نصابی تعلیم اور تربیت سے ہی آراستہ نہیں کیا بلکہ کھیلوں سے لے کر سوشل زندگی کے لوازمات، ادب و ہنر اور عصری رجحانات کے حوالے سے ہم سب کی گرومنگ بھی کی۔ اور اسی پر بس نہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق دی کہ پیرانہ سالی کے باوجود ایک عشرہ تک انہوں نے سرزمین امریکہ سے بھی اپنوں اور غیروں کی روحانی تربیت میں بھی اپنا نقش چھوڑا۔ اور یوں ہر دو میدانوں میں وہ ایک کثیر گروہ انسانی کے مربی قرار پائے۔

دوسروں کو علم و عرفان سے آراستہ کرنے کے لیے ان کا محرک یا Self-motivation حیرت ناک حد تک Amazing تھا۔ دوسروں کو اس چشمہ سے سیراب کرنے کے لیے ان کی پیاس نہ صرف Insatiable تھی جوان کو کم و بیش 65 سال کی عمر میں کشاں کشاں ایک نوجوان کی طرح دیار غیر میں لے گئی۔ ان کی شخصیت میں ایک معصومیت اور والہانہ پن بھی تھا اور وہ اپنے سٹوڈنٹس اور سکول کی کامیابیوں پر بچوں کی طرح مچل مچل جاتے تھے۔ اپنی ذات کے حوالہ سے عرض کرتا ہوں کہ سن 1963 میں جب میں چھٹی جماعت میں داخل ہوا تو گویا ایک نئی دنیا سے روشناس ہوا۔ میں دارالصدر غربی کے ایک کمیٹی سکول سے آیا تھا جو ایک کمرے پر مشتمل تھا اور پانچ کلاسوں کے لیے ہمارے ایک ہی ٹیچر تھے۔ یوں بلحاظ کیفیت و کمیت یہ ایک بہت بڑی اور عمودی جست تھی اور اس awful transformation کی دھمک دیر تک میرے ساتھ رہی۔

ہائی سکول میں تمام اساتذہ کا رعب و دبدبہ اور ڈسپلن اپنی جگہ۔ لیکن ہیڈ ماسٹر صاحب کا وجود سب پر مستزاد تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ جلد ہی مجھے تقریری مقابلوں کے لیے چن لیا گیا اور آئندہ چار پانچ سال تک میں نے سکول کی طرف سے ضلع، ڈویژن، اور بورڈ کی سطح پر تقریری مقابلوں میں حصہ لیا اور انعامات حاصل کئے۔ اور یوں شروع سے ہی میں ہیڈ ماسٹر صاحب کی براہ راست نگرانی اور تربیت میں آ گیا۔ اور ان کی محبت اور شفقت اور ہر نوع کی حوصلہ افزائی کا مورد رہا۔ اور قریب سے ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کا مشاہدہ کیا۔ اس معاملہ میں ان کی ذاتی خوبیوں اور احسانات کا شمار ناممکن ہے لیکن ان کی یاد اور اظہار عقیدت کے طور پر چند باتوں اور واقعات کا ذکر کروں گا۔

وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے یعنی ہمہ صفت اور ہمہ جہت۔ بظاہر دبلے پتلے لیکن ہر دم چاک و چوبند اور توانا۔ وہ ہر وقت سکول کے لیے کام کرتے تھے یعنی ہر طرح کی دوڑ دھوپ اور محنت اور سفر۔ جب وہ Hectic امور سے فارغ ہوتے تو ہائی سکول کے بارے میں ہی سوچتے اور غور و فکر کرتے تھے۔ میں گمان کر سکتا ہوں کہ حقیقتاً وہ دن میں چوبیس گھنٹے سے زیادہ سکول کو دیتے تھے۔ اس کا اندازہ ان گونا گوں کامیابیوں سے کیا جا سکتا ہے جوان

کی قیادت اور راہ نمائی میں سکول اور سکول کے طلباء نے انفرادی اور اجتماعی طور پر حاصل کیں۔کامیابیوں کا یہ سفر ایک طویل عہد پر محیط ہے۔سکول کی نیک نامی اور ترقی ہر دم ان کے پیش نظر رہتی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے اپنی ذاتی زندگی اور آرام اور اہل وعیال کو وقت دینے جیسے معاملات پر بہت compromise کیا۔

وہ ایک ماڈرن اور روشن خیال انسان تھے اور اعلیٰ پایہ کے تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل تھے۔انگریزی زبان کے ماہر اور سکہ بند استاد تھے لیکن اردو کی تحریر اس سے سوا تھی۔ مجھے کبھی کلاس میں ان سے انگریزی پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا لیکن میں نے دیکھا کہ سالانہ امتحان کے نزدیک آنے پر وہ دسویں جماعت کی اضافی انگریزی کی کلاس شام کے وقت لیتے جو سائنس لیبارٹری میں ہوتی۔ ہمارے اسی پروگرام (یعنی عرفان خان کے یوٹیوب چینل) میں میں نے کسی دوست سے سنا کہ شروع میں انگریزی کی یہ اضافی کلاس اس طور لیتے کہ دسویں جماعت کے تینوں سیکشن کے طلباء اپنی اپنی کلاس کے باہر برآمدے میں بیٹھ جاتے اور شمالی سرے پر وہ اپنے آفس کے باہر ذرا دائیں جانب کرسی پر بیٹھ کر لاؤڈ سپیکر پر ان سب طلباء کو پڑھاتے جو یقینی طور پر ان کی شفقت اور توجہ کا ایک اچھوتا انداز تھا۔وہ ایک سپورٹس مین تھے، کرکٹ کے ماہر کھلاڑی اور نقاد۔جموں میں اپنی کالج کرکٹ ٹیم کے کپتان بھی رہے اور فرسٹ کلاس لیول کی کرکٹ بھی کھیلی۔قادیان اور ربوہ میں بھی نہ صرف خود کرکٹ کھیلتے رہے بلکہ اس کی تنظیم سازی بھی کی۔انہوں نے سکول میں کھیلوں اور غیر نصابی سرگرمیوں کو بہت فروغ دیا۔اس میدان میں سکول نے اپنی حیثیت سے بہت بڑھ کر نام کمایا۔میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے ان کامیابیوں کو ایک Tool کے طور پر جماعت کی نیک نامی اور خاموش تبلیغ کا ذریعہ سمجھ کر استعمال کیا جس میں وہ بے حد کامیاب رہے۔ہمارے سکول کا پروفائل تعلیمی اور سوشل حلقوں میں بہت بلند ہوا۔ان غیر معمولی کامیابیوں کی وجہ سے ضلع اور ڈویژن کی سطح پر ان کو لیڈرشپ کا رتبہ حاصل ہوا جس کا مشاہدہ میں نے ذاتی طور پر کئی مواقع پر کیا۔انہوں نے ذاتی توجہ اور دلچسپی سے سکول کی کرکٹ ٹیم بنائی اور براہ راست اس کی کوچنگ کرتے۔سکول کے پاس اپنی رہائش گاہ کے باہر کرسی پر بیٹھ کر ٹیم کے پریکٹس سیشن ملاحظہ کرتے۔

ہر سال سردیوں میں ضلع کی سطح پر مختلف شہروں کے سکولوں کے درمیان کھیلوں اور تقریروں وغیرہ کے مقابلہ جات ہوتے جو ہمارے لیے ایک Great Carnival کی طرح ہوتا اور Olympic contingent کی مانند کھلاڑیوں اور مقابلہ جات میں حصہ لینے والوں کے علاوہ کھیلوں کے انچارج اساتذہ، باورچی، دیگر ملازمین، اور ساز و سامان سے لیس تیس چالیس افراد کا قافلہ میاں صاحب کی قیادت میں عازم جھنگ ہوتا۔سفر کے لیے مختلف ذرائع استعمال کئے جاتے اور ہم اکثر بس کے ذریعہ لائل پور سے ہوتے ہوئے جھنگ پہنچتے۔یہاں ہمارا قیام کسی سکول کے خالی کمروں میں ہوتا اور اگلے آٹھ دس دن کے لیے اولمپک سٹی بس جاتا۔دن کے وقت کھیلوں کے مقابلے اور رات کے وقت تقریری مقابلے ہوتے۔ہر دن ہمارے سکول کے انعامات کی تعداد بڑھتی رہتی۔رات کو ہم طلباء فرش پر اور ہمارے اساتذہ چارپائیوں پر سوتے اور سب اپنے ہی باورچی کا بنا ہوا کھانا تناول کرتے۔ تقریری مقابلوں کے لیے ہمارے انچارج استاد لطف الرحمٰن محمود صاحب تھے۔ان کے بعد عبدالرشید ملک صاحب انچارج مقرر ہوئے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے ہمارا کرکٹ کا ایک میچ ایم بی ہائی سکول جھنگ کی ٹیم کے ساتھ تھا۔جس میں امتیاز راجیکی اور بشیر الدین شمس کی 100 رنز سے زیادہ کی پارٹنرشپ ہوئی اور میچ ہم نے جیت لیا۔امتیاز راجیکی بڑا سٹائلش تھا۔سٹار پلیئر زکی طرح لمبے بال اور لمبا رن اپ اور بیٹنگ بھی خوب کرتا تھا۔جبکہ بشیر الدین شمس ایک اسپرٹ بیٹس مین شاید اوپنر تھا۔اس سال تقریری مقابلوں کی ٹیم میں میرے علاوہ ظہیر الدین منصور، لئیق عابد، اور انگریزی میں غالباً منور انیس بھی تھے۔میں نے اور لئیق عابد نے انعامات حاصل کئے۔ہمارے بعد تقریری مقابلوں میں عبدالخالق خالد نے بھی سکول کے لیے ضلع کی سطح پر بہت انعامات جیتے۔

ہیڈ ماسٹر میاں ابراہیم صاحب بہترین منتظم تھے اور اس حوالہ سے Minor جزئیات اور تفصیلات کا خیال رکھتے تھے۔ مقابلہ جات کی تیاری بہت پہلے شروع کر دی جاتی اور اس کی مشق کرواتے۔ مثلاً تقریری مقابلوں کے لیے مہینوں پہلے تیاری شروع ہو جاتی۔ صبح دس گیارہ بجے ان کا مددگار کارکن میری کلاس میں آتا اور مجھے اپنے ساتھ لے جاتا۔ میاں صاحب گراؤنڈ میں ٹہلتے رہتے اور میں ایک جگہ کھڑے ہو کر تقریر کو دہراتا، اور وہ لفظوں اور تلفظ کی جا بجا اصلاح کرتے۔ بسا اوقات وہ مجھے پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب، چوہدری محمد علی صاحب، اور پرویز پروازی صاحب کے پاس بغرض اصلاح بھیجتے۔ پروفیسر نصیر خاں صاحب تقریر کے ڈرافٹ کی درستگی کرتے اور اس کی نوک پلک سنوارتے۔ یہ سب کام ایک مہم کے طور پر کیا جاتا۔ وہ ہمارے لیے بہت اعلیٰ Goal اور اہداف مقرر کرتے اور ہمیں اپنے لیول سے بڑے ماحول میں Expose کرتے۔ مثلاً میں ساتویں کلاس میں تھا تو تعلیم الاسلام کالج میں آل ربوہ مباحثہ ہوا جس میں کالج، جامعہ اور سکول کے طلباء نے حصہ لیا۔ عطاء المجیب راشد بطور صدر کالج یونین صدارت کر رہے تھے۔ صاحبزادہ جمیل لطیف اور مرزا فرید احمد اور دیگر نامور طلباء اس میں شامل ہوئے۔ لطف الرحمٰن محمود صاحب نے تقریر لکھی اور میاں صاحب نے میری خوب مشق کروائی اور یوں میں اس مباحثہ میں اول آیا۔ میاں صاحب اپنے اس پائلٹ پراجیکٹ کی کامیابی پر بہت خوش اور نازاں تھے اور وہ خوبصورت منظر کی خوشبودار فضا میرے ذہن کو آج تک معطر کئے ہوئے ہے۔

اتنا وقت گزرنے کے بعد جب میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو وہ مجھے ایک Charismatic شخصیت کے حامل نظر آتے ہیں جن کی ایک اپنی مخصوص presence value تھی۔ وہ اکثر صبح اسمبلی میں آتے اور عموماً اس طرح شروع کرتے کہ میں نے دو باتیں کہنی ہیں اور نہایت اختصار اور Clarity سے بات سمجھاتے جسے ہم آج کی اصطلاح میں order of the day بھی کہہ سکتے ہیں۔ وہ خود اسمبلی کو Preside نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کام ماسٹر سعد اللہ خاں صاحب کے ہی سپرد تھا۔ لیکن وہ دور کھڑے ہو کر سب چیزوں کا مشاہدہ کرتے۔ اسمبلی میں ماسٹر سعد اللہ خاں صاحب تازہ خبریں بھی سناتے۔ اکثر حافظ صدیق خوبصورت لحن میں تلاوت کرتا اور ہمارا صبح کا اسمبلی سیشن عموماً طور پر بہت Fulfilling ہوتا۔ ان کی حیثیت ایک شجر سایہ دار کی مانند تھی۔ لیکن وہ دوسروں کو بھی پورا موقعہ اور Space دیتے نیز طلباء اور اپنے رفیق اساتذہ کی حوصلہ افزائی کرتے اور ان کی کامیابیوں کو acknowledge کرتے۔ مثلاً ان کے دور میں چوہدری عبدالرحمٰن صاحب، سعد اللہ خاں صاحب، چوہدری غلام رسول صاحب، اور لطف الرحمٰن محمود صاحب بہت نمایاں رہے۔

مجھے یاد ہے کہ غالباً 1967 میں ہمارے سکول کے نئے تعمیر شدہ ہال کا افتتاح ہوا اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ؒ تشریف لائے۔ سکول کے سب طلباء سے حضور کی فرداً فرداً بالمشافہ ملاقات ہوئی۔ جب میرا نمبر آیا تو لائن کو روک کر ہیڈ ماسٹر صاحب نے حضور سے میرا تعارف کرایا کہ یہ انعامات وغیرہ لیتا ہے۔ حضور جو میرے ابا کی وجہ سے مجھے پہچانتے تھے خوش ہوئے اور میرے گال تھپتھپائے۔ تو یوں میاں صاحب کی بدولت خلیفہ وقت نے میرے لیے خوشنودی کا اظہار فرمایا جو میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔

سکول سے ریٹائرمنٹ کے بعد انہیں بطور مبلغ اسلام امریکہ بھجوایا گیا جہاں وہ کم و بیش دس سال رہے اور یہ وقت فیملی کے بغیر گزارا۔ وہ زیادہ عرصہ ڈیٹن شہر میں رہے۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ کھانا پکانے کا اچھا انتظام نہ ہونے کے باعث وہ اکثر بسکٹ اور چائے پر ہی گزارہ کرتے۔ امریکہ سے واپسی پر لمبا عرصہ اپنے نئے تعمیر شدہ مکان واقع دارالعلوم ربوہ میں رہے۔ ان کے منجھلے صاحبزادے میاں اسحاق صاحب حبیب بنک میں میرے سینئر کولیگ اور ربوہ برانچ کے پہلے مینجر تھے۔ میں اکثر ان سے ملنے جاتا تو اکثر ان کے گھر جاتا تو میاں صاحب سے تفصیلی ملاقات اور باتیں ہوتیں۔ وہ کرکٹ میچ کی کمنٹری ریڈیو اور ٹی وی پر پورے شوق سے سنتے اور اپنے اکسپرٹ تجزیہ سے ہمیں نوازتے۔ حالات حاضرہ اور سیاسی امور پر بھی بات

چیت کرتے ۔ان کی طبیعت میں شگفتگی تھی اور وہ اپنی خوب صورت اور دانائی سے معمور باتوں سے محظوظ کرتے ۔ان مجلسوں میں میرا دوست اور ان کا شاگرد ملک نصیر مرحوم بھی میرے ساتھ ہوتا اور جی بھر کر کے ہم ان کی تواضع اور مہمان داری سے حصہ پاتے ۔اور ایک عرصہ تک ہمارا یہی معمول رہا۔

میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ انگریزی کے علاوہ وہ اردو کے بھی عمدہ انشا پرداز تھے ۔اور ان کے مضامین اکثر الفضل میں شائع ہوتے ۔خاص طور پر وہ وفات پانے والے بزرگوں اور دوستوں کی یاد میں لکھے گئے کالم نما مضامین لکھتے جو بعد میں ایک روایت اور ان کی پہچان بن گئی ۔اور لوگ انتظار کرتے کہ کب اور کس فوت شدہ بزرگ کے بارے میں وہ اظہار خیال کریں گے ۔ان کے الفاظ کی برجستگی اور نکھار اور خیالات کی سادگی اور کھراپن بہت بھلا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے ان کے ساتھ بہت سفر کیا۔اکثر یوں ہوتا کہ ڈویژنل مقابلوں کے لیے میں اکیلا ہی کوالیفائی کرتا تو دو تین دفعہ ہم ان مقابلوں کے لیے سرگودھا گئے ۔ بہت meticulous تھے ۔دونوں مرتبہ مجھے کہا کہ فلاں وقت پر ربوہ کے بسوں کے اڈے پر پہنچ جاوٴ۔دراصل وہ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی بس پر سفر کرتے جو دن میں ایک یا دو بار ربوہ سے گزرتی ۔سیاہ رنگ کی یہ پرانی سی بس تھی جو دوسری بسوں کے مقابلے پر بہت کم رفتار تھی ۔لیکن وہ اسی کو ترجیح دیتے ۔دوران سفر وہ زیر لب دعائیں کرتے رہتے ۔اور غیر ضروری باتوں سے گریز کرتے ۔

ایک دفعہ سرگودھا سے واپسی پر بہت دیر ہوگئی ۔تقریری مقابلہ تو ہم نے جیت لیا لیکن کسی کام کی وجہ سے واپس بذریعہ ماڑی انڈس ٹرین سے آنا پڑا۔ڈبہ میں میرے اور میاں صاحب کے علاوہ ملک حبیب الرحمٰن صاحب بھی تھے جو اس وقت ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز تھے ۔اور بعد میں وہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر بھی مقرر ہوئے ۔راستہ بھر وہ سکول کے معاملات پر بات چیت کرتے رہے ۔ربوہ پہنچنے پر اسٹیشن پر صرف ایک تانگہ تھا۔ میاں صاحب نے رات کے وقت پہلے مجھے میرے گھر دارالصدر غربی میں ڈراپ کیا، اس کے بعد دارالعلوم تشریف لے گئے ۔ان کی پدرانہ شفقت کی یاد مجھے آج بھی آب دیدہ کر دیتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا رحم اور فضل دیکھئے کہ ان کی اور میرے دیگر اساتذہ کی دی ہوئی تعلیم و تربیت اور دعاوٴں کے نتیجہ میں 1984 میں مجھے نئی کار خریدنے کی توفیق ملی اور متعدد بار حضرت میاں صاحب کو سرگودھا اور فیصل آباد تک بطور ڈرائیور لے جانے کی سعادت پائی جو میرے لیے فخر اور اعزاز کی بات ہے ۔ اور کئی مرتبہ انہوں نے میری بیوی اور بچوں پر دست شفقت رکھا اور دعائیں دیں ۔ یا یوں کہیئے کہ اس کہانی کو شروع کرتے ہوئے انہوں نے ایک استاد اور مربی اور راہ نما کی حیثیت سے ایک گیارہ سالہ بچے کو اپنے حلقہ اثر میں لیا۔اس کو عملی زندگی کے حروف ابجد سے آگاہ کیا۔انگلی پکڑ کر اور اپنی عافیت کے سایہ میں باہر کی دنیا سے روشناس کرایا۔اس کو شعور اور آگہی دی کہ وہ اپنے پاوٴں پر کھڑا ہو جائے اور اپنے لیے روزی اور رزق حاصل کر سکے ۔اور پھر اس قابل ہو جائے کہ اپنے اس محسن اور مربی کی کچھ قدم بوسی کر سکے ۔تو یوں میری ذات کی حیثیت تک میاں ابراہیم صاحب نے اس خوبصورت دائرے اور کہانی کو مکمل ہوتے دیکھا۔حقیقت یہ ہے کہ یہ انسانی دائرے ان کے ہزاروں بلکہ لاکھوں شاگردوں کی صورت میں ظاہر ہوئے ۔اپنا ذکر تو میں نے ایک علامت کے طور پر کیا ہے ورنہ میں کیا اور میری حقیر ذات کیا۔

مقام مسرت ہے کہ سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے کامیاب و کامران شاگرد آسمان علم و ہنر کی وسعتوں میں نجوم کی طرح جگمگا رہے ہیں ۔اور یہ سب ان کا اور ان جیسے دیگر اساتذہ کا احسان اور صدقہ جاریہ ہے ۔اور سچ پوچھیں تو this is the bottom line ۔اور یہی حاصل کلام اور آج کی اس نشست کی وجہ غایت ہے ۔خدا تعالیٰ آپ کو غریقِ رحمت کرے ۔

(یہ مضمون عرفان احمد خاں جرمنی کے یوٹیوب پروگرام ٹی آئی سی میموریز میں پڑھا گیا۔)



تاریخ کا ایک ورق

محترم میاں ممتاز محمد خان دولتانہ سفیر پاکستان کی مسجد فضل لندن آمد اور تاریخی خطاب



عطاء المجیب راشد۔ امام مسجد فضل لندن

احمدیت کی تاریخ کے بہت سے اہم تاریخی واقعات ہیں جو ماضی کی تاریخ کے اوراق میں گم ہو کر نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ 1972 میں پاکستان کے سفیر محترم میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کی جماعت احمدیہ کی بنائی ہوئی لندن کی پہلی مسجد۔ مسجد فضل میں تشریف آوری اور احباب سے تاریخی خطاب ہے۔ اس کی رپورٹ شائع شدہ اخبار احمدیہ لندن کے حوالہ سے درج ہے۔

اجلاس عام کی تفصیلی خبر

مورخہ 13 اگست کو چار بجے شام محمود ہال میں جماعت احمدیہ لندن کا ماہانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پاکستان کے سفیر مقیم برطانیہ جناب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے شرکت کی۔ اور اپنی صدارتی تقریر میں جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کی تعریف کی۔

اس تقریب میں احباب جماعت بہت کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔ علاوہ ازیں بہت سے غیر از جماعت لوگ بھی احمدی احباب کے ہمراہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ اجلاس سے قبل جملہ حاضرین اور مہمان حضرات کی خدمت میں چائے پیش کی گئی۔ اس کا اہتمام لندن مشن کے احاطہ میں گارڈن پارٹی کی صورت میں کیا گیا تھا۔



چائے سے فارغ ہونے کے بعد احباب محمود ہال میں تشریف لائے۔ سب سے پہلے محترم جناب بشیر احمد خان صاحب رفیق امام مسجد لندن نے تقریب کے مہمان خصوصی مکرم جناب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ سفیر پاکستان کی خدمت میں استقبالیہ ایڈریس پیش کیا اور تعارف کے طور پر مسجد فضل لندن اور لندن مشن کے بارہ میں مختصر طور پر ذکر کیا۔ آپ نے برطانیہ میں مقیم احمدیوں کی طرف سے وطن عزیز پاکستان کی سلامتی اور استحکام کے لیے کی جانے والی خدمات کا تذکرہ کیا اور یقین دلایا کہ ہم ہمیشہ ملک اور قوم کی خدمت پر کمربستہ رہیں گے۔



محترم امام صاحب کی درخواست پر جناب دولتانہ صاحب نے کرسی صدارت سنبھالی اور کاروائی کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا جو مکرم عطاء المجیب صاحب راشد نے کی۔ بعد ازاں مکرم جناب نسیم احمد صاحب نمائندہ خصوصی ''ڈان'' کراچی مقیم برطانیہ نے ''پاکستان کے حالات اور مستقبل'' کے موضوع پر انگریزی میں

خطاب کیا۔آپ نے پاکستان کے سیاسی حالات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔

اس کے بعد صاحب صدر جناب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ سفیر پاکستان نے تقریر کی۔آپ نے کہا کہ یہ امر میرے لیے بے حد مسرت کا باعث ہے کہ آج مجھے لندن مسجد میں آنے کا موقع ملا ہے۔آپ نے کہا کہ آج سے 39 برس پیشتر جب میں اپنی زندگی میں پہلی بار یورپ آیا تو لندن میں اپنی مغربی زندگی کے چند ابتدائی ایام مجھے اسی مسجد میں بسر کرنے کا موقع ملا تھا اور گویا مغربی دنیا میں میں نے اپنی آنکھ اسی مسجد کے زیرِ سایہ کھولی۔مسجد کے پرسکون ماحول میں گزارے ہوئے ان ایام کی یاد آج بھی میرے دل میں تازہ ہے اور آج گویا میں انہی پرانی یادوں کو تازہ کرنے اور تجدید وفا کے سلسلہ میں یہاں حاضر ہُوا ہوں۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے جناب دولتانہ نے کہا کہ میں آج یہاں تجدید وفا کے ساتھ ساتھ آپ کی ان گرانقدر خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر ہُوا ہوں جو آپ نے ہمارے روحانی ورثہ یعنی اسلام کی سرانجام دی ہیں۔ میں ان خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔آپ نے اس عزم اور خواہش کا اظہار کیا کہ مستقبل میں بھی مجھے اس جگہ بار بار آنے کا موقع ملے گا۔ اور ہمیشہ خوشی کے ساتھ اس جگہ حاضر ہوں گا اور یہ امر میرے لیے ہمیشہ ہی خوشی اور سعادت کا موجب ہوگا۔

جناب دولتانہ نے قریباً پون گھنٹہ خطاب کیا جس میں پاکستان کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ جمہوریت ہی میں ہماری کامیابی کا راز مضمر ہے۔

صاحب صدر کی تقریر کے بعد محترم جناب امام بشیر احمد خان صاحب رفیق نے جناب دولتانہ صاحب، جناب نسیم احمد صاحب اور جملہ احباب جماعت کا شکریہ ادا کیا اور یہ تقریب نہایت کامیابی سے اختتام پذیر ہوئی۔

اخبارات ورسائل نے تقریب کی خبریں اور تصاویر شائع کیں۔

(اخبارِ احمدیہ لندن۔ ستمبر 1972)

نعتِ نبی

قدسیہ نور فضا

خدا کے نور کا، حسن و جمال کا مظہر
بلند شان وہ جاہ و جلال کا مظہر

وہ جسکا نام محمّدؐ ہے اور احمدؐ بھی
خدا سے ہو گیا کامل وصال کا مظہر

کلام اس یہ اتارا گیا زمانوں کا
تھا اس کا قول فقط تیرے قال کا مظہر

نبی تمام تھے اس کی صفات میں پنہاں
بنا وہ سب کے وجودِ ظلال کا مظہر

یتیم لعل وہ یکتا تھا ذات میں اپنی
خلیل کی تھی دعا، اس کی آل کا مظہر

ہر ایک چشمۂ عرفاں رواں ہوا اس سے
مٹھاس میں ہے وہ آبِ زلال کا مظہر

ملی خدا سے بصیرت کمال تھی اُس کو
مقام اس کا ہے اوجِ کمال کا مظہر

چمک رہا تھا افق پر جو کوکبِ درّی
شعاعِ نور میں بدر و ہلال کا مظہر

نثار اس پہ مرا دل ہو جان بھی میری
بنوں میں اس کے لیے پھر بلال کا مظہر




مسئلہ ظل و بروز کی حقیقت (قسط اوّل)

رحمت اللہ بندیشہ۔ استاد جامعہ احمدیہ جرمنی

بالعموم حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی تحریرات میں ظلی، بروزی اور تابع نبی وغیرہ کی اصطلاحیں دیکھ کر غیر احمدی علماء یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ بروز اور ظل وغیرہ کے تصوّرات عجمی اور غیر اسلامی تصوّرات ہیں لہٰذا ان تصوّرات سے جس بھی نظریے کو سند دی جائے گی وہ غیر اسلامی ہوگا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ جس مفہوم میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے اپنی کتب میں تحریر فرمائے ہیں بالکل انہی مفاہیم کے ساتھ پرانے بزرگ علماء کی کتب میں بھی پائے جاتے ہیں۔

مثلاً حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لیے منتخب کیا جو خُلق اور خُو اور ہمت اور ہمدردی خلائق میں اس کے مشابہ تھا اور مجازی طور پر اپنا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا تا یہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہٖ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور تھا'' (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 263) اس عبارت پر اور اسی طرح کے مضامین پر مشتمل دیگر عبارات پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اس طرح مجازی ظہور غیر اسلامی تصور ہے۔ کبھی اسے ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اس طرح کا عقیدہ رکھنے سے (نعوذ باللہ) دو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماننے پڑتے ہیں ایک مکہ میں اور دوسرے قادیان میں۔ اس طرح کی باتیں کر کے عام مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکایا جاتا ہے حالانکہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی تمام عبارات کو سیاق و سباق کے ساتھ پڑھا جائے تو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کردہ مضامین بہت آسانی سے سمجھ آ جاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجازی ظہور کا ذکر اسلامی لٹریچر میں ملتا ہے۔ بزرگان سلف نے اپنی کتب میں اس کا ذکر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بنیادی طور پر حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور جس موعود کے آنے کی الٰہی نوشتوں میں خبر دی گئی تھی وہ آپ کی بابرکت ذات ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے الہام میں فرمایا: ''مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔ وَكَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا''

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 402)

مذکورہ بالا الہام میں بنیادی طور پر دو دعوے ہیں پہلا دعویٰ وفات مسیح کا ہے اور اس پر بنیاد رکھتے ہوئے دوسرا دعویٰ حضرت مرزا صاحبؑ کا مثیل مسیح ہونے کا ہے۔ اگر آپ کے الہام میں پہلا دعویٰ وفات مسیح کا غلط ہے جو دوسرے دعویٰ کی بنیاد ہے تو لازماً دوسرا دعویٰ مثیل مسیح ہونے کا سو فیصد غلط ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے مخالفین کو چیلنج دیا کہ اگر تم حیات مسیح ثابت کر دو تو اس صورت میں میری طرف سے ایک نشان کیا اگر ایک لاکھ نشانات بھی ہوں تب بھی وہ قابل قبول نہیں ہوں گے۔

دراصل اس چیلنج کے نتیجے میں حیات مسیح کا عقیدہ رکھنے والوں کو اپنا عقیدہ قرآن کریم، احادیث نبویہ اور عقلی مشاہدات سے ثابت کرنا پڑے گا۔ جو نہ وہ پہلے کر سکے ہیں اور نہ آئندہ کر سکیں گے۔ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ علیہ السلام نے اپنے زمانے کے علماء کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا: ''میں وعدہ کرتا

ہوں کہ اگر مسیح ابن مریم کی حیات...... ثابت ہو جائے تو میں اپنے الہام سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ قرآن کریم سے مخالف ہو کر کوئی الہام صحیح نہیں ٹھہر سکتا۔ پس کچھ ضرور نہیں کہ میرے مسیح موعود ہونے میں الگ بحث کی جائے۔ بلکہ میں حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ اگر میں ایسی بحث وفات عیسیٰ میں غلطی پر نکلا تو دوسرا دعویٰ خود چھوڑ دوں گا۔ اور ان تمام نشانوں کی پروا نہیں کروں گا جو میرے اس دعوے کے مصدق ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم سے کوئی حجت بڑھ کر نہیں۔'' (اشتہار 2/اکتوبر 1891ء بحوالہ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 235 تا 236)

پس ہمارا اور غیر احمدیوں کا بنیادی اختلاف اصلاح امت کے لیے آنے والے مسیح موعود ''نبی اللہ'' (صحیح مسلم) کی شخصیت میں ہے۔ غیر احمدیوں کے نزدیک سابقہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اصالتاً آئیں گے، جبکہ ہمارے نزدیک وہ فوت ہو چکے اور قرآن وحدیث میں جس مسیح نبی اللہ کے آنے کی خبر ہے وہ مثیل ابن مریم ہیں نہ کہ اصل عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔ اس تمثیل کو سنتے ہی بمطابق بیان قرآن غیر احمدیوں کی صفوں میں ایک شور مچ جاتا ہے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ (الزخرف، آیت 58) اور جب ابن مریم کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے تو اچانک تیری قوم اس پر شور مچانے لگتی ہے۔ ورنہ تو فنا فی اللہ، فنا فی الرسول اور فنا فی الشیخ کی صوفیانہ اصطلاحات تو زبان زد عام ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے کہا جاتا ہے کہ:

من تو شُدم تو من شُدی	من تن شُدم تو جاں شُدی
تاکس نگوید بعد ازیں	من دیگرم تو دیگری

(امیر خسرو دہلوی)

یعنی میں تُو بن گیا ہوں اور تُو میں بن گیا ہے، میں تن ہوں اور تو جان ہے۔ پس اس کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے۔

اسی طرح بقول بلھے شاہؒ:

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی	سدّ و نی مینوں دھید و سکھیو رانجھا، ہیر نہ آکھو کوئی

مفہوم: رانجھا یعنی اپنے محبوب کو پکارتے پکارتے میں نے اپنی ہستی فراموش کر دی اب مجھے کوئی ہیر نہ کہے بلکہ رانجھا ہی کہے۔

اس قسم کے صوفیانہ اقوال کو اسلامی عقائد کا جزو اور عشق الٰہی و عشق رسول کریم ﷺ کی معراج گردانے والے غیر احمدی حضرات، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ مثیل مسیح اور ظل و بروز کے متعلق کہتے ہیں کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ایسا نہیں کہ دور حاضر کے غیر احمدی علماء قرآن وحدیث کی ان تعلیمات، بزرگان دین واولیائے کرام کے اقوال اور ماضی قریب کے اپنے بزرگوں کی باتوں سے بے خبر ہیں۔ وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ بطور مثیل کسی کا ظہور ہرگز غیر اسلامی نہیں ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی اپنی امت کی حالت کی خبر کو پورا کرتے ہوئے علمائے یہود و نصاریٰ کا طرز عمل اپنایا ہے۔

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَالِكَ، وَإِنَّ بنی إسرائيل تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي (ترمذی أبواب الایمان باب افتراق هذه الامة)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ افْتَرَقَتْ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَإِنَّ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، كُلُّهَا فِي النَّارِ، إِلَّا وَاحِدَةً وَهِيَ: الْجَمَاعَةُ

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، بَابُ افْتِرَاقِ الْأُمَمِ۔حدیث نمبر 3993)

پس عملاً یہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے علماء کو یہودی علماء کا مثیل قرار دیتے ہوئے فرمایا۔"اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی علماء سوء کہ طالبِ دنیا باشند وخوگرفتہ بہ تقلید سلف ومعرض از نصوص کتاب وسنت وتعمق وتشد یا استحسان عالمی را مستند ساختہ از کلام شارع معصوم بے پرواشدہ باسندو احادیث موضوعہ وتاویلات فاسدہ را مقتدائے خود ساختہ باشند تماشا کن "کأنہم ھم"

(الفوز الکبیر مع فتح الخبیر فی اصول التفسیر باب اول صفحہ 10۔مطبع مجتبائی دہلی)

ترجمہ: "اگر آج آپ ان علمائے یہود کا عملی نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو اپنے اردگرد اُن علمائے سوء کو دیکھ لیں جو دنیا پرست ہیں۔اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید میں گرفتار ہیں۔قرآن وسنت کے واضح احکام سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔کسی عالم یا فقیہ کے غلط اجتہاد اور قیاس کو سند اور معتبر قرار دیتے ہیں اور اس کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ جو کہ معصوم شارع ہیں، کی صحیح احادیث کی بالکل پروا نہیں کرتے، بلکہ جھوٹی حدیثوں اور غلط تاویلوں کو اپنا امام اور رہنما بنائے ہوئے ہیں"(گویا کہ یہ وہی ہیں۔ناقل)(الفوز الکبیر۔تالیف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ترجمہ پروفیسر مولانا محمد رفیق چودھری۔صفحہ نمبر 33۔ناشر مکتبہ قرآنیات یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور۔اشاعت اوّل 2013)

پس مخالفین، حق کو چھپاتے ہوئے عوام کے سامنے، اسلام کے بجائے اپنا خود ساختہ دین پیش کرتے ہیں۔آیئے دیکھتے ہیں کہ انسانوں میں ایک کا دوسرے کا مثیل ہونا کیا غیر اسلامی عقیدہ ہے؟

ظل اور بروز کی اصطلاح کا مطلب

حقیقت یہ ہے کہ بروز کا تصوّر عین اسلامی تصور ہے۔اس کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے۔یہی وجہ ہے کہ بزرگان سلف نے اس بارے میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ بروز سے کیا مراد ہے؟ اس اصطلاح کا کیا مطلب ہے۔اس کی تفصیلات وغیرہ سب اسلامی لٹریچر میں موجود ہیں۔

سب سے پہلے یہ معلوم کرتے ہیں کہ بروز سے کیا مراد ہے؟ "بروز" عربی زبان کا لفظ ہے۔یہ ب ر ز کے مادے سے بنا ہے۔اس کے معنی ظہور اور خروج کے ہوتے ہیں۔چنانچہ لسان العرب جو کہ عربی لغت کی جامع ترین کتاب ہے اس میں بروز کے بارہ میں لکھا ہے کہ "وَهُوَ الظُّهُورُ وَالْخُرُوجُ" کہ بروز سے مراد ظاہر ہونا اور باہر نکلنا ہے۔یعنی بروز کے مفہوم میں مخفی اور چھپی ہوئی چیز ظاہر ہونا، منظر عام پر آنا خاص طور پر شامل ہے۔ اسی طرح لکھا ہے کہ "كُلُّ مَا ظَهَرَ بَعْدَ خَفَاءٍ فَقَدْ بَرَزَ" یعنی ہر وہ چیز جو کہ پوشیدگی کے بعد ظاہر ہو، کہتے ہیں کہ "برز" یعنی اس کا بروز ہو گیا اسی طرح لکھا ہے کہ "بَرَزَ إِذَا ظَهَرَ بَعْدَ خُمُول" برز کا ایک مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز زاویہ خمول اور پوشیدگی سے ظاہر ہو جائے۔

(ابن منظور، لسان العرب، جلد 1 صفحہ 255۔زیر لفظ برز: قاھرہ مصر)۔

اس سے واضح ہو گیا کہ بروز کا لفظ عربی لفظ ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز جب نظروں سے اوجھل ہو اور پھر ظاہر ہو۔

اسی طرح کے معانی علامہ راغب اصفہانی کی قرآن مجید کی لغت کی مشہور کتاب المفردات فی غریب القرآن میں بھی بیان ہوئے ہیں کہ وإمّا أن يظهر بفضله، وهو أن يسبق في فعل محمود، وإمّا أن ينكشف عنه ما كان مستورا منه (المفردات فی غریب القرآن از علامہ

راغب اصفہانی۔زیر لفظ برز)یعنی دوم ''بُرُزٌ'' کے معنی فضیلت ظاہر ہونے کے ہیں،جوکسی محمود کام میں سبقت لے جانے سے حاصل ہوتی ہے۔(3)کسی مستور چیز کا منکشف ہوکر سامنے آجانا''(مفردات القرآن اردو جلد نمبر 1۔ترجمہ از مولانا محمد عبدہ فیروز پوری۔شائع کردہ اسلامی اکادمی۔صفحہ نمبر 105۔زیر لفظ ب۔ر۔ز)

پس بروز کے معنوں میں یہ بھی شامل ہے کہ کوئی شخص اپنی کسی فضیلت کے ذریعہ ظاہر ہوجائے۔اور وہ یہ کہ کسی قابل تعریف کام میں باقی لوگوں سے سبقت لے جائے۔گویا بروز سے مراد یہ ہے کہ موصوف کی کوئی مخفی خوبی ظاہر ہوجائے اور اس میں وہ بہت نمایاں ہوجائے اور باقی سب پر سبقت لے جائے۔

علمائے سلف وخلف نے بروز کے وہی معانی کیے ہیں جو کہ جماعت احمدیہ کرتی ہے۔چنانچہ حضرت قطب العالم شیخ المشائخ شیخ محمد اکرم صابری صاحب الحنفی القدوسی بروز کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''روحانیتِ کُمّل گاہے برار باب ریاضت چناں تصرّف می فرماید فاعلِ افعالِ اومی گردد وایں مرتبہ راصوفیہ بروزمی گویند'' ترجمہ:کامل لوگوں کی روحانیت ارباب ریاضت پر ایسا تصرف کرتی ہے کہ وہ روحانیت ان کے افعال کی فاعل ہوجاتی ہے اس مرتبہ کوصوفیاء بروز کہتے ہیں۔(اقتباس الانوار۔صفحہ۔5251)یعنی روحانیت میں کامل لوگوں کی روحانیت بسااوقات سالکوں پر اس انداز سے تصرف فرماتی ہے کہ ان کے افعال کی فاعل ہوجاتی ہے اورصوفیاء اس مرتبہ کو بروز کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ چاچڑاں شریف والے جن کے مرید پاکستان کے سرائیکی علاقہ میں کثرت سے موجود ہیں بروز کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''وَالْبُرُوْزُ اَنْ یُّفِیْضَ رُوْحٌ مِنْ اَرْوَاحِ الْکُمَّلِ عَلٰی کَامِلٍ کَمَا یُفِیْضُ عَلَیْہِ التَّجَلِّیَاتُ وَھُوَ یَصِیْرُ مَظْھَرَہٗ وَیَقُوْلُ اَنَا ھُوَ'' ترجمہ:بروز یہ ہے کہ کاملین کی ارواح میں سے کوئی روح کسی کامل انسان پر افاضہ کرے جیسا کہ اس پر تجلیات کا افاضہ ہوتا ہے اور وہ اس کا مظہر بن جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں وہی ہوں۔

(مقابیس المجالس المعروف بہ ارشادات فریدی،مؤلفہ رکن الدین،حصہ دوم صفحہ 111؍110،مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ 1321ھ)

یعنی بروز یہ ہے کہ ایک روح دوسری اکمل روح سے فیضان حاصل کرتی ہے،جب اس پر تجلیات کا فیضان ہوتا ہے۔تو وہ اس کا مظہر بن جاتی ہے اور کہتی ہے کہ میں وہ ہوں۔

پس کتب لغت اوران بزرگان کی تعریفِ بروز سے واضح ہے کہ جب کوئی وجود کسی دوسرے وجود کا مثیل اور ہم صفت ہوجاتا ہے اور اس حد تک ایسی ہی صفات اس میں ظاہر ہوجاتی ہیں کہ وہ اسی وجود کا دوسرا نمونہ بن جاتا ہے۔گویا اس وقت وہ اس صفاتی مشابہت کی وجہ سے اپنے آپ کو وہی وجود قرار دیتا ہے۔وہ اس کا مظہر کامل ہوجاتا ہے۔

صحف الٰہیہ (عہدنامہ قدیم وجدید) میں ظل اور بروز کا تذکرہ

قرآن کریم ہمیں ایک بنیادی ہدایت اور راہنمائی یہ بھی فرماتا ہے:فَسْـَٔلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔(الانبیاء:8)تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔''(تفہیم القرآن جلد سوم از ابوالاعلیٰ مودودی ادارہ ترجمان القرآن لاہور)جب اہل کتاب کے پاس جاتے ہیں تو وہاں بھی ایک پرانے نبی کے اصالتاً دوبارہ نزول کا عقیدہ ملتا ہے۔مزے کی بات یہ ہے کہ وہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہی سامنے ایک پرانے نبی کے اصالتاً نزول کا مسئلہ رکھا گیا۔یہودی علماء نے پرانے نبی کے اصالتاً نزول کے عقیدہ کو بطورظلی و بروزی قبول نہ کرنے کو بنیاد بنا کر حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کا انکار کیا۔

(1) چنانچہ پرانے عہد نامہ میں ایلیاہ نبی کے متعلق لکھا ہے ''اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا۔'' (سلاطین 2 باب 2 آیت 11)

(2) پھر ذکر ہے کہ ''دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا اور وہ باپ کا دل بیٹے کی طرف اور بیٹے کا باپ کی طرف مائل کرے گا۔'' (ملاکی باب 4 آیت 5 تا 6)

اب بنی اسرائیل میں اپنی مذہبی کتاب کی روشنی میں یہ عقیدہ پایا جاتا تھا کہ ایلیاہ نبی آسمان پر گیا ہوا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل اسی ایلیاہ نے اصالتاً واپس آنا ہے۔ اس حوالے سے جب یہودی علماء نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایلیاہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں یوحنا بپتسمہ دینے والے کا ذکر کر کے کہا کہ (3) ''سب نبیوں اور توریت نے یوحنا تک نبوت کی اور چاہو تو مانو۔ ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے۔ جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے۔'' (متی باب 11 آیت 13 تا 15)

(4) پھر لکھا ہے کہ ''شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیاہ کا پہلے آنا ضرور ہے اس نے جواب میں کہا ایلیاہ البتہ آئے گا اور سب کچھ بحال کرے گا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا اور انہوں نے اسے نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔ تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے۔'' (متی باب 17 آیت 10 تا 13)

(5) بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام سے جب یہود نے پوچھا کہ کیا تُو موعود ایلیاء ہے تو آپ نے انکار فرمادیا۔ (یوحنا باب 1 آیت 21)

(6) حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کے حق میں صاف فرمایا تھا کہ وہی موعود ایلیاء ہیں۔ (متی باب 11 آیات 13 تا 16)

حضرت یحیٰ علیہ السلام کا انکار یہود کی ٹھوکر کا موجب ہوا۔ مگر یہ سب واقعات اس حقیقت ثابتہ کو ظاہر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے انبیاء کے مثیل دنیا میں آتے رہتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ''یہ بروز کا عقیدہ کچھ نیا نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں بھی اس عقیدہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ملاکی نبی کی کتاب میں جو ایلیا کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے جس کو یہود اپنی غلطی سے یہی سمجھتے رہے کہ خود ایلیا نبی ہی آسمان پر سے نازل ہوگا آخر وہ بھی بروز ہی نکلا اور ایلیا کی جگہ آنے والا یحیٰ نبی ثابت ہوا۔ اور یہود کا یہ اجماعی عقیدہ کہ خود ایلیا ہی دوبارہ دنیا میں آجائے گا جھوٹا پایا گیا۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی بروز کا عقیدہ تھا اور پھر غلطیوں کے ملنے سے اسی عقیدہ کو تناسخ سمجھا گیا۔'' (ایام صلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 383)

پس حقیقت یہی ہے کہ یہ تصوّر ہر اس مذہب میں پایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی دَور یا زمانہ میں کسی مامور من اللہ پر نازل ہوا۔ مگر جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں وقت کے ساتھ ساتھ عقائد صحیحہ پر دھول پڑتی ہے اور ان میں خرابیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں اسی طرح اس تصوّر کے ساتھ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس صحیح تصور کو بھول جانے اور اسے صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کے نتیجہ میں تناسخ یا حلول کا غلط عقیدہ پیدا ہو گیا۔ عیسائیوں میں الوہیت مسیح کے غلط عقیدہ نے جنم لے لیا اور یہی حال بدھ مت والوں کا ہوا۔ جب ہم بائبل کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی اس تصوّر اور نظریہ کا ہی تذکرہ کیا گیا ہے۔

(باقی آئندہ)



جسٹس سر چوہدری محمد ظفراللہ صاحب ارضِ مقدّس میں (1945ء)

فلسطین کو یہودی تسلط سے بچانے کی مساعی پر عرب اخبارات کے تبصرے

محترم چوہدری محمد شریف صاحب سابق مربی بلاد عربیہ

دوسری جنگ عظیم کے وقت عالم اسلام کے سامنے جو بہت بڑے اور گھمبیر مسائل تھے اُن میں سے ایک ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ تھا اور دوسرا فلسطین کا جسٹس محمد ظفراللہ خان نے ان دونوں مسائل میں اعلیٰ قابلیت کے ساتھ تاریخ ساز خدمات انجام دیں۔ جسٹس سر محمد ظفراللہ خان کو ہندوستانیوں کے حقوق کے متعلق سب حالات کا گہرا علم تھا لیکن ارض مقدس فلسطین کے متعلق آپ کو زیادہ گہری معلومات کی ضرورت تھی۔ اس لیے آپ نے اکتوبر 1945ء میں امریکہ وانگلستان میں اپنے مفوضہ فرائض ادا کرنے کے بعد مناسب سمجھا کہ آپ ارض مقدسہ میں خود تشریف لائیں اور قریب سے نہایت ضروری جملہ معلومات حاصل کریں۔ اس لیے آپ برطانیہ سے بذریعہ ہوائی جہاز قاہرہ (مصر) پہنچے اور مصر سے سیدھے بذریعہ ہوائی جہاز شام کے دارالسلطنت دمشق میں پہنچے اور وہاں سے بیروت (لبنان) تشریف لے گئے۔ بیروت کے قریب ہی ایک مشہور قصبہ (برجا) میں ہمارے ایک نہایت ہی مخلص احمدی بزرگ دوست (الشیخ ابوسلیم عبدالرحمٰن اسّعیفان) نے آپ کی پُرتکلف دعوت کی اور اس میں معززین قصبہ کو بھی مدعو کیا۔ جس سے آپ بہت محظوظ ہوئے۔ پھر وہاں سے دمشق اور دمشق سے بذریعہ کار جماعت احمدیہ کے مرکزیہ مشن ہیڈ کوارٹر کبابیر واقع حیفا میں بتاریخ یکم اکتوبر 1945ء کو تشریف لائے اور جماعت احمدیہ ارض مقدسہ کو آپ کی زیارت، رفاقت وضیافت کی توفیق خدا تعالیٰ کے فضل سے عطا ہوئی اور اس کا مختصر تذکرہ آپ کی سوانح حیات (تحدیث نعمت) میں بھی درج ہے۔ ارض مقدسہ میں آپ کے شب وروز کیسے گزرے اس کی رپورٹ فلسطین کے اخبارات سے پیش کی جاتی ہے۔ فلسطین میں ان ایام میں تین روزانہ اخبارات (دو عربی الدفاع (ایڈیٹر مسلمان عرب) فلسطین (ایڈیٹر عرب عیسائی) اور یروشلم پوسٹ (انگریزی اخبار یہودیوں کا) شائع ہوتے تھے۔ ان تینوں میں آپ کے متعلق روزانہ خبریں شائع ہوتی تھیں۔ اور مڈل ایسٹ براڈ کاسٹنگ اسٹیشن (واقع فلسطین) سے بھی روزانہ (صبح، دوپہر، اور رات) آپ کا تذکرہ نشر ہوتا تھا۔ یہاں ہم ارض مقدسہ کے تین اخبارات میں سے صرف ایک ایک رپورٹ بطور نمونہ ترجمہ کر کے پیش کرتے ہیں۔

(1) ہندوستانی لیڈر فلسطین کے متعلق کہتے ہیں۔ روزنامہ ’’الدفاع (یافا) نے مندرجہ بالا سرخی کے تحت لکھا کہ ’’حیفا۔ نامہ نگار خصوصی الدفاع حیفا نے ہندوستانی لیڈر سر ظفراللہ خان احمدی جنہوں نے 1937ء میں برطانیہ کے ہاؤس آف لارڈز میں اپنے مشہور خطاب میں بڑی تفصیل سے بیان کیا تھا کہ ’’فلسطین کو تقسیم کرنا ساری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں میں ایسا زخم لگائے گا جو کبھی مندمل نہیں ہوگا۔‘‘ اور آپ اس ہندوستانی وفد کے لیڈر رہیں، جو برطانیہ کی کانفرنس میں شرکت کے لیے ہندوستان سے لندن بھیجا گیا۔۔۔۔۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں آپ سے ملاقات کا موقع دیا گیا ہے تا کہ ہم آپ سے ان کوششوں کے متعلق معلومات حاصل کرسکیں جو مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لیے جاری ہیں۔ آپ نے ہماری درخواست کو منظور فرمالیا اور ہمارے سوالوں کے جواب میں بتلایا کہ: ’’مَیں لندن میں چار ماہ ٹھہرا ہوں وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز دمشق پہنچا۔ چند دن وہاں ٹھہرا اور وہاں کے بعض چیدہ چیدہ عرب لیڈروں سے ملاقات ہوئی۔ حیفا میں دو دن جماعت احمدیہ کا مہمان رہا ہوں پھر بیت المقدس جاؤں گا اور وہاں چند دن ٹھہروں گا تا فلسطین کی حالت خود دیکھ سکوں اور صیہونی جو پراپیگنڈہ انگلستان میں کر رہے ہیں اس کی حقیقت بھی معلوم کرسکوں۔ اس کے بعد مَیں بیت المقدس سے

بذریعہ ہوائی جہاز قاہرہ جاؤں گا اور وہاں سے اپنے ہیڈ کوارٹر دہلی (ہندوستان)۔"

سوال: کیا آپ نے قیامِ لندن کے ایام میں عرب اور یہودی مشہور اشخاص سے فلسطین سے سلسلہ میں ملاقاتیں کیں؟

جواب: لندن میں عرب آفس کے نمائندہ مکرم ناور النشاشیبی مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے اور فلسطین کے متعلق انہوں نے مجھے بہت کچھ بتلایا اور مجھے یہودی لیڈر بھی وہاں ملنے کے لیے آئے تھے اور آبادکاری کا وہ کام جو یہودی فلسطین میں کر رہے ہیں اس کا بھی انہوں نے ذکر کیا اور کہا کہ عالمِ اسلام ہمارے اس کام کو اور یہودیوں کے فلسطین میں آنے کو کیوں ناپسند کر رہا ہے؟"" میری فلسطین میں یہ آمد اپنی نوعیت کی پہلی آمد ہے مَیں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ فلسطین کی حالت کو خود دیکھ سکوں اور ملاحظہ کروں اور یہودیوں کے دعویٰ کی تحقیق کروں۔"۔۔۔۔پھر مَیں نے آپ سے یہ سوال پوچھا" ہندوستان کے دولت مند مسلمان ارض مقدسہ میں واقعہ زمینیں کیوں نہیں خرید لیتے جیسے امریکہ اور یورپ کے دولتمند یہودی یہاں خرید رہے ہیں؟" آپ نے جواب دیا کہ" مَیں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ اگر یہاں سے فلسطینی مسلمانوں پر مشتمل ایک مشن ہندوستان میں بھیجا جائے اور وہ ہندستان میں جا کر دولت مند مسلمانوں کو تحریک کریں۔ تو اسے بہت مقبولیت اور کامیابی حاصل ہوگی اور ہر جگہ حوصلہ افزائی ہوگی اور مَیں بلحاظ ایک ہندوستانی مسلمان ہونے کے اپنے ذمہ واجب کو ادا کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہوں گا۔ لیکن ایک مشن کو مسلمانانِ ہندوستان کے لیے بھیجنا نہایت ضروری ہے اور مسلمانانِ ہندوستان ارضِ مقدسہ کے حالات جاننے کے بہت شائق ہیں۔

آپ سے حیفا کے سرکردہ احباب کے ایک وفد نے بھی ملاقات کی۔ جس میں جناب فرید السعد، کامل عبدالرحمٰن، یوسف صیہونی، حنّا نقّارہ، فواد الطّباع اور الحاج حسین القرق بھی شامل تھے۔" (روزنامہ الدفاع (یافا) 3 اکتوبر 1945ء)

(2) سر ظفر اللہ خان صاحب کے فلسطین میں پروگرام کا نمونہ۔

بیت المقدس 6 اپریل 1945ء از نامہ نگار خصوصی روزنامہ فلسطین۔

آج صبح سر محمد ظفر اللہ صاحب عرب نیشنل بنک میں تشریف لائے۔ یہاں آپ کا استقبال جناب محمد عبدہ حلمی صاحب نے کیا۔ پھر آپ حرم شریف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کے لیے خلیل تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آنے پر اسلامی مجلس اعلیٰ اور عرب کالج میں تشریف لے گئے اور دوپہر کا کھانا آپ نے ہز ایکسلنسی کمشنر فلسطین کے ساتھ تناول فرمایا۔ ظہر کے بعد نمائندگان پریس نے آپ سے ملاقات کی پھر آپ جناب سید محمد یونس الحسینی صاحب کی دعوت چائے میں جو انہوں نے آپ کے اعزاز میں دی شریک ہوئے اور اس میں وکلاء اور ادباء کی جماعت بھی شریک ہوئی۔ شام کے وقت آپ سے جناب ڈاکٹر خلیل بُریدی عبدالحمید یاسین اور سامی وفاء الدّ جانی نے ملاقات کی۔ ان سب ملاقاتوں میں محترم سید سیف الدین الکیلانی (اردو میں الجیلانی۔ مترجم) صاحب سیکریٹری عرب نیشنل بنک جناب احمد حلمی پاشا کے ارشاد پر آپ کے ہمراہ رہے۔" (روزنامہ "فلسطین" (یافا) 7 اکتوبر 1945ء)

3۔ اخبار الوحید العربیہ (بیت المقدس) سفر بیت المقدس کے متعلق ممتاز جریدہ الوحدۃ العربیہ نے اس تاریخی سفر کی مفصل رپورٹ سپرد اشاعت کی۔ جسے اس اخبار کے خصوصی وقائع نگار "الکیلانی" نے مرتب کیا تھا جو چوہدری صاحب کے قیام فلسطین کے دوران آپ کے رفیق سفر تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے پریس رپورٹ!۔۔۔ ہندوستانی لیڈر کے ساتھ" عنوان کے تحت لکھا کہ" میں اور جناب مولوی صبری عابدین صاحب جناب مینجر صاحب عرب بینک و پریذیڈنٹ عرب نیشنل فنڈ کے حکم پر ان کی طرف سے ہندوستان کے لیڈر سر ظفر اللہ خان صاحب جنہوں نے 1937ء میں برطانوی ہاؤس آف

لارڈز میں اپنی مشہور تقریر میں فلسطین کے عربوں کی مدد اور نصرت پر بہت زور دیا تھا کی خدمت میں سلام وخوش آمدید کہنے کے لیے گئے۔ وہاں اچانک ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ہم قانون کے ایک علامہ کے سامنے ہیں جو یوروپین سوٹ پہنے ہوئے ہیں۔گندمی رنگ عمر کے پانچویں دہا کہ میں اور چمکدار آنکھیں جن سے ذہانت کی چمک نظر آ رہی تھی۔انگریزوں کی سی روانی کے ساتھ انگریزی بولتے ہیں اور فصیح عربی زبان،قرآن شریف کی عربی پر بھی خوب عبور حاصل ہے اس وقت وہاں ان کے پاس بڑے بڑے سرکردہ احباب کی ایک جماعت موجود تھی جو ہماری طرح انہیں سلام وخوش آمدید کہنے کے لیے آئی تھی۔چونکہ موصوف کا قیام فلسطین میں بہت تھوڑے عرصے کے لیے ہوگا اس لیے آپ نے اپنے ملاقاتیوں سے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک اس قیام کے دوران ان کا رفیق بن جائے اور عربوں کی سکیمیں دیکھنے۔ان کا جائزہ لینے اور ان سے متعلقین کے ساتھ ملاقات وغیرہ کے پروگرام مرتب کردے۔اس پر تمام بھائیوں نے ازراہ نوازش واعتماد یہ خدمت میرے سپرد کی جسے میں نے بطیب خاطر قبول کرلیا۔کیونکہ مَیں نے اپنے کانوں سے سُنا کہ ایک سوال کے جواب میں، جواُن سے کیا گیا تھا کہ: مجھے فلسطین کو دیکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا،تا میں خود جائزہ لےسکوں اور یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ ہم فلسطین کو آباد کررہے ہیں اور فلسطین کو ترقی دے رہے ہیں اور خوبصورت بنارہے ہیں۔۔۔۔کہاں تک درست ہے۔مجھے پتہ لگا کہ میرا یہ کام بہت مشکل ہوگا کہ میں ان تھوڑے سے ایام میں جو ہندستانی لیڈر صاحب فلسطین میں گزاریں زیادہ سے زیادہ وقت ان کے وقت میں سے لے سکوں۔تا آپ فلسطین کے مسئلہ میں عربوں کے نقطہ نظر سے اچھی طرح اطلاع پاسکیں۔۔۔۔میرے لیے یہ کام اس لیے بھی بہت مشکل ہے کہ دوسری طرف میرے مقابلہ میں باقاعدہ ایک جیوئش ایجنسی ہے۔جس کے متعلق سب کو معلوم ہے اور سب خوب جانتے ہیں کہ اس ایجنسی کے پاس ایسے مواقع کے لیے باقاعدہ ماہوار تنخواہ دار ملازم ہیں۔جو صیہونیت کی مصلحتوں کے مطابق ہر قسم کے فرضی اعداد وشمار اور محرف معلومات مہیا کرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہتے ہیں اور عربوں کے پاس ایسا کوئی انتظام نہیں کہ بیرونی زائرین کے سامنے جامع ومانع شکل میں اپنے جائز سچے اور حقیقت پر مبنی دعوے کو بھی پیش کیا جاسکے۔اور صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے عرب آفس (لندن) میں بھی ایسا کوئی اہتمام نہیں۔حالانکہ ایسا عرب آفس آج سے کئی سال قبل ہی قائم ہوجانا چاہئے تھا۔

میں نے مہمان عزیز (ہندوستانی رہنما) سے برسبیل تذکرہ عرض کیا آپ کے خیال میں ان تمام سکیموں اور منصوبوں سے جو بینہ طور پر یہودیوں نے عربوں کی فلاح وبہبود کے لیے تیار کی ہیں (مثلاً بحیرہ مردار۔پوٹاس کمپنی۔تجربہ گاہ ویران اور یہودی بستیاں وغیرہ (ان سے عربوں کو بھی فائدہ حاصل ہوا ہے؟ تو آپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔’’میں نے یہودیوں کو بتلادیا تھا کہ میں نے تمہاری ان سکیموں میں ایک عرب بھی نہیں دیکھا جو ان میں تمہارے ساتھ شریک ہو اور ان سے اسے فائدہ پہنچ رہا ہو۔تمہاری یہ تمام ترقی اور آبادکاری صرف اپنے ہی فائدہ کے لیے ہے اور مجھے یقین ہے کہ عرب اس زمین کے لیے آباد رہنے کو ترجیح دیں گے بجائے اس کے کہ تم اسے عالمگیر صیہونی فنڈ سے خرید کرآباد کرو اور رفتہ رفتہ ان کے ملک میں اپنا ایک قومی وطن تعمیر کرلو۔۔اور علامہ احمد سامع الخالدی کی طرف سے ویرعمرو میں یتیموں کے لیے قائم کردہ زرعی فارم کو دیکھنے کی دعوت مہمان عزیز نے قبول فرمائی اور اس خوب صورت منصوبے کے معائنہ کے بعد مجھ سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔لاریب علامہ خالدی صاحب انسائیکلوپیڈیا ہیں اور یہ فارم اس امر کی شہادت ہے کہ اگر میرے عرب بھائی متحدہ طور پر محکم مساعی فرمائیں تو مغربی فلسطین کے پہاڑوں اور ٹیلوں سے یہاں دوسرا سوئٹزرلینڈ بنایا جاسکتا ہے۔دوسرے دن میں آپ کے ہمراہ حرم شریف کی زیارت کے لیے گیا جہاں مولانا ضیاء الدین خطیب نے آپ کا خیر مقدم کیا۔آپ کو اس امر سے از حد مسرت ہوئی کہ آپ اور مولانا دونوں ہی ایک ہی درس گاہ (عظیم الشان لندن یونیورسٹی) کے فارغ التحصیل ہیں۔یہاں آپ نے مولانا صاحب سے صخرۃ المشرفہ،مسجد اقصیٰ اور حرم شریف سے متعلق ضروری معلومات حاصل کیں۔اور نماز کے بعد آپ مولانا محمد علی اور شاہ حسین مرحوم ومغفور

کی قبروں پر گئے۔اور اصحاب النبی شداد بن اوسؓ اور عبادۃ بن الصامت کی قبروں پر دعا کرنے کے بعد دیوار براق و گریہ دیکھنے لگے اس وقت وہاں بعض یہودی علماء کھڑے گریہ وزاری کررہے تھے ۔۔۔۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ ”یہ کیوں رو رہے ہیں؟ بتلایا گیا۔۔۔۔کہ یہ ہیکل سلیمان ہے جس کے کھنڈارت پر مسجد اقصیٰ بنی ہوئی ہے یہ یہودی علماء اس کے لیے رو رہے ہیں اور اس کے دوبارہ بننے کے لیے عاجزانہ دعائیں کررہے ہیں۔ اوران کا یہ روناان کا لالچ اور خواہیں اسلامی ورثہ کے لیےایک پنہاں خطرہ کا حکم رکھتی ہیں۔یہ سن کرآپ نے فرمایا۔نعوذ باللہ۔

اس دعوت چائے میں جو آپ کے اعزاز میں جناب عوفی عبدالہادی نے دی ہنری کتن ۔محمد یونس الحسنی ۔حجاج نوبھض ۔عادل جبر اور محمد کمال نامی وکلاء سے آپ کی ملاقات ہوئی۔جناب ہنری کتن نے اپنے رفیق وکلاء کی مدد سے قضیہ فلسطین پر یہودیوں کی فلسطین کی طرف ہجرت اور اراضی فلسطین کی خرید وفروخت دونوں پہلوؤں سے روشنی ڈالی آپ نے یہ بحث سننے کے بعد فرمایا. یہاں پہلی دفعہ آنے سے قبل میرا یہ خیال نہیں تھا کہ یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ ہے۔اب مجھے محسوس ہوا ہے کہ اصل مسئلہ جو میں نے خیال کیا تھا یہ نہیں کہ ملک میں کس قدر یہودی مزید آسکتے ہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس سرزمین کی اصل اور قدیم قوم کو فنا کیا جارہا ہے اور ایک اجنبی قوم کو زندہ کیا جارہا ہے۔کہ وہ ان کی جگہ وہاں رہے۔اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ عرب اداروں کو چاہئے کہ وہ فلسطین کے اصل حالات سے اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کو آل انڈیا مسلم لیگ کے قائد جناب محمد علی جناح کے ذریعہ پیش کریں کیوں کہ جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے اس بارے میں انہیں کچھ علم نہیں ہے انہیں تو فقط یہی علم ہے کہ فلسطین خطرے میں ہے! کیوں خطرے میں ہے؟اور کیسے خطرے میں ہے؟اس بارے میں انہیں کچھ بھی آگاہی نہیں روز میری ہوٹل کی طرف سے واپس آتے ہوئے جہاں سے میں نے آپ کو عدن ہوٹل میں منتقل کیا تھا مجھے مخاطب کرکے فرمایا۔۔۔۔میں اپنے اس عرب بھائی سے اتفاق کرتا ہوں جس نے کہا تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کے ہجرت کرنے کی مثال اس موٹر کار کے مشابہ ہے۔جس میں چھ آدمی بیٹھ سکتے ہوں اگر اس میں تین یا چار آدمی اور بھی ایسے بھر لیے جائیں۔جن کا اس موٹر کار سے کوئی تعلق نہ ہو تو اس کا سوائے اس کے کوئی مطلب نہ ہوگا کہ کار کے اصل سواروں کو تنگ اور بے آرام کیا جائے جو قانون اور منطق کے بھی خلاف اور ناروا ہے۔ڈاکٹر خالدی نے آپ سے مل کر مسئلہ فلسطین کی سیاست بالا پر روشنی ڈالی اور حکومت برطانیہ کی طرف سے جو کمیشن اور کمیٹیاں آتی رہیں ان کی رپورٹوں کا خلاصہ پیش کیا اور قرطاس ابیض 1929ء کی بڑے دلچسپ پیرائے میں تشریح ووضاحت کی۔جب آپ حرم جدالانبیاء خلیل اللہ کی زیارت کے لیے گئے تو وہاں آپ کی ملاقات صدر ٹاؤن کمیٹی خلیل مولوی محمد علی الجیری سے ہوئی آپ نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ فلسطین کے مسلمانوں کو اپنی موجودہ مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا چاہئے؟ تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ دین حنیف اسلام کی طرف رجوع کریں اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں آپ نے یہ جواب سن کر اس سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا۔مجھے اس بارے میں آپ سے اتفاق ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ مڈل ایسٹ (شرق اوسط) کے مسلمان اس گمان میں مبتلا ہیں کہ مغرب کا تمدن اختیار کرنے ہی میں ان کی ترقی کا راز ہے اور وہ اسی میں غرق ہیں حالانکہ مشرق کی نجات اپنی پہلی روحانیت کی طرف لوٹ آنے میں ہے۔

اور اسلامی مجلس اعلیٰ کی طرف سے مکرم امین الہادی نے آپ سے ملاقات کی اور جناب مولوی ضیاء الدین صاحب خطیب نے دونوں اصحاب کے درمیان ترجمہ کے فرائض اپنی اعلیٰ تعلیمی مہارت کے ساتھ ادا کئے اور جب مکرم امین عبدالہادی صاحب نے آپ سے دریافت کیا کہ مسلمانانِ ہندوستان اپنے مسلمان عرب فلسطینی بھائیوں کی کیا مدد کرسکتے ہیں تو آنجناب نے جواب دیا کہ ” آپ کے ہندوستانی بھائیوں کو یہ علم نہیں کہ آپ کے پاس وہ کون سے عملی منصوبے ہیں، جن سے آپ یہودیوں کے ہاتھوں سے اپنی زمینوں کو بچا سکتے ہیں؟ اور جب وہ آپ کے ملک کے قوانین کی وجہ سے فلسطین کی عرب اراضی بعض معیّن علاقوں میں خرید نہیں سکتے تو میرے نزدیک یہ بات بعید نہیں کہ ہندوستان کے دولتمند مسلمان آپ کے قومی فنڈ میں

چندہ دے دیں اور صرف یہی ایک عملی منصوبہ ہے جس کے ذریعہ آپ اپنی اراضی کو بچا سکتے ہیں اور چھڑا سکتے ہیں اگر اس نیشنل فنڈ کے ایڈمنسٹریٹر اپنا ایک مشن ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف بھیجیں اور وہ اراضی مقدسہ کی موجودہ پوزیشن ان کے سامنے تفصیل کے ساتھ پیش کریں اور جو خطرات اس وقت ان زمینوں کو لاحق ہیں ان تک پہنچائیں یا ان سے خط وکتابت کریں اور ان کو اس نیک عمل پر ابھاریں۔ کیونکہ عالم اسلام میں ایک مسلمان بھی پسند نہیں کرے گا کہ یہ ابدی اسلامی میراث ان کے ہاتھ سے جاتی رہیں اور ان کی مسجدیں اور ان کے اولیاء شہداء اور پیغمبروں کی قبریں مٹادی جائیں اور ان کا نام ونشان باقی نہ رہے۔'' اور اس چائے کی دعوت میں جو آپ کے اعزاز میں سید محمد یونس الحسینی پیڈر صاحب نے دی اس میں وہ تمام وکلاء اور احباب شامل ہوئے جن کا ذکر قبل ازیں عونی صاحب کے دعوت چائے میں ہوا ہے اور ان کے علاوہ سید رجائی الحسینی، نصیب البیکاریوس، اور فوادالنشاشیبی بھی شامل ہوئے۔ اُس دعوت میں جناب لیڈر صاحب نے اس بات پر بھی زور دیا کہ جو آپ نے آنجناب عونی صاحب کی دعوت چائے کے موقعہ پر کہی تھی پنجاب (ہندوستان) سے انتقال اراضی کا ایک نسخہ منگوایا جائے یا وہ دھاندلیاں جو ایک شخص کے نام انتقال اراضی میں ہوتی ہیں وہ یہاں بھی نہ ہوسکیں اور عرب ادارے اور جماعتیں اسے یہاں بھی رائج کروائیں کہ کوئی قطع زمین کسی اجنبی کے نام منتقل نہیں ہوگا۔ اور اگر یہاں کی حکومت اس کے مطابق عمل کرے اور فلسطین میں بھی یہی قانون لاگو کردے، تو موجودہ سخت ترین صورت کا یہی ایک علاج کافی وشافی ہوگا۔ اور آنجناب سے ملاقات کے لیے ڈاکٹر خلیل بُدَیری بھی تشریف لائے اور فلسطین کے عرب اور آزاد وعقلمند نوجوانوں کا نقطہ نظر آنجناب کی خدمت میں پیش کیا اور پھر اس تفاوت وفرق کا بھی ذکر کیا جو عرب مزدوروں اور یہودی مزدوروں کی اجرت میں ایک ہی کام میں برابر ہونے کے باوجود اجرتوں میں گورنمنٹ فلسطین کے محکمہ جات میں روا رکھا جاتا ہے۔ جناب لیڈر صاحب نے اسے عرب اور یہودی مزدوروں میں جانب داری اور طرف داری قرار دیا۔۔۔۔ اس بات چیت کے درمیان میں نے جناب لیڈر صاحب سے دریافت کیا کہ آج کل برطانیہ میں مزدوروں (لیبر پارٹی) کی حکومت ہے اس حکومت کا ہمارے قضیہ فلسطین کے متعلق کیا رویہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرا خیال ہے کہ لیبر حکومت عنقریب فلسطین کی مشکلات کا گہرا مطالعہ کرے گی اور اب جب کہ وہ حکومت سے باہر تھی وہ غیر ذمہ دار تھی عمل کی پابند نہ ہوگی۔'' اس طرح سید رجائی الحسینی، عبدالحمید یاسین اور سامی وفاء الدّجانی آپ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے اور آپ کو بیت المقدس میں تشریف لانے پر خوش آمدید کہا اور مکرم حسینی صاحب اور مکرم عبدالحمید صاحب نے لندن میں ''عرب آفس'' کے کام اور ان کوششوں کے متعلق آپ سے ذکر کیا جو یہ آفس فلسطین کی آواز مغربی دنیا میں پہنچانے میں کررہا ہے۔ اس پر آنجناب نے تجویز کیا کہ ''عرب آفس ایسے پمفلٹ اور رسائل اور رپورٹ تیار کرے جو فلسطین کے متعلق پوری معلومات پر مشتمل اور صحیح ومکمل اعداد وشمار پر مبنی ہوں اور فلسطینی عربوں کے ثابت شدہ حقوق کا بھی ان میں ذکر ہو۔ پھر یہ برطانوی پارلیمنٹ اور امریکہ کی کانگریس کے ممبروں اور مغربی ممالک کے ممبروں اور مغربی ممالک کے اخبارات کو عرب نقطۂ نگاہ واضح کرنے کے لیے ارسال کئے جائیں۔

اخبارات کا بھی جناب لیڈر صاحب کے وقت میں حصہ تھا اس لیے مقامی اور غیر ملکی اخبارات کے نمائندگان نے بھی آپ سے ملاقات کی اور آپ نے ان کے سوالات کے جو جواب دئے تھے اس کا ہر ایک کلمہ وزن کرکے دیتے تھے اور بعض ایسی باتیں بھی بتلائیں جن کے متعلق آپ نے اُمید کی کہ وہ ان کو شائع نہ کریں اور جب آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ اپنے فلسطین کے عرب بھائیوں کو کیا نصیحت کرتے ہیں تو آپ نے پوری صراحت سے جواب دیا کہ 1۔ وطن کے تمام امور میں افراد اور قائدین تمام کوششیں متحد ہوکر کریں۔ 2۔ اقتصادی تنظیم قائم کریں اور صنعت وآبادکاری کے منصوبے درست اور مضبوط بنیادوں پر قائم کریں۔ 3 عرب قوم کے مقاصد پورے کرنے کے لیے متواتر کوشش اور مسلسل کام کریں۔'' اور جب میں چوتھے دن آنجناب کے قاہرہ جانے کے لیے سفر پر روانہ ہونے سے چند منٹ پہلے آپ کو الوداع کہنے کے لیے حاضر ہوا تو میں نے آپ سے پوچھا ''کیا آپ دوبارہ

فلسطین آنا پسند کریں گے اور کیا آپ یہ خیال نہیں کرتے کہ جس قدر وقت آپ نے یہاں گزارا ہے قضیہ فلسطین کو ہر لحاظ سے حل کرنے کے لیے کافی نہیں۔؟''اس پر ہنستے ہوئے جواب دیا میں اپنی آئندہ رخصت کے ایام میں شام دیکھنے کے بعد یہاں واپس آؤں گا اور میں امید کرتا ہوں کہ اس وقت تک میرے فلسطینی اور عرب بھائیوں نے اپنے قومی اغراض ومقاصد کو حاصل کر لیا ہوگا۔بے شک میرے یہاں ٹھہرنے کے ایام تھوڑے تھے لیکن قضیہ فلسطین کی صورت جو میرے ذہن میں نقش ہوئی ہے وہ باوجود یہ کہ فلسطین میں بہت تھوڑے دن ٹھہرا ہوں۔وہ بہت واضح اور ظاہر ہے۔''اور جب میں نے آپ کو الوداع کہتے ہوئے آپ سے مصافحہ کیا تو میں نے یہ کہا کہ''میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے معزز انگریز دوستوں کو جو ہندوستان اور انگلستان میں ہیں جو کچھ آپ نے سنا (کہ ہمارا کیس (قضیہ) عدل وانصاف پر مبنی ہے) بتلا دیں گے تا وہ حصول انصاف میں عربوں کی مدد کریں اور ان کے مطالبات کی تائید کریں۔''اس پر آپ نے میرے ہاتھ کو گرم جوشی سے دباتے ہوئے جواب میں کہا کہ''میں نے جو کچھ اپنے فلسطینی عرب بھائیوں سے ان کا نقطۂ نگاہ سُنا ہے اور اپنے نفس میں محسوس کیا ہے میں اسے امانت اور دیانتداری سے پہنچا دوں گا اور اگر چہ میں اپنے نفس میں محسوس کرتا ہوں کہ اس بارے میں جو کچھ مطالبات کئے جاتے ہیں میرا اثر ایک فی صد یا ایک ہزار فیصد سے زیادہ نہ ہو لیکن اللہ فرماتا ہے

لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔۔

''میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ کا مددگار رہوں گا اور بلحاظ ایک جج ہونے کے میں یقین رکھتا ہوں کہ اس لحاظ سے میں (نصیر الحق) حق کی مدد کرنے والا ہوں گا۔۔۔اور آخر میں اے میرے دوست آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔۔۔الکیلانی

(جریدۃ الوحدۃ بیت المقدس 13 اکتوبر 1945ء) (بحوالہ رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 155 تا 162)

سید سجاد احمد قادیانی

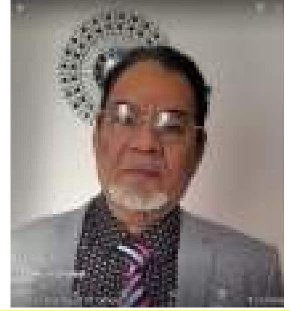
دھیمی ہوئی ہے نبض کی رفتار دیکھئے
کب تک جیئے کا آپ کا بیمار دیکھئے
کرتا ہے کون عشق کا اظہار دیکھئے
ملتا ہے کون آپ کو دلدار دیکھئے
دنیائے بے ثبات کی رفتار دیکھئے
گرنے لگی ہے ریت کی دیوار دیکھئے
ظلم و ستم پہ آپ کو شرمندگی نہیں
کیا ہو گیا ہے آپ کو سرکار دیکھئے
ہر ہر قدم پہ جلوہء جاناں ہے ضوفگن
ہونے لگی ہے بارشِ انوار دیکھئے

غزل



محمد ابراہیم شاد

گھنگور اندھیروں میں تجلّی کا سبب ہیں
ہے مصلحت وقت کہ ہم مہر بلب ہیں
شکوہ نہ کیا ہم نے کبھی اپنی زبان سے
لیکن تری سرکار سے انصاف طلب ہیں
ہر دَور میں دیکھا ہے بصیرت کی نظر سے
اُس پیکر انصاف کے جلوے بھی غضب ہیں
پہلے سے بھی ہیں تیز قدم راہِ وفا میں
درماندہ و افسردہ نہ پہلے تھے نہ اب ہیں
ان لوگوں کی تعظیم کرو اہل گلستان
جو لوگ کہ تزئین گلستان کا سبب ہیں



اہم اعلان

1)* معزز قارئین کرام! الحمدللہ ثم الحمدللہ قندیل حق اپنے تبلیغی سفر کے پانچ سال مکمل کرنے کے بعد چھٹے سال کے سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔ قندیل حق کی پوری ٹیم کی طرف سے آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو۔ ان پانچ سالوں میں ساتھ ساتھ چلنے، راہنمائی کرنے، حوصلہ افزائی کرنے، ہمت بڑھانے اور کندھے سے کندھا ملا کر اس سنگ میل کے پار اترنے کے لیے بہت بہت شکریہ

* ان پانچ سالوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک و مطہر علم کلام سے جلائی ہوئی قندیل سے کتنے ہی دجالی اندھیروں اور منافقانہ دھندلکوں کو بقعہ نور بنانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلفائے کرام کی ولولہ انگیز قیادت میں کتنی ہی ظلم کی دوپہروں اور جور کی دلدلوں کو آسانی سے عبور کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مسیح محمدی ﷺ کا غلام صادق بنا دے اور ہماری زندگی کی آخری سانس تک ہمیں خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشادات اور ہدایات کی روشنی میں دجالیت کے ہر روپ کے خلاف جہاد کرنے والی فوجوں کی صف اول میں شمار رکھے (آمین)

2)* قارئین کرام آپ سب کی زبردست فرمائش پر قندیل حق اپنے چھٹے سال کے آغاز پر یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہے کہ آئیندہ سے آپ کو تین ماہ کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ اب سے انشاءاللہ قندیل حق ہر دو ماہ بعد نکلا کرے گا۔ چنانچہ پہلا دوماہی شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

3)* نئے سفر پر نئی ٹیم، نئے اداراتی بورڈ، نئے پروگرام اور نئی انتظامیہ کے ساتھ آپ کے استقبال کے لیے جگہ سنبھال چکی ہے۔

4)* اس نئے سفر پر امریکی سرزمین سے معروف استاد، سکالر، محقق اور دانشور جناب بشیر احمد طاہر صاحب کو معاون خصوصی لیا گیا ہے۔ آپ جماعت کے معروف سائنس دانوں، مورخین، سکالرز اور روحانی ہستیوں کے انٹرویوز لے کر حاضر ہوا کریں گے۔

* اسی طرح سے علم کلام میں منفرد حیثیت رکھنے والے بہت ہی معروف مذہبی سکالر جناب نافلہ حضرت رانا نعمت اللہ خان صاحب مانسہروی اور ابن یونس صاحب کے محققانہ مضامین بھی شامل اشاعت ہوں گے۔

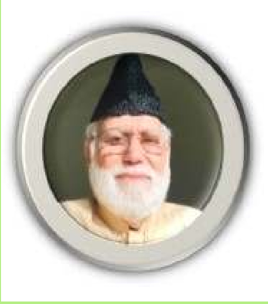
* آرکیالوجی کی دنیا میں شہرت کی بلندیاں حاصل کرنے والے پاکستان کے معروف ماہر آثار قدیمہ جناب ڈاکٹر ایم ایم چوہدری صاحب کی انتہائی دقیق ریسرچ بھی اب نئے شماروں کی زینت بنے گی۔

اسی طرح سے ڈاکٹر سرافتخار ایاز صاحب، ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب، مولانا افضل ظفر صاحب، جناب حامد صحرائی، علی مانسہروی، شاہین سانگلوی، ظفر احمد تنولی، جمیل احمد بٹ، رانا اعظم خان، انجنیئر محمود مجیب اصغر، چوہدری کولمبس خان صاحب جیسے علمائے کرام کے پرانے سلسلے بھی شامل قافلہ رہیں گے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

والسلام

رانا عبدالرزاق خان مدیر اعلیٰ قندیل حق

یکم جنوری 2024



تاریخ عالم کی روشنی میں میناروگنبد کی حقیقت

کیا قرآن وحدیث میں مسجد کے "مینار اور گنبد" بنائے جانے کا حکم موجود ہے؟

از خواجہ محمد افضل بٹ U.S.A

مسجد کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

"مجھے خدا کی طرف سے پانچ ایسی باتیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی اور نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔"

ان پانچ چیزوں میں سے ایک بات یہ تھی کہ:۔"میرے لئے ساری زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنادی گئی ہے"(بخاری)

قرآن کریم سے کسی جگہ مسجد کے مینار کا لازمی ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مساجد کے مینار نہیں تھے۔خانہ کعبہ کا بھی کوئی مینار نہیں ہے۔مسجد نبویؐ،مسجد قباء کے بھی مینار نہیں تھے۔البتہ مؤذن اذان کے لئے کسی اونچی چھت پر چڑھ کر اذان دیتا تھا۔جس سے آہستہ آہستہ مینار کی ضرورت اور اس کی تعمیر کی طرف توجہ پیدا ہوئی کہ اونچی جگہ پر چڑھ کر اذان دی جائے تا کہ سب تک آواز پہنچ جائے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ

ونحن ام زید بن ثابت رضی اللہ عنہا۔قالت:''کان بیتی اطول بیت حول المسجد فکان بلال یوذن فوقه من اول ما اذنه الی ان النبی ﷺ مسجده فکان یوذن بعد علی ظهر المسجد وقد رفع له شئی فوق ظهره''(الجامع الصحیح للسنن والمساجد 24/494)

میرا گھر مسجد کے قریب گھروں میں سے سب سے اونچا تھا۔اس لئے حضرت بلالؓ اس کے اوپر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے۔یہاں تک کہ مسجد نبوی کی باقاعدہ تعمیر ہوگئی تو اس کے بعد حضرت بلالؓ مسجد کی چھت پر چڑھ کر اذان دیتے تھے اور ان کے لئے مسجد کی چھت پر ایک بلند جگہ بھی بنائی گئی تھی۔"

جب ہم مسجد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ جب سب سے پہلی مسجد قبا بنی جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے دوسری مسجد 622ء میں مسجد نبوی بنی۔جس کا رقبہ 98x115 فٹ تھا۔مسجد کی دیواریں مٹی کی بنائی گئیں اور چھت کھجور کے تنے کی ڈالی گئی اور کھجور کے پتوں سے چھت کو ڈھانپ دیا گیا۔چھت ایسی تھی کہ جب بارش ہوتی تو اندر کیچڑ ہو جاتا تھا۔

یہ تھا نقشہ آنحضرت ﷺ کی مسجد کا،مگر خدا تعالیٰ نے اس مسجد کو وہ برکت عطا فرمائی کہ دنیا میں جتنی مسجدیں ہیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔آنحضرت ﷺ کے صحابی جو آپ ﷺ کے عشاق صادق تھے اور جن کے لیل ونہار مسجد نبوی میں گزرتے تھے۔ان کی عبادات اس بظاہر خستہ حالت مسجد میں وہ رنگ لائی جس نے دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا۔جس کو دیکھ کر آج کا مورخ حیران نظر آتا ہے۔چنانچہ ایک فرانسیسی مورخ لکھتا ہے کہ:۔

"مجھے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ہمیں چند آدمی پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس مدینہ کی ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد میں جس پر کھجور کی شاخوں کی چھت پڑی ہوئی تھی اور جو ذرا سی بارش سے بھی ٹپکنے لگ جاتی تھی۔آہستہ آہستہ سرگوشیاں کرتے دکھائی دیتے ہیں اور جب ہم ان کے قریب

پہنچ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ آپس میں کیا باتیں کر رہے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپس میں کہہ رہے ہیں کہ ہم قیصر وکسریٰ کو کس طرح شکست دیں اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ چند سالوں کے اندر اندر واقعی ایسا ہی ہو گیا اور ان بے سروسامان اور کمزور درویشوں نے قیصر وکسریٰ کی حکومتوں کو پاش پاش کر دیا۔غرض اشد ترین دشمنوں نے بھی تسلیم کر لیا کہ مسلمانوں کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی تھی اور وہ ان کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے۔اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کی صرف بلند و بالا میناروں، گنبدوں اور محرابوں سے مزین مسجدوں میں عبادت کرنے سے روحانیت پیدا نہیں ہوتی، مسجدوں کو سادہ رکھنے سے بھی عبادت کا اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔جب ہم قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کسی جگہ پر بھی مسجدوں کے مینار، گنبد، محراب بنانے کا حکم نہیں ملتا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "میں (ﷺ) نے تمہیں بلند و بالا مساجد تعمیر کرنے کا حکم نہیں دیا، یقیناً تم ان کی زینت کرو گے جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے کی۔" تاریخ گواہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو مسجد بنائی وہ سادہ تھی۔کوئی مینار و گنبد نہیں تھا۔آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسجدوں کے ڈیزائن میں نمایاں فرق آنا شروع ہو گیا۔

"گنبد اور مینار کی تاریخ"

قدیم مصریوں، رومیوں اور یونانیوں نے اپنی عمارتوں میں محراب اور گنبد کو استعمال کیا۔لیکن بہت کم عمارات میں محراب کو استعمال کیا گیا۔رومیوں نے ایسی محرابیں بنائیں جو بڑے وزن کو تھام سکتی تھی۔پھر تمام تہذیبوں نے رومیوں کی بنائی ہوئی محرابوں کو اپنایا۔بازنطینی ماہرین تعمیرات اور مشرق یورپ نے تواتر کے ساتھ محرابیں اپنی عمارات میں بنانی شروع کیں۔دوسری تہذیبوں نے محرابوں میں مزید تنوع پیدا کیا۔مثال کے طور پر مسلمان ماہر تعمیرات نے مزید اس میں ردّ و بدل کر کے نوک دار محرابیں اور گھوڑے کی نعل کی شکل کی محرابیں بنائیں۔جن کو انہوں نے مسجدوں میں استعال کیا۔رومنز کی محرابوں میں جو تھوڑی بہت ردّ و بدل کر کے بنائی گئیں ظاہر کرتی ہیں کہ رومن فن تعمیر بہت زیادہ اثر پذیر رہا۔

پھر رومیوں نے محراب بنانے کے فن کو اور ترقی دے کر عمارات کی چھتیں بنائیں جو گنبد کی شکل میں نمودار ہوئیں۔یہ طرز تعمیر جو گنبدوں کی شکل میں نمودار رہا۔دنیا کی اکثر عمارات میں ظاہر ہوا۔فرانس کے مشہور گرجا گھر Gathic Cathedral کی مثال ہے۔تاج محل میں بھی رومن فن تعمیری کا بہت بڑا اثر ہے۔" جب مسلمان فوج نے شام، عراق، فلسطین اور ایران کو فتح کیا تو عیسائیوں اور یہودیوں کی خوبصورت عبادت گاہوں کو دیکھ کر ان کو بھی خیال پیدا ہوا کہ ہماری سادہ مسجدیں جو میناروں اور گنبدوں کے بغیر ہیں۔اچھی نہیں لگتیں۔لہٰذا انہوں نے ان علاقوں کے ماہرین تعمیرات کو ملازم رکھ لیا اور ساتویں صدی کے آخر میں مینار و گنبد مسلمانوں کی عبادت گاہوں یعنی مسجدوں کے علامت بن سکے اور تیزی کے ساتھ عربوں نے اس ڈیزائن کو مذہبی روایت کے طور پر اپنا لیا۔جب مسلمان فوج نے شام، عراق، فلسطین اور ایران کو فتح کیا تو عیسائیوں اور یہودیوں کی خوبصورت عبادت گاہوں کو دیکھ کر ان (مسلمانوں) کو بھی خیال پیدا ہوا کہ ہماری سادہ مسجدیں جو میناروں اور گنبدوں کے بغیر ہیں، اچھی نہیں لگتیں۔

ان چھ عبادت گاہوں میں ایک بھی مسجد نہیں۔بلکہ جین مندر، ہندو مندر، یہودی سنے گاگ، مسیحی چرچ اور سکھ گردوارہ، بدھ مندر ہیں۔سب کے مینارے بھی ہیں اور گنبد بھی۔نہ جانے ہم نے کیسے سمجھ لیا ہے کہ میناروں کے کاپی رائٹس بس ہمارے پاس ہیں۔

یروشلم کی گنبد خضراء پہلی عمارت تھی جس کو 691ء میں امیہ کے خلیفہ عبدالمالک نے مکمل کیا۔اس کے گنبد کا ڈیزائن بازنطینی تھا۔بازنطینی ماہرین نے

دمشق کی مسجد تعمیر کی۔ حاجیہ صوفیہ کی دلکش عمارت جو کہ استنبول میں ہے۔ اس نے اسلامی فن تعمیر پر بہت اثر ڈالا۔ جب عثمانیوں نے بازنطینیوں پر فتح حاصل کی تو انہوں نے حاجیہ صوفیہ کو جو کہ گرجا گھر تھا مسجد میں تبدیل کر دیا۔ آجکل یہ خوبصورت عمارت عجائب گھر کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

اسلام جس پہلی تہذیب سے متعارف ہوا وہ ایران تھا۔ اسلام کے ابتدائی سالوں میں مسجدوں پر ایرانی فن تعمیر نے اثر ڈالا۔ مسلمان ماہرین تعمیر نے انہیں خطوط پر اپنی تعمیر کی بنیاد رکھی اور بیشتر ایرانی طرز تعمیر کو اپنی تعمیرات میں شامل کیا۔ بہت سے شہروں میں مثال کے طور پر بغداد کے شہر کو فیروز آباد شہر کے نمونوں پر بنایا گیا جو کہ ایران کا شہر ہے۔ خلیفہ منصور نے شہر کا نقشہ بنانے کے لئے دو بڑے ماہرین تعمیرات کو ملازم رکھا۔ جن کا نام نو بخت اور دوسرے کا نام ماشاء اللہ تھا۔ ماشاء اللہ یہودی تھا اور دوسرا نو بخت زرتشتی تھا۔ دونوں ایران کے رہنے والے تھے۔

ابتداء میں دو مینار بنانے کا رواج ایرانیوں کے ہاں سے آیا تھا اور پھر یہ اثر مغلوں کے فن تعمیر پر اثر انداز ہوا۔ اور پھر صفوی تعمیر میں منتقل ہو گیا۔ مسجدوں میں مینار و گنبد کا اثر اس وقت ہوا جب مسلمانوں میں دولت کی ریل پیل ہو گئی تھی۔ محراب و گنبد کے ناموں سے زمانہ جاہلیت کے لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کا نام (یعنی گنبد) شعروں میں عام استعمال ہوا ہے۔ عرب مینار و گنبد کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کے خیالات کے مطابق یہ چیزیں ان کو برکت بخشتی اور ان کی حفاظت کرتی ہیں۔

مسلمانوں نے مینار اور گنبد کو مسجد کا جز بنا لیا اور یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ مسلمانوں کا ورثہ ہے۔ علماء نے مسجدوں کو خوبصورت بنانے پر بہت بحث کی ہے۔ بہت سے علماء نے اس کی یعنی گنبد اور مینار بنانے کی مخالفت کی اور کہا کہ اس طرح مسجد کا تقدس پامال ہوگا۔ خاص طور پر ان کا یہ خیال تھا کہ عیسائیوں کے گرجا گھروں اور یہودیوں کے عالی شان معبدوں کی نقل کر کے مسجدوں کی شکل کہیں بگڑ نہ جائے۔ کیونکہ وہ معبد رومن بازنطینی فن تعمیر کا بہترین شاہکار تھے۔ آجکل بہت سے قدامت پسند مسجدوں پر مینار اور گنبد بنانے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ امیہ خلیفہ معاویہ نے میناروں کی تعمیر کو بہت سراہا۔ وہ چاہتے تھے کہ چرچوں اور سینیگال کی نقل کر کے ان جیسے مینار اور گنبد بنائے جائیں۔ عیسائی اپنے چرچ میں جو مینار بناتے تھے ان کو Bell Tower کہتے تھے جہاں سے لوگوں کو عبادت کے لئے بلایا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے جو مینار بنائے ان سے اذان دے کر لوگوں کو نماز کے لئے بلایا جاتا ہے۔ مینار کو مینار کیوں کہا جاتا ہے؟ عربی میں نار کے معنی آگ کے ہیں۔ مینار وہ جگہ ہے جہاں آگ جلائی جاتی ہے۔ جس کو Light Tower کہتے ہیں۔

"کیا مینار مسجد کا لازمی جز ہے"

اس کے بارے میں ایک انگریز سکالر CRENELL.K.A.C کہتا ہے کہ مینار مسجد کا لازمی جز نہیں۔ کیونکہ محمد ﷺ نے جو مسجد مدینہ میں بنائی، اس کا کوئی مینار نہیں تھا۔ 41 سال بعد یعنی محمد ﷺ کی وفات کے 41 سال بعد 673ء میں دمشق میں مینار بنایا گیا اور پھر بعد میں مینار کو مسجد کی علامت سمجھا جانے لگا۔ جہاں سے مؤذن اذان دیتا ہے۔ پھر مسجد کے چار کونوں میں مینار بنائے جانے لگے۔ پہلی دفعہ چار مینار دمشق کی مسجد میں بنائے گئے۔ جیسا کہ شام کے چرچ کے چار مینار تھے۔ مینار پر اذان دینے کا رواج دمشق کے مینار سے ہوا جو چرچ کا مینار تھا۔ جس کو ٹیمپل آف ہیگن کہا جاتا تھا۔ جو شام کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ مسلمان وہاں نماز ادا کیا کرتے تھے اور پھر عامر کی مسجد تعمیر کی گئی جس کے چار مینار بنائے گئے جو شام کے چرچ کی طرح تھے۔ مینار کو مسجد کی علامت کے طور پر باقاعدہ 707ء سے جانا جانے لگا۔ جب مدینہ کی مسجد نبوی کو دوبارہ تعمیر کیا گیا تو پہلی دفعہ چار مینار بنائے گئے۔

”قرآن وحدیث میں کہیں بھی مینار وگنبد بنانے کا حکم نہیں۔“

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ کہیں نہیں ملتا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے گنبد و مینار کا کہیں حکم دیا ہو اور یہ کہا ہو کہ مینار و گنبد کے بغیر مسجد نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ایک حدیث سے یہ علم ہوتا ہے کہ ” آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ” میں تم کو بلند و بالا مساجد تعمیر کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی عبادت گاہیں بنائی ہیں۔“ (یعنی مینار گنبدوں کے ساتھ)

پس یہ ثابت ہوا کہ گنبد و مینار مسجد کے لئے ضروری نہیں۔ اور نہ ہی یہ اسلامی ورثہ ہے پھر یہ کس بناء پر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مینار و گنبد اسلامی نشان ہے۔ ہر مذہب اپنی مرضی سے جیسا چاہے اپنی عبادت گاہ بنا سکتا ہے۔

مسلمانوں کے اپنی مساجد پر مینار و گنبد بنانے پر عیسائیوں نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ بلکہ ان کے ماہرین تعمیرات نے خود اپنے کلیساء کو سامنے رکھتے ہوئے مسجد کا ڈیزائن مینار و گنبد کے ساتھ بنایا۔ یہ عیسائیوں اور یہودیوں کی رواداری تھی کہ انہوں نے اپنے مینار و گنبد کی نقل پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ:۔ يَابَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف:31)

”اے ابنائے عالم ہر مسجد میں اپنی زینت (یعنی لباس تقویٰ) ساتھ لے کر جایا کرو۔“

اس جگہ زینت سے مراد مینار و گنبد مسجد میں بنانے کا حکم نہیں۔ بلکہ یہ حکم ہے کہ تم اپنی عبادت سے اس کی زینت بناؤ۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ نے اس کچی مسجد نبوی کو زینت بخشی۔ اگر زینت سے مراد مینار و گنبد ہوتی تو آپ یہ کبھی نہ فرماتے کہ مسجدیں بلند و بالا اور خوبصورت بنائی جائیں گی مگر نمازیوں سے خالی ہوں گی۔

اگر مسلمانوں کو گنبد و مینار اور محراب بنانے کا حکم ہوتا تو ایک جیسا نقشہ ہوتا اور کہا جاتا کہ اسلامی عبادت گاہوں کی شکل یہ ہوگی مگر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ ہر مسجد کا نقشہ الگ الگ ہے۔ کسی مسجد کے چار مینار ہیں اور کسی کے دو مینار اور کسی کا ایک مینار۔ ہر مسجد کا گنبد جدا جدا ہے۔ کسی کی محراب ہے کوئی محراب کے بغیر ہے۔ لہٰذا ایک مسجد دوسری مسجد سے نہیں ملتی۔ چونکہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنی فتوحات کے بعد عیسائیوں کے خوبصورت کلیساؤں کو دیکھ کر اپنی مسجدوں پر مینار و گنبد بنائے۔ اس لئے ان کو یعنی میناروں کو مسجد کی علامت سمجھا جانے لگا۔

ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ:۔

” فضائل اسلام میں سے ایک فضلیت یہ ہے کہ اسلام کے معابد ہاتھ سے نہیں بنائے جاتے اور خدا کی خدائی میں ہر مقام پر خدا کی عبادت ہوسکتی ہے۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ (البقرہ) جس طرف منہ کرلو وہیں خدا کو پاؤ گے۔“ جس مقام پر خدا کی عبادت کی جائے۔ وہی مقام مقدس ہے اسی کو مسجد سمجھ لیجئے۔ مسلمان چاہے سفر پر ہو یا حضر میں“ جب نماز کا وقت آتا ہے۔ چند مختصر اور پر جوش فقروں میں اپنے خالق سے اپنے دل کا عرض حال کرتا ہے۔ اس کی نماز میں اتنی طوالت نہیں ہوتی کہ جی گھبرا جائے اور نماز میں جو کچھ پڑھتا ہے اس کا مضمون یہ ہوتا ہے کہ اپنے عجز انکساری کا اظہار اور خداوند عالم کی عظمت اور جلال کا اقرار و رحمت پر توکل، عیسائی کیا جانے کہ اسلام میں عبادت کا مزا کیسا کوٹ کوٹ بھرا ہے۔

(تنقید الکلام لائف آف محمد از سید امیر علی)

” مینار کے ڈیزائن پر مسلمانوں کی اجارہ داری نہیں۔ اس بناء پر مساجد عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانا خلاف قانون ہے۔“

” جناب جسٹس طارق سلیم شیخ صاحب لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ“

تعزیرات پاکستان کی دفعات 298C,298B کے تحت لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ:۔

”............ مینار ایک تعمیراتی خصوصیت ہیں۔ اسلام کے اولین دور میں مساجد میناروں کے بغیر بنائی گئی تھیں۔حضرت نبی کریم ﷺ کے دور میں مسجد کے قریب موجود سب سے اونچی چھت پر کھڑے ہوکر اذان دی جاتی تھی۔مزید لکھتے ہیں۔میری رائے میں 1984ء میں نافذ ہونے والے توہین مذہب کے متعلق صدارتی آرڈیننس سے قبل تعمیر ہونے والی ”بیت الاحمدیہ“ پر اس آرڈیننس کا اطلاق نہیں ہوتا۔اس بنیاد پر احمدیہ برادری پر 1984ء سے قبل تعمیر کی گئیں عبادت گاہیں مسمار کی جاسکتی ہیں اور نہ ہی مینار توڑے جاسکتے ہیں...........“

جناب جسٹس طارق سلیم شیخ صاحب لاہور ہائی کورٹ نے اپنے فیصلہ میں اس امر کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے کہ”مینار ایک تعمیراتی خصوصیت ہیں۔اسلام کے اولین دور میں مساجد میناروں کے بغیر بنائی گئی تھیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے دور میں مسجد کے قریب موجود سب سے اونچی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی جاتی تھی۔اس بنیاد پر محترم جسٹس صاحب فرماتے ہیں کہ

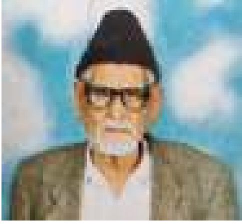
”............ نہ مساجد/عبادت گاہیں مسمار کی جاسکتی ہیں اور نہ ہی مینار توڑے جاسکتے ہیں۔“

خاکسار نے اپنے مضمون میں قرآن وحدیث اور تاریخ عالم کی روشنی میں حوالہ جات کے ساتھ جیسے ایک آرٹیکل از عبدالہادی ناصر صاحب ہفت روزہ پاکستان ایکسپریس نیویارک 26۔اکتوبر 2012ء سے بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے پیارے آقا حضرت نبی کریم ﷺ کے دور میں جو مساجد تعمیر ہوئیں ان پر کوئی مینار نہیں تھے۔

پورے مضمون کو غور سے پڑھیں۔امید ہے کہ ہمارے بھائیوں کی سب اُلجھنیں حل ہوجائیں گئیں۔

حمد

ماسٹر محمد ابراہیم شاد



حمد و ثنا کے لائق یا رب ہے تیرا نام
کون و مکاں کے خالق! عالی مقام تیرا
تو نے ہماری خاطر سب نعمتیں بنائیں
حاصل جہاں میں سب کو ہے فیض عام تیرا
جنگل کے سب درندے ہر قسم کے پرندے
کرتے ہیں ذکر سارے ہر صبح و شام تیرا
لا ریب سب جہاں میں قانون میرا جاری
بے عیب چل رہا ہے ہر سو نظام تیرا
ارض و سما میں ہر جا قائم تری حکومت
عالم کا ذرّہ ذرّہ ادنیٰ غلام تیرا
شمس و قمر ستارے تو نے بنائے سارے
ہے مستفیض جن سے ہر خاص و عام تیرا
دُنیا میں ذکر تیرا باقی ہے سب اندھیرا
دل مطمئن ہو جس سے وہ ہے ''کلام'' تیرا
دین متین زندہ۔ قرآن پاک زندہ
زندہ نبی محمدؐ خیر الانام تیرا
رحمت تری خدایا ہم سب کا ہے سہارا
کر فضل و رحم ہم پر بخشش ہے کام تیرا
ہم شادؔ ہوں الٰہی تیرے کرم سے ہر دم
نازل ہو فضل و رحمت ہم پر مدام تیرا



برطانیہ اور فلسطین

تلخیص و ترتیب: شہزادہ قمرالدین مبشر

گلاسکو، سکاٹ لینڈ

فلسطین پر ترکوں کا قبضہ تھا۔ اہلِ فلسطین امن اور آسودگی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یورپ کی عیسائی حکومتیں صلیبی جنگوں کا انتقام لینا چاہتی تھیں مگر مسلمانوں کی متحدہ طاقت سے ٹکرانا عیسائی طاقتوں کے بس کی بات نہ تھی۔ ترکی ایک مضبوط اسلامی سلطنت تھی۔ یورپ کے کئی ملک خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ نگیں آچکے تھے۔ اس مضبوط اسلامی سلطنت کو ختم کرنے اور پارہ پارہ کرنے کے لئے عیسائی دماغوں نے ایک سازش تیار کی۔ کرنل لارنس کو ایک عرب مصلح کے لباس میں عرب بھیجا گیا۔ لارنس عربوں کی ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر عرب کے کونے کونے میں پہنچا۔ اس نے یورپ کے نظریہ قومیت کی تبلیغ شروع کی۔ عربوں سے کہا "تم علاقائی، جغرافیائی اور لسانی لحاظ سے الگ قوم ہو۔ ترک الگ قوم ہیں۔ ترکوں نے تم عربوں کو غلام بنا رکھا ہے۔ تمہاری علاقائی حدود میں تمہاری اپنی حکومت ہونی چاہیئے۔ آؤ آزادی کا پرچم ہاتھوں میں لے کر ترکوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے متحد ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔" لارنس کی تبلیغ کارگر ثابت ہوئی۔ لارنس کی پشت پر برطانوی امداد تھی۔ لارنس کی تحریک اور برطانیہ کی امداد سے ترکوں کے خلاف کئی خفیہ انقلابی انجمنیں قائم کی گئیں۔ اِن انجمنوں میں الفساط اور الاحد خاص کر قابلِ ذکر تھیں۔ لارنس کے پروپیگنڈے کا یہ نتیجہ نکلا کہ عربوں نے ترکوں کے خلاف انقلابی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔

دوسری طرف برطانوی ہائی کمشنر مقیم مصر میکوہن نے حجاز کے حسین جو شریف مکہ کہلاتے تھے، کے ساتھ باقاعدہ خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس خط و کتابت میں برطانوی ہائی کمشنر نے برطانیہ کی طرف سے شریف مکہ کو یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ ترکوں کے خلاف بغاوت کے سلسلے میں برطانوی حکومت عربوں کو ہر ممکن مدد دے گی تاکہ عرب اپنے علاقوں میں اپنی آزاد حکومت قائم کر سکیں۔ پہلی جنگ شروع تھی۔ ترکوں نے اتحادیوں کا ساتھ نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ اتحادیوں نے ترکی کو جرمنی کا ساتھی قرار دے کر ترکوں کے خلاف بھی کھلم کھلا اعلان جنگ کر دیا تھا۔ چنانچہ اکتوبر 1917ء میں فلسطین میں جارحانہ کارروائیاں شروع ہوئیں تو عرب فوجی ترک فوجوں سے بھاگ بھاگ کر اتحادی فوجوں کے ساتھ شامل ہونے لگے۔ والئی حجاز نے بھی تمام ذرائع برطانیہ کے سپرد کر دیئے تھے جن سے اتحادیوں کو مادی طور پر بہت زیادہ فائدہ پہنچا تھا۔

دورانِ جنگ عربوں کی ترکوں کے خلاف بغاوت اس لئے نہیں تھی کہ ترکوں کی حکومت خراب تھی بلکہ اس لئے تھی کہ عرب آزادی چاہتے تھے۔ انہوں نے جنگ کی آگ میں اپنی جانیں اس لئے نہیں جھونکی تھیں کہ وہ آقاؤں کی تبدیلی کریں اور برطانوی رعایا بن جائیں یا فرانسیسی شہری بلکہ وہ اپنا صحیح مقام حاصل کرنا چاہتے تھے۔

لارنس نے عربوں میں علاقائی اور لسانی جذبات قومیت پیدا کر دیئے تھے جن کی وجہ سے ترکی اور جرمنی اتحاد کو شکست دی گئی۔ یہی وہ واحد حل تھا جس کے ذریعے ترکی اور جرمنی کو مشرق وسطیٰ سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔

برطانیہ کے عربوں سے وعدے

برطانیہ نے 1915ء میں عربوں کو عثمانی سلطنت کے خلاف بغاوت کرنے پر اکسانے کے لئے برطانوی امداد کی پوری یقین دہانی کے ساتھ یہ وعدہ

بھی کیا تھا کہ ترکوں سے عرب علاقے واپس لینے کے بعد ان میں عربوں کی حکومت قائم کرنے میں برطانیہ پوری مدد دے گا۔ وہ علاقے جن پر عربوں کی حکومت قائم کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا وہ ہنری میکموہن اور شریف حسین کے درمیان ہونے والی خط وکتابت میں صاف واضح کئے گئے تھے۔ اس خط وکتابت میں سر ہنری میکموہن ایک خط میں لکھتے ہیں:" مرسینا اور اسکندرونہ کے اضلاع اور شام کے وہ حصے جو دمشق، حمص اور حلب کے اضلاع کے مغرب میں واقع ہیں خالص عربی علاقے نہیں ہیں لہٰذا انہیں مروجہ حدود سے خارج کردینا چاہئے۔ اس ترمیم کے ساتھ اور عرب رؤسا کے ساتھ موجودہ معاہدوں کو نقصان پہنچائے بغیر ہم ان حدود کو جو شریف حسین نے پیش کی تھیں منظور کرتے ہیں۔''

میکموہن کے اس خط سے صاف واضح ہوتا ہے کہ برطانیہ نے شام، فلسطین، عراق، شرق اردن، حجاز، یمن اور نجد کے علاقوں پر عربوں کے حقوق حکومت کو تسلیم اور منظور کرلیا تھا۔

شریف حسین نے 05 نومبر 1915ء کو میکموہن کو وضاحتی خط لکھتے ہوئے کہا:''مرسینا اور ادرونہ کو مستثنیٰ کرنے کے لئے ہم تیار ہیں مگر دمشق، حلب اور حمص کے مغربی علاقے خاص عربی علاقے ہیں اور ان علاقوں کو ہم مستثنیٰ کرنے کے لئے تیار نہیں۔''

اس خط کے جواب میں سر ہنری میکموہن نے 13 دسمبر 1915ء کو شریف حسین کو خط لکھتے ہوئے برطانوی حکومت کی طرف سے یہ وعدہ کیا:

''میں اس بات سے خوش ہوں کہ آپ نے مرسینا اور ادرونہ کی ولایتوں کو مجوزہ عرب ممالک کی حدود سے خارج رکھنا منظور کرلیا ہے۔ حلب اور بیرون کی ولایتوں کے متعلق برطانیہ عظمیٰ کی حکومت نے آپ کے بیان کو سمجھ لیا ہے اور اسے انتہائی احتیاط کے ساتھ نوٹ کرلیا ہے لیکن چونکہ ان دو ولایتوں کے ساتھ ہمارے حلیف فرانس کا مفاد بھی وابستہ ہے لہٰذا یہ مسئلہ توجہ کے ساتھ غور وفکر کا محتاج ہے ہم اس باب میں آپ کو مناسب وقت پر دوبارہ لکھیں گے۔" برطانیہ کے ان وعدوں میں فلسطین کے استثناء کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے بلکہ برطانیہ نے اپنے وعدوں کے مطابق فلسطین پر بھی عربوں کے حقوق حکومت کو تسلیم کرلیا تھا۔ شریف حسین نے بیروت اور ساحلی علاقوں کے متعلق بھی وضاحت کرتے ہوئے یکم جنوری 1914ء کو لکھا:

''ہمارا فرض ہوگا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد سب سے پہلے موقع پر آپ سے بیروت اور اس کے ساحلی علاقے کا مطالبہ کریں جسے ہم فی الحال فرانس کی خاطر نظر انداز کرتے ہیں۔ ہمارے پڑوس میں فرانس کا موجود رہنا ایسے جھگڑوں اور مشکلات کا باعث ہوگا جن کی موجودگی میں امن قائم رکھنا ناممکن ہوجائے گا۔ اس کے علاوہ بیروت کے باشندے اس تقسیم اور تجزیہ کے شدید مخالف ہیں لہٰذا ان علاقوں میں فرانس یا کسی دوسری طاقت کو ایک چپہ زمین پر بھی قبضے کا حق دینا خارج از بحث ہے۔''

انہیں وعدوں کو سامنے رکھ کر مائیکل میکڈانلڈ نے کہا:''اعلان بالفور کا اجراء حقیقت میں عربوں کے ساتھ کئے گئے وعدوں کی سراسر خلاف ورزی ہے۔''مسٹر رامزے میکڈانلڈ نے 1922ء میں برطانیہ کو اس حقیقت کا احساس دلایا:''ہم نے سلطنت عثمانیہ کے عربی صوبوں میں عرب بادشاہی کے قیام کا وعدہ کرکے عربوں کو ترکی کے خلاف بغاوت پر اکسایا اور اس عرب بادشاہی میں فلسطین شامل تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے یہودیوں کو یہ یقین دلا کر اپنی امداد پر آمادہ کیا کہ فلسطین کو آبادکاری اور حکومت کے لئے ان کے حوالے کردیا جائے گا۔ اسی دوران ہم نے فرانس کے ساتھ معاہدہ سائیکس پیکٹ کررہے تھے۔ جس کے متعلق ہماری ہدایت کے مطابق ہمارا مصری نمائندہ عربوں کے ساتھ وعدہ کرچکا تھا۔ اس ساری داستان سے دھوکے اور فریب کے سوا کچھ ظاہر نہیں ہوتا اور ہم اس کی پاداش سے بچنے کی امید نہیں رکھ سکتے۔''

برطانیہ اپنے سیاسی مکروفریب سے ایک طرف عربوں کو مطمئن کرنے کے لئے ان سے مختلف وعدے کررہا تھا اور دوسری طرف اس زمانے میں ہندوستان کے مسلمانوں کو مختلف بیانات اور وعدوں کے ذریعے مطمئن کررہا تھا تاکہ مسلمانانِ ہند مذہبی جوش وجنون میں آکر برطانیہ کی مخالفت نہ کرنا

شروع کر دیں۔خلافتِ عثمانیہ کے خلاف برطانیہ کی جنگی حکمتِ عملی کو دیکھ کر ہندوستان کے مسلمانوں نے تحریک خلافت کا آغا کیا تا کہ اجتماعی تحریک کے ذریعے سلطنت عثمانیہ کی اخلاقی اور مالی مدد کی جا سکے۔اس پر جوش تحریک سے خائف ہوکر برطانیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے ہندوستانی مسلمانوں سے جو وعدے کئے وہ مندرجہ ذیل تھے:

02 نومبر 1914ء کو حکومتِ برطانیہ نے روس اور فرانس کے مشورے سے وائسرائے ہند کے ذریعہ یہ اعلان کرایا:

" ملک معظم کی حکومت نے مقاماتِ مقدسہ عرب کے متعلق جن میں عراقی زیارت گاہیں اور جدہ کی بندرگاہ بھی شامل ہے۔اعلان کا اختیار دے دیا ہے۔تاکہ ملک معظم کی وفادار مسلم رعایا کے دل جنگ کے سلسلے میں جس سے مذہبی نوعیت کا کوئی مسئلہ وابستہ نہیں۔حکومت معظم کی روش کے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔مقاماتِ مقدسہ اور جدہ حکومت برطانیہ کی بحری طاقت اور فوج کے حملے یا اَزار سے اس وقت تک بالکل محفوظ رہیں گے جب تک ان مقاماتِ مقدسہ یا محولہ بالا زیارت گاہوں کو جانے والے ہندوستانیوں کو روکا نہ جائے۔حکومت ملک معظم کی درخواست پر روس اور فرانس کی حکومتوں نے بھی اسی قسم کا یقین دلایا ہے۔"

پھر 09 نومبر 1914ء کو مسٹر ایکسوئتھ نے گلڈ ہال میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

" سلطان ترکی کی مسلم رعایا سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہمارے بادشاہ کی نہایت وفادار رعایا میں کروڑوں مسلمان بھی شامل ہیں اور ہمارے خیالات سے اس کے سوا کوئی بات دور تر نہیں کہ ہم ان مسلمانوں کے عقیدے یا ان کے مقاماتِ مقدسہ کے خلاف جنگ کی حوصلہ افزائی کریں۔اگر ضرورت پڑی تو ہم تمام حملہ آوروں کے مقابلے میں ان کی حفاظت کے لئے تیار ہیں تا کہ یہ محفوظ رہیں۔"

پھر جب سلطنتِ عثمانیہ کے حصّے بخرے اتحادیوں نے کرنا شروع کئے تو ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر پیدا ہوئی تو اِن مسلمانوں کو مطمئن کرنے اور ان کے اضطراب کو دُور کرنے کے لئے 15 مئی 1921ء کو یہ اعلان کیا گیا:

" ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے عرب ہم مذہبوں کی آزادی برقرار ہے۔نیز سابقہ عثمانی سلطنت کے بہت بڑے حصے کی آزادی کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔جن حصوں کو خالص اسلامی اقتدار سے علیحدہ کیا گیا ہے وہ ارمینیا، تھریس اور سمرنا ہیں۔جو بہت چھوٹے خطے ہیں اور جن کی آبادیاں جنگ سے پیشتر کے اعداد کی بنا پر زیادہ تر غیر مسلم تھیں۔" ان وعدوں کے بعد جب برطانیہ اور فرانس نے شام، عراق اور فلسطین میں انتدابی حکومتیں قائم کر لیں تو اس وقت بھی یہ اعلان کیا گیا کہ یہ انتداب عارضی ہیں اور خاص مقاصد کے تحت ہیں۔چنانچہ اس سلسلے میں بھی یہ اعلان جاری کیا گیا:" ان تین (شام، عراق اور فلسطین) خطوں کے متعلق انتدابات خاص مقصد کے لئے تھوڑی سی مدت کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ان خطوں میں اگر قومیت کی اصل کو فوری طور پر جاری کیا جائے گا تو بدنظمی اور انارکی پیدا ہو جائے گی۔انتدابی طاقت کا کام یہ ہے کہ مقامی باشندوں کو انتظامی امور میں مشورہ اور امداد دے تا آنکہ وہ بیرونی امداد کے بغیر انتظامی کاروبار کو کامیابی سے چلانے کے اہل بن جائیں۔"

برطانیہ ایک طرف تو عربوں سے وعدے کر کے ان کی امداد اور اعانت سے جرمنی اور ترکوں کو شکست دینے کے منصوبے بناتا رہا۔دوسرے طرف برطانیہ اور فرانس نے آپس میں ایک خفیہ معاہدہ کیا جس کا نام سائیکس پیکٹ تھا۔اس معاہدے میں فرانس اور برطانیہ نے یہ طے کیا کہ اگرچہ وہ ایک آزاد عرب حکومت یا عربی وفاق کے مؤیّد ہیں۔مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے ممالک عربیہ کو برطانوی اور فرانسیسی حلقہ ہائے اثر کے تحت تقسیم کرنے میں اتفاق کر لیا۔اس معاہدے کی رو سے فلسطین کو بین الاقوامی علاقہ قرار دیا گیا۔

1914ء میں روس کی حکومت نے اس خفیہ معاہدے کو جب شائع کیا تو عرب برطانیہ کی دوغلی پالیسی اور وعدہ خلافیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند

کرنے لگے۔ حسین نے میکموہن کو اس خفیہ معاہدے کے متعلق جب احتجاج کرتے ہوئے لکھا تو میکموہن نے اس کو ترکی کی شرارت قرار دیتے ہوئے عربوں کو یوں تسلی دی کہ برطانیہ پہلے کی طرح اب بھی پختہ ارادہ رکھتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ استقلال عربیہ کی تشکیل اور تقسیم کرے گا۔

میکموہن کی وضاحت کے باوجود عرب مطمئن نہ ہوئے اور انہوں نے اپنے سات زعماء کی طرف سے برطانیہ کو ایک یادداشت بھیجی۔ جس کے جواب میں برطانیہ نے ڈیکلریشن آف سیون شائع کیا جس میں یہ اعلان کیا گیا کہ:" جن عربی ممالک پر اتحادی فوجوں نے قبضہ کیا ہے ان کے متعلق ملک معظم کی حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ان ممالک کی آئندہ حکومت متعلقہ باشندوں کی رضامندی سے تشکیل پذیر ہو جو علاقے ابھی تک ترکوں کے قبضے میں ہیں ان کے متعلق ملک معظم کی حکومت کی خواہش ہے کہ ان علاقوں کے غلام باشندے خود مختاری اور آزادی حاصل کریں۔ ملک معظم کی حکومت اس مقصد کی تکمیل میں بدستور کوشاں ہے۔''

عربوں کو مزید یقین دہانی:

عربوں کو مزید مطمئن کرنے کے لئے 07 نومبر 1917ء کو فلسطین، شام اور عراق کے کونے کونے میں ایک اعلان چسپاں کیا گیا جس میں تحریر تھا:" مشرقِ وسطیٰ میں جرمنی نے جس جنگ کی بنیاد ڈالی ہے اس میں شریک ہوتے ہوئے برطانیہ اور فرانس کے پیش نظر مقصد ان لوگوں کی مکمل اور حتمی آزادی ہے جو اَب تک ترکوں کے غلام چلے آ رہے ہیں نیز ایسی قومی حکومتوں کی تشکیل ہے جو مقامی باشندوں کے آزادنہ انتخابات اور فیصلے کا نتیجہ ہوں گی۔ برطانیہ اور فرانس کسی قسم کا بھی نظامِ حکومت اپنی طرف سے مسلّط نہیں کریں گے بلکہ ایسی مؤثر امداد دیں گے جس سے وہ حکومتیں بخوبی چل سکیں۔"

(بحوالہ ٹائمز آف انڈیا یکم جنوری 1914ء، نومبر 1914ء، 15 مئی 1921ء، مارچ 1922ء)



غزل

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

لندن

جب فقط ڈھانے کو مسجد کی عمارت رہ گئی
کون کہتا ہے کہ ایماں کی حرارت رہ گئی

ہے مگر ان کو غرض کرسی پہ اب بیٹھے گا کون
سرخرو ہو کر بھی کس کس کی وزارت رہ گئی

ایک دوجے کے لئے عبرت کا باعث تو ہوئے
کیا مگر حق بات کہنے کی جسارت رہ گئی

دیں کی غیرت کے لئے اٹھتا نہیں کوئی سوال
بیچنے کو نام کی ذاتی تجارت رہ گئی ؟

دھجّیاں اڑتی ہیں ایوانوں میں اس کی آئے دن
اب فقط آئین کی باقی عبارت رہ گئی

ہو گیا جمہوریت کے نام سے اتنا مذاق
توڑنے کو ملک باقی کیا شرارت رہ گئی

خون کے آنسو رلاتی ہے نہیں یہ داستاں
جن کے آبا کی سبھی محنت اکارت رہ گئی

جو دعا کرتے ہیں طارق، ہیں وطن کے خیر خواہ
ہیں بہت تھوڑے مگر جن میں بصارت رہ گئی

تاریخی جلسہ سالانہ ملائشیا اور صد سالہ پروگرام میں شرکت کی روئیداد

لیڈی امۃ الباسط ایاز۔لندن

ملائشیا میں تاریخی جلسہ سالانہ اور سو سالہ پروگرام کا انعقاد دسمبر 2022 میں ہوا۔جس میں ہمیں بھی شرکت کرنے کا موقع ملا۔ ہمارے اس سفر اور ملائشیا میں قیام کا دورانیہ 13 دسمبر سے 28 دسمبر تک 2022 تھا۔ہمارے اس سفر اور جلسہ سالانہ اور سو سالہ پروگرام کی مختصر روئیداد پیش خدمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں کے ساتھ ہم نے یہ سفر اتحاد ائیر لائن سے سے 13 دسمبر 2022 کو شروع کیا۔سفر لمبا تھا اس لئے ڈاکٹر افتخار صاحب نے ابوظہبی میں سفر بریک کر کے تین گھنٹے ائیر پورٹ پر ہی کچھ دیر چہل قدمی کر لی اور آرام کر لیا۔ہمارا جہاز حالانکہ بہت بڑا اور آرام دہ تھا اور فلائٹ کافی ہموار تھی۔مگر ابوظہبی سے آگے جب ہم روانہ ہوئے تو الامان و الحفیظ والی بات تھی۔ جہاز ایسے ہچکولے کھا رہا تھا گویا ہم رولر کوسٹر پر بیٹھے ہیں۔ جہاز دو گھنٹے مسلسل اچھلتا رہا۔اس دوران کھانا بھی نہیں دیا گیا۔ٹائلٹ کی بتیاں بھی سرخ کر دی گئیں اور اعلان کیا گیا کہ تمام ائیر ہوسٹسیں بھی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھی رہیں۔ خیر خدا خدا کر کے یہ خطرہ ٹلا اور ہم سب ذرا حرکت کرنے لگے۔الحمدللہ۔



ائیر پورٹ پر ہماری جماعت کے بہت سے بہن بھائی آئے ہوئے تھے۔ دوسرے ممالک سے مثلاً انڈونیشیا، کیمرون اور ملائیشیا کی لجنہ کی عاملہ ممبرات بھی جو مجھے پہلے سے ہی جانتی تھیں آئی ہوئی تھیں۔ بڑی محبت اور تپاک سے ملیں۔ہم بذریعہ کار ہوٹل سیری (Siri) پہنچ گئے کہ کچھ آرام کر لیں۔ چونکہ افتخار صاحب کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بنفس نفیس از راہ شفقت اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ان کو احباب جماعت انسپکشن کے لئے لینے آ گئے۔ اور مجھے لجنہ کی بہنیں ہوٹل سے مشن ہاؤس لے آئیں۔ کیونکہ مجھے بھی اپنی پرانی لجنہ کی ممبرات اور پاکستانی بہنوں سے ملنا تھا۔اس ملک میں کئی نئی آنے والی بہنوں نے جلسہ کے انتظامات کے لئے اپنی ڈیوٹیاں لگا رکھی تھیں۔جن سے مجھے ملوانے کا اس طرح انتظام کیا گیا تھا کہ باری باری ٹیمیں ضیافت، صفائی اور رہائش گاہ کے انتظام کرنے والی بہنیں آتیں مجھے اپنا تعارف کرواتیں اور میں بھی ان سے پوچھتی کہ آپ کو یہاں آئے کتنے سال ہوئے ہیں۔سب بتاتیں کہ بس ہمارے لئے دعا ہی کریں ہم جلد کسی اور ملک چلے جائیں اور کچھ تو رونے بھی لگ جاتیں۔ میں ان کو تسلی دیتی اور کبھی کسی کی مشکلات اور بیماریوں کا علاج نہ ہونے کی وجہ سے پریشان حالت دیکھ کر میرا اپنا دل بھی بھر آتا۔انہی دنوں میں ایک بہن نے جن کو ابھی صرف تین سال ہی ہوئے تھے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہنے لگیں کہ آنٹی جان آپ فکر نہ کریں یہ ملئی لوگ بہت اچھے ہیں۔ہم اپنے عزیزوں کو دور چھوڑ آئے ہیں ہماری ہر تکلیف میں یہی بہنیں ہمارے کام آتیں ہیں اور بہت خیال رکھتی ہیں۔

کچھ عورتوں نے جب اپنی تکالیف کا اظہار کیا تو میں نے انہیں بتایا کہ حضور کو آپ کی تمام مشکلات اور پریشانیوں کا بخوبی علم ہے۔جبھی تو حضور گاہے بگاہے اپنے نمائندے مرکز سے بھجواتے ہیں کہ یہاں آ کر آپ کے حالات کو جانیں اور مزید سہولتیں مہیا کریں۔آپ کو چاہیئے کہ یہاں قیام کے دوران ملائیشین اور انگلش زبانیں سیکھیں تاکہ آپ کو روزمرہ کاموں کے دوران گفتگو کرنے میں آسانی ہو۔اس سلسلہ میں مَیں نے جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ ایک بہن نے والنٹیر یلی انگلش کلاسز شروع کر رکھیں ہیں۔ ایک نوجوان پاکستانی بچی کو جو میرے ساتھ ہر وقت رہتی تھی اور انگلش بولتی اور سمجھدار ہے ابھی اس کو اپنی

والدہ کے ساتھ آئے صرف تین ہی سال ہوئے ہیں یہاں مزید پڑھائی کا کوئی سامان نہیں بے چاری اِدھر اُدھر بس کچھ نہ کچھ لجنہ کے کاموں میں یا پروگراموں میں مدد کرتی رہتی ہے۔ میں نے اس کا نام صدر صاحبہ لجنہ کو اس کی اجازت سے اور اس کی امی کی اجازت سے دیا کہ وہ روزانہ Bases پر مشن ہاؤس میں آ کر وقت مقرر کر لے اور بہنوں کو انگلش سکھائے تا کہ وہ کم از کم بول چال آسانی سے کر سکیں۔ ڈاکٹر کے پاس جانا ہو یا ہوم آفس جانا ہو اور تمام ضروری جگہوں پر سکول اور کالج میں یا کہیں بھی جاب کے لئے درخواست دینا ہو تو انگلش سیکھنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

اب میں جلسہ کے پہلے دن کی کارروائی کے بارے میں بتاتی ہوں۔ ہم چونکہ جلسہ گاہ سے 60 میل دور قیام پذیر تھے اس لئے ذرا جلدی ہوٹل چھوڑ کر جمعہ کی نماز اور جلسہ کے لئے چل پڑے۔ راستہ پہاڑی تھا اور سبزہ دار تھا مگر تھا Zig Zag قدرے سر بھی چکرانے لگا مگر خیر اس کی کس کو پرواہ تھی۔ ہم ایک گھنٹہ بعد جلسہ گاہ پہنچ گئے۔ تمام انتظامات نہایت شاندار تھے۔ بڑے بڑے بینر اور جھنڈے لہرا رہے تھے اور خوبصورت پوسٹرز سے جلسہ گاہ کو آویزاں کیا ہوا ماحول نہایت خوشگوار تھا۔ دریا کا کنارہ تھا پتھریلے فرش پر فرش بچھا کر مہمانوں کو آرام دیا گیا تھا۔ نماز جمعہ کے بعد کھانے کا انتظام مارکی سے باہر کھلی فضا میں یعنی سائبان لگا کر کیا گیا تھا۔ مجلس عاملہ کی ممبرات اور صدر حلقہ جات اور صدر لجنہ نے سب مہمانوں کی خوب تواضع کی۔ کھانے کے بعد خوبصورت کیک لایا گیا جس پر Centenary Jalsa بہت بڑا اور خوش رنگ لکھا ہوا تھا۔ کیک کٹوایا گیا اور سب معزز مہمانوں کو پیش کیا گیا۔ اس کے بعد ہمیں لذیذ Water Coconut جو کہ Cans میں ملتا ہے پیش کیا گیا اور فوراً ہی جلسہ کی کارروائی شروع ہوگئی۔ تلاوت اور نظم سے جو کسی خادم نے نہایت خوش الحانی سے پڑھی اس کے بعد مکرم امیر صاحب کی صدارت میں جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ پہلی تقریر ڈاکٹر صاحب کی تھی جس کے بعد دو ایک اور چھوٹی تقاریر تھیں اور پھر دعا کے بعد جلسہ برخاست ہوگیا۔ الحمدللہ۔

اگلی صبح جبکہ ہم ابھی ناشتہ کرنے ہی بیٹھے تھے کہ افتخار صاحب کو مرکز سے فون آیا کہ آج کا جلسہ کینسل ہوگیا ہے۔ ہم دونوں نے فکر مند ہو کر اِنَّا لِلّٰہِ ہی پڑھا۔ جلسہ کینسل ہونے کی وجہ معلوم نہ تھی نہ ہی ہمیں بتایا گیا۔ ہم نے بے دلی سے اور افسردہ ہو کر ناشتہ کیا ہی تھا کہ دوبارہ فون آیا کہ ڈاکٹر صاحب آج ہنگامی صورت حال ہوگئی ہے۔ ہماری جلسہ گاہ سے کچھ ہی فاصلے پر دریا کی دوسری طرف Land Sliding ہوئی ہے۔ جس میں ہالیڈے ریسارٹ (Holiday Resort) میں آنے والے 25 افراد ہلاک ہو گئے ہیں اور 9 لوگ ملبے کے نیچے دبے ہیں اور خدشہ ہے کہ دریا کے دوسرے کنارے جہاں آپ کا جلسہ ہو رہا ہے حکومت آپ کو اس خطرے سے مطلع کرتے ہوئے یہی کہے گی کہ آپ فوری طور پر اپنا سب سامان Wind up کر کے کہیں اور شفٹ کر لیں تا کہ کوئی جانی نقصان نہ ہو اس پر ہمارے نوجوانوں، بزرگوں اور پاکستان سے آئے ہوئے تمام لوگوں نے آناً فاناً صرف 6 گھنٹوں میں سب سامان مسجد سلام میں شفٹ کر کے جلسہ کی کارروائی جاری رکھنے کے لئے ساری جماعت کو اطلاعات کر دیں۔ MTA والوں نے کمال طریقے سے رابطے کر کے بذریعہ ZOOM ہر حلقہ، ہر گھر اور ہر مجلس میں جلسہ سننے کے لئے مکمل طور پر تسلی بخش انتظام کر کے امیر صاحب کو اطلاع کر دی اور اِدھر ضیافت کی ٹیم جس نے اب تک دوپہر کے کھانے کی دیگیں پکا لی تھیں ہر علاقے میں بروقت پہنچا دیں تا کہ جماعت کی محنت اور خرچ ضائع نہ ہو۔ اس طرح سے بڑے سکون سے جلسہ مسجد سلام میں جاری رہا۔ البتہ دن کی بجائے رات کو ہوا۔ اللہ کے فضل سے اس دن ڈاکٹر افتخار صاحب کی تقریر عورتوں کے لئے تھی۔ مرد حضرات بھی سن سکتے تھے اور میری تقریر عورتوں میں تھی مگر ملئی میں اس کی ٹرانسلیشن Youtube پر سنی جا رہی تھی۔ الحمدللہ۔

اس طرح رات کے 12 بجے یہ جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا۔ اور اگلے دن بھی اسی جگہ بڑے اہتمام سے اور خوشی سے سارے پروگرام دیکھے اور سنے گئے۔ الحمدللہ جلسہ کی کارروائی سننے والوں کی کل حاضری 3500 تھی۔ میری تقریر کے بعد صدر لجنہ انڈونیشیا کی تقریر بھی تھی جو ملئی زبان میں تھی۔ ان کی

تقریر بڑی اچھی تھی۔ ماشاءاللہ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ جلسہ کے تین دنوں کے بعد ہمارا کام اپنے تمام پناہ گزین بھائی بہنوں کے حالات معلوم کر کے اور ان کی مشکلات جان کر ان کو ممکنہ سہولیات کی فراہمی کرنا اور ضروری مشوروں سے نوازنا تھا۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب ہر روز لمبی لمبی نشستوں میں ایک ایک فرد سے ان کی بات سنتے اور موازنہ کر کے اس سلسلہ میں کام کرنے والوں کو ہدایت دیتے اور مفید مشورے بھی دیتے اور ملنے والوں کو تسلی بھی دیتے۔ اس موقعہ پر لجنہ ملائیشیا نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ اتنی بڑی تعداد میں پاکستانی بہنوں اور بچوں کو الگ الگ مل پائیں گی اور اس کے بعد لجنہ ملائیشیا بھی جن میں سے اکثر تو آپ کو دس دس سال سے جانتی ہیں۔ آپ سے مل کر کچھ سوالات بھی پوچھنا چاہتی ہیں۔ میں نے اپنی کم علمی اور خلوص کی وجہ سے حامی تو بھر لی مگر قدرے فکرمند بھی تھی کہ اردو میں تقریر کئی بار کر چکی ہوں مگر انگلش میں کیسے کروں گی اور پھر ان لوگوں کے سوال نہ جانے کیا ہوں گے؟ وغیرہ وغیرہ مگر اللہ نے جب کسی سے کام کروانا ہو تو وہ خود ہی مدد کرتا ہے۔ الحمدللہ۔

جلسہ سالانہ کے چار دن بعد ہمیں 100 میل دور Kileng لے جایا گیا جہاں بہت بڑی جماعت ہے۔ وہاں ڈاکٹر صاحب کو تو جماعت کے سکول دکھانے اور طلباء سے ملانے کے لئے لے گئے اور مجھے یہاں کی صدر صاحبہ عظمیٰ شکیل صاحبہ کے بڑے ہال والے گھر میں لے آئے۔ عاملہ ملیشیا لجنہ کی چار ممبرات میرے ساتھ تھیں اور مجھے گائیڈ کرتی اور بتاتی جاتی تھیں کہ یہاں کی لجنہ بڑا اچھا کام کر رہی ہے۔ اسے کئی حلقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ریجنل صدر بشریٰ صاحبہ جو نائب امیر صاحب کی بیگم ہیں۔ میری بڑی اچھی دوست ہیں کئی سالوں سے مجھے جانتی ہیں انہوں نے کافی اردو بھی سیکھ لی ہے۔ بڑی خوش مزاج اور محنتی ہیں۔ وہ میرے ساتھ ساتھ رہیں۔ جلسہ شروع ہونے سے پہلے لیموں پانی پیش کیا جاتا گرمی کی وجہ سے ہر طرف پنکھے چل رہے تھے۔ ہال بڑا تھا مگر پھر بھی گرمی لگ رہی تھی۔ وہاں تقریباً 150 عورتیں بچوں سمیت موجود تھیں جو سب پاکستانی تھیں۔ میں نے ان سے پوچھنا تو یہ تھا ہر ایک سے کہ آپ کہاں سے آئی ہیں اور کب سے یہاں پر ہیں مگر میں نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ میری کتنی بہنیں ربوہ سے آئی ہوئی ہیں۔ اس پر کافی تعداد میں ہاتھ کھڑے ہو گئے۔ جو دیکھ کر مجھے اپنا دیس ربوہ بہت یاد آیا اور دل بھر آیا۔

اس کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع کی گئی۔ تلاوت کے لئے جو چنی گئی تھیں وہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا کا مضمون لئے ہوئے تھیں۔ اور حدیث جو پڑھی گئی وہ خاوند کے حقوق بیوی پر۔ اس پر میں نے اپنی تقریر میں تشریح بھی کر دی اور عورتوں کے حقوق مردوں پر پیش کر دیئے۔ اس کے بعد ایک بچی نے بڑی خوش الحانی سے نظم پڑھی جو میں نے اپنے فون پر ریکارڈ بھی کر لی۔ میں نے کھڑے ہو کر عہد نامہ دوہرایا اور پھر اپنی تقریر میں عہد کے الفاظ پر غور کرنے اور عمل کرنے کی کوشش کرنے کی تلقین بھی کی۔ بہنیں بہت خوش نظر آ رہی تھیں اور سر ہلا کر Nod کر رہی تھیں۔ نظم جو پڑھی گئی وہ ''میرا بچپن جہاں گزرا وہ بستی چھن گئی کیوں کر'' تھی۔ یہ قادیان کے جلسہ سالانہ کا دوسرا دن تھا، جس کی نوعیت سے جذبات قابو میں نہ رکھ سکے۔ کیونکہ میری پیدائش بھی تو قادیان کی ہے۔ میں نے موقع کی مناسبت اور حالات کے مطابق بہنوں سے باتیں کیں۔ انہیں بتایا کہ بچوں کی تربیت کریں اور اس ماحول میں بچوں کو اپنا دوست بنائیں اور پیار سے سمجھایا کریں۔ مجھے کئی بہنوں نے بتایا ہے کہ سکولوں میں داخلہ اور جاب نہ ملنے کی وجہ سے بچے گھروں سے دیر تک باہر رہتے ہیں اور دوسرے لڑکوں سے لڑتے اور جھگڑتے ہیں اور شکائتیں بھی پولیس والوں کو کر دیتے ہیں اور سزا دلواتے ہیں چونکہ مختلف طبقوں اور مذہبوں کے لوگ یہاں آ کر اسائیلم لے کر رہ رہے ہیں اس طرح کے اور بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔ ان سب کو جن کا حل ہماری جماعت ہر ممکن طریقے سے کرتی ہے اور ہر ممکن مدد بھی مہیا کرتی ہے۔ میں نے ان سب کو اپنی بولی میں سمجھایا کہ آپ اپنی مجبوری حالات کی وجہ سے یہاں آ تو گئے ہیں مگر ملائیشیا کی جماعت کا فرض تو نہیں بنتا کہ آپ کو ایک لمبے عرصہ کے لئے تمام سہولیات بمع مکان اور اخراجات کے مہیا کرے یہ تو ان لوگوں کے اعلیٰ اخلاق اور انسانی ہمدردی کے جذبات ہیں کہ آپ سب کو خوش آمدید کہتے ہیں اور حتی المقدور سہولیات بہم پہنچا رہے ہیں۔ مہمان تو صرف تین دن کا ہوتا

ہے اور یہاں آپ میں سے اکثر تین سال سے زیادہ عرصہ رہ چکے ہیں۔

اس میٹنگ کے بعد مجھے لجنہ ملائیشیا نے کہا کہ آپ نے اردو میں بہت باتیں کر لی ہیں اب ہماری لوکل لجنہ، عاملہ اور ممبرات جو 100 سے اوپر ہوں گی آپ سے انگلش میں کچھ باتیں کرنا چاہتی ہیں کچھ سوال وجواب بھی ہوں گے۔سو پروگرام کے مطابق مجھے ہوٹل سے لینے چند عاملہ ممبرز آئیں اور اپنی کار میں مجھے ساتھ لے کر مشن ہاؤس کے بڑے ہال میں جسے خوبصورت اور سجی دھجی کرسیوں پر بیٹھی ساری بہنیں جو اسی ملک کی تھیں موجود تھیں۔صدر صاحبہ قدسیہ جواہری نے کہا کہ آپ ہی کا انتظار تھا ہمارا باقی پروگرام ہو چکا ہے۔اب سارا وقت آپ کے لئے ہی ہے۔آئیں تقریر شروع کریں۔میں نے بسم اللہ پڑھ کر تشہد سے مافی الضمیر جو سوچ کر آئی تھی زبانی بولنا شروع کر دیا۔بچوں کی تربیت، ماؤں کی ذمہ داریاں اور اسلامی آداب سبھی کچھ بتاتی رہی۔آخر میں ایک بہن نے سوالات کا سلسلہ شروع ہونے پر ہاتھ کھڑا کر کے پوچھا کہ میرا جوان بیٹا ہے اور راتوں کو دیر سے گھر آتا ہے آنے پر اس کا باپ اس پر برس پڑتا ہے اور اس طرح ہم دونوں میں بھی جھگڑا ہو جاتا ہے کہ شکر کرو کہ وہ گھر تو آ گیا ہے۔ایسے میں کیا کرنا چاہیئے؟ یہ سوال بہت سنجیدہ اور اہم تھا اور بھری مجلس میں ایک ماں کو اس کی بچپن سے تربیت نہ کرنے پر سرزنش کرنا مناسب نہ تھا لیکن بہر حال میں نے منجملہ ممبرات کو اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ کے مطابق بچوں کی تربیت اور اصلاح کے لئے خود ماں باپ کو ان کے لئے رول ماڈل بننے کی طرف توجہ دلائی اور کئی مثالیں دے کر بتایا کہ آپ ہرگز وہ کام یا وہ بات ہرگز بچوں سے نہ کہیں یا کریں جو آپ خود نہیں کرتیں۔مثلاً نمازیں وقت پر باوضو ہو کر پڑھنا۔بچے ہوں تو ان کو ساتھ کھڑا کر لینا۔اگر مسجد قریب ہے تو باپ لڑکوں کو ساتھ لے جا کر مسجد میں نماز ادا کرے۔اور بچیاں گھر میں ہوں تو اپنی امی کے ساتھ نماز پڑھ لیں بلکہ جماعت کریں اس طرح سے اگر خدا کی یاد بچوں کے دل میں رچ جائے گی تو بچے کبھی نہیں بھٹکیں گے۔خدا کا پیار اس کا خوف دل میں ہے تو ہر کام میں اللہ ہی کا نام لیا جائے گا اس کے نام سے کام کریں اور شکر الحمد للہ پڑھ کر ہی پھر کریں آپ گھبرائیں نہیں بلکہ خود بھی اس فکر مندی پر دعائیں بہت کریں صدقہ بھی روزانہ بچوں کے لئے دیتی رہیں خواہ تھوڑا ہی ہو اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔انشاءاللہ۔

ان کے بعد ایک اور بہن نے یہ سوال مجھ سے کیا کہ کیا کبھی آپ کی اور ڈاکٹر صاحب کی Argue ہوتی ہے۔اس پر ہال میں قہقہہ اٹھا اور سب میرے جواب کے منتظر ہی تھے کہ بہنوں نے خود ہی جواب دے دیا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو۔ماشاءاللہ۔

یہ سوالات کا سلسلہ کافی دیر چلتا رہا اور میں اپنے علم کے مطابق جواب دیتی رہی۔آخر نماز ظہر کا وقت ہونے والا تھا بہنوں نے گروپ فوٹوز کی اجازت صدر صاحبہ سے لے کر میرے گرد گھیرا بنا لیا اور بعد میں باری باری عاملہ کی بہنوں نے بھی اجازت سے پردہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے تقریباً سبھی نے تصویریں لیں۔یہاں میں نے دیکھا کہ جماعت کو خلیفۂ وقت سے بہت محبت ااور قدر ہے اکثر مربی واقف زندگی اور اکثر چھوٹے بچوں کا تعارف مائیں ان کے وقف نو ہونے کا بتا کر دعا کی درخواست سے حضور سے کرنے کو کہتی ہیں۔ماشاءاللہ۔

اب میں تھوڑا سا تعلیم کے پروگرام کے بارے میں بھی بتاتی چلوں۔یہاں کل ملک میں 25 مجالس ہیں اور اب تعداد اتنی بڑھتی جا رہی ہے کہ جماعت نے 6 ریجن بنا کر کام کو اچھے رنگ میں کرنا شروع کر دیا ہے۔اس وقت لجنہ کی کل تعداد اڑھائی ہزار ہے اور ناصرات الاحمدیہ 3 ہزار ہیں۔ہمارے سکولوں کا کچھ مسئلہ ہے۔کئی سکول آن لائن ہیں اور Zoom پر سبھی پڑھائی ہوتی ہے۔پھر بھی جو سعی ان بچوں کی تعلیم کو آگے بڑھانے کے لئے ہونی چاہیئے وہ نہیں ہو رہی اس وجہ سے اکثر بچیاں مجھے گھبرا کر کہتی ہیں کہ ہم کیا کریں مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں مگر یہاں ایسا موقع نہیں بن پا رہا۔ان کے لئے بھی میں دعا کی درخواست کرتی ہوں کہ جلد کہیں جانے کا انتظام ہو جائے۔آمین۔

یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ہمارے قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ ملائشیا کی لجنات اور ناصرات حضور انور کے ارشاد پر محترم حافظ فضل ربّی

صاحب کی عالمی سطح پر جاری کردہ آن لائن قرآن کلاسز سے بھی پوری طرح استفادہ کررہی ہیں۔ یہاں ایک دن مجھے ایک محترمہ ناصرہ منور صاحبہ اپنی بیٹی کے ساتھ خاص طور پر ملنے آئیں بڑی سادہ اور معزز خاتون تھیں ان سے مل کر مجھے ملائیشیا کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوئیں جو اس سے پہلے آج تک کسی نے نہیں بتائیں تھیں۔ مختصر تعارف کے بعد انہوں نے بتایا کہ وہ یہاں تعلیم القرآن کی ہیڈ ہیں اور ماشاء اللہ حافظ فضل ربّی صاحب کے ذریعے ہدایات لے کر بچوں کو اور بڑوں کو قرآن کریم کا صحیح تلفظ سکھاتی ہیں اور باقاعدہ قرأت میں بھی ماہرانہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ پھر تو آپ کی اپنی قرأت بھی اچھی ہوگی کیونکہ میری بیٹی نے بھی ان کی کلاس پاس کی ہے اور وہ اچھی تلاوت کرتی ہے اور قرأت کے مقابلہ میں انعامات بھی لیتی ہے۔ ماشاء اللہ۔ اس پر میں نے ان سے تھوڑی سی تلاوت سنانے کی فرمائش کی جو انہوں نے بسم اللہ کر کے شروع کر دی۔ اللہ کے فضل سے بہت اعلیٰ اور صحیح تلاوت تھی جسے سن کر بڑا سرور حاصل ہوا۔ میں نے ان کی بچی سے بھی بات چیت کی کہ بیٹا آپ کیا کرتی ہیں۔ وہ کہنے لگیں میں قرآن کریم حفظ کر رہی ہوں۔ تین پارے حفظ کر چکی ہوں۔ اس ضمن میں مجھے بتایا گیا کہ ٹوٹل 700 لجنہ ہے جو ان کلاسوں میں حصہ لے رہی ہیں۔ 150 لجنہ ہیں جنہوں نے قرآن پاک صحیح تلفظ کے ساتھ باقاعدہ طور پر مکمل پڑھ لیا ہے اور ترجمہ بھی پڑھ رہی ہیں یہاں میں پھر کہوں گی کہ زبان دانی کا مسئلہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔ مدرسۃ الحفظ کا حافظ فضل ربّی سے ڈائریکٹ رابطہ ہے۔ اور اللہ کے فضل سے سترہ بچیاں حافظ قرآن بن رہی ہیں۔ بتایا گیا کہ ہماری دس کلاسز ہوتی ہیں۔ ماشاء اللہ۔ جس روز میں Kilang گئی وہاں کی جو صدر ہیں عظمٰی صاحبہ ان کی بچی ماشاء اللہ چودہ سال کی ہیں اور پورا قرآن کریم حافظ صاحب سے آن لائن سیکھ کر مکمل حفظ کر چکی ہیں۔ اس نے سکول کے انعامات کے ساتھ ''حفظ قرآن'' کا بھی انعام اور سرٹیفکیٹ مجھ سے لیا۔ دوسری بہت سی طالبات نے بھی میرے ساتھ الگ الگ تصاویر بنوائیں اور بعد میں صدر صاحبہ اور میرے ساتھ تصویریں کھنچوائی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حافظ فضل ربّی صاحب کو اپنی اس خدمت کا بہت بڑا اجر عطا کرے۔ آمین۔ اس بچی کی والدہ نے حافظ صاحب کے لئے ایک تحفہ بھی میرے ہاتھ بھجوایا ہے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ الۡجَزَاء۔ اَللّٰھُمَّ زِدۡ فَزِدۡ۔

محترمہ ناصرہ منور صاحبہ نے جو قرآن کلاس کی ہیڈ ٹیچر ہیں یہ بھی بتایا کہ ہم کلاس میں حضرت مسیح موعود کی 50 کتابیں آن لائن پڑھا کر بہنوں کو سمجھاتے اور دہرائی کراتے ہیں۔ 150 لجنہ ہیں جو ان کلاسوں میں باقاعدہ شامل ہوتی ہیں چونکہ یہ آن لائن کلاسز ہوتی ہیں اس لئے بہنوں کے لئے ان میں گھر بیٹھے شامل ہونا بہت آسان ہو گیا ہوا ہے۔

Last But not Least جو چیز مجھے بے حد خوشی دے گئی وہ یہ ہے کہ جب دس سال قبل میں پہلی بار ملائیشیا گئی تھی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ میں بڑی اجنبیت محسوس کرتی تھی۔ چند اسائیلم سیکر بہنیں میرے پاس مشن ہاؤس روزانہ ظہر اور عصر کی نماز کے بعد مشن ہاؤس آ کر میرے پاس بیٹھتیں اور اپنے اپنے حالات بتاتیں وہ نہایت درد بھرے اور پریشان کرنے والے ہوتے تھے۔ ان کی باتیں سن سن کر اس قدر فکر مند ہو جاتی تھی کہ رات کو ہوٹل میں آ کر سو نہ سکتی اور نہ ہی ڈاکٹر صاحب سے Share کر سکتی تھی کہ وہ تو مجھ سے کہیں زیادہ احمدی بھائیوں کو جا جا کر دیکھتے، ملتے اور حالات سنتے اور ان کا حل سوچتے ہوئے تھوڑا سا سو ہی جاتے تھے۔ ایک دوسرے سے مشورہ بھی نہ کر پاتے تھے ہمارے پاس کوئی حل بھی تو نہ تھا۔ ایک روز میں نے اپنی ان بہنوں سے پوچھا کہ جب تک میں نہ آئی تھی آپ روزانہ کیا کرتی تھیں۔ اپنے گھروں میں؟ کہنے لگیں کچھ بھی تو نہیں آنٹی جان میرا نام رکھ کر روتیں اور مجھے بتاتی تھی کہ ہم بچوں کو سکول بھی بھجوا سکتے مردوں اور لڑکوں کو کام کاج کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر چھپ چھپ کر کوئی کرتا ہے اور پکڑا جاتا ہے تو قید میں ڈال دیتے ہیں۔ کام کرنا جعلی فعل ہے۔ اجازت نہیں ہے۔ آپ ہی بتائیں ہم کیا کریں۔ ہم عورتیں گھروں میں ہی رہتی ہیں اور سوتی رہتی ہیں اور اب تو بیمار بھی ہونے لگی ہیں۔ دوائی بھی نہیں خرید سکتے۔ بہت کم الاؤنس دیتی ہے یہ حکومت ہم کو۔ مجھے اللہ ہی نے یہ سمجھایا کہ میری بہنو! خدا نے آپ

کو ہاتھ پاؤں دیئے ہیں اور چل پھر بھی سکتی ہیں ہمت کریں اور بہت سے کام ہیں جو آپ گھر بیٹھے بھی کرسکتی ہیں۔آپ سب سے پہلے دعا کر کے اور بسم اللہ کر کے اپنے بچوں کی تربیت پر زور دیں۔ ربوہ کے علاوہ پاکستان سے یہاں آ کر بھی آپ کو اسلامی ماحول مل گیا ہے۔زبان دانی کا مسئلہ آپ نے خود حل کرنا ہے۔ میں نے بار بار شروع میں بھی اس بات پر زور دیا اور اپنے گھر میں کھانا پکا کر آپ ہوٹل میں بیچ سکتی ہیں۔ کپڑے سی کر اپنی محنت سے آمد پیدا کرسکتی ہیں۔ایک دن یونہی بیٹھی باتیں کرتے کرتے مایوسی کے سائے ہٹانے کے لئے میں ایک ٹشو پیپر لے کر اس کو لفافے کی شکل میں فولڈ کر کے کہا کہ اگر آپ کو سموسے کھانے کا شوق ہے تو اس طرح سے میدے سے روٹیاں بنا کر یا پف پیسٹری بازار سے لے کر اس میں قیمہ اور آلو اور مٹر کی مکسچر بنا کر بھر کر تل لیں میں نے بتایا کہ افریقہ کے سموسے میں آپ کو بنانے سکھاتی ہوں جو میں نے خود ایک دن میں مسجد مورو گورو افریقہ کے افتتاح میں 300 بنا کر خوشی میں شامل ہوئی تھی۔تب تو میرے بچے بھی بہت چھوٹے چھوٹے تھے آپ لائیں میدہ اور قیمہ پیاز وغیرہ میں یہاں مشن ہاؤس میں ہی سسٹر لیلیٰ سے اجازت لے کر آپ کو سموسے بنانا سکھاتی ہوں۔ بہت سارے ہم بنالیں گے اور اس روز یہ میری طرف سے ٹی پارٹی ہوگی آپ کیک تو گھروں میں بناتی ہی ہیں۔ اگلے ہی روز سب مسجد کے قریب رہنے والی بہنوں نے اتفاق کیا اور سب کچھ مہیا کیا اور میں نے ایک چھوٹے سے ٹیبل پر جس پر سسٹر لیلیٰ جو مربی صاحب کی بیگم ہیں۔ بڑی خوشی سے ہمارے ساتھ تعاون کیا اور ساتھ شامل ہو کر ہمارا ہاتھ بٹایا۔اس طرح سے ہم نے ایک گھنٹہ سے کم وقت میں ہی سموسے تیار کر لئے اور مشن ہاؤس سے کچن میں فرائی کر لئے اور سب نے مل کر میز سجا کر کھائے اور لطف اندوز ہوئیں۔اس طرح سے بہت سی بہنوں نے سموسے بنانے سیکھ لئے اور میں نے کہا کہ اب آپ گھر میں بیٹھی سموسے بنا بنا کر کسی ہوٹل مینجر سے بات کر لیں اور فروخت کریں۔مناسب قیمت لگائیں اپنا خرچہ ضرور نکالیں اور اجرت بھی لیں اس طرح سے چند دنوں میں آپ کا کاروبار چل نکلے گا اور واقعی ایسا ہی ہوا ہے۔آج ان میں سے کئی بہنوں نے جو ابھی تک وہیں ہیں اور اپنے ریسٹورنٹ کھول رکھے ہیں اور جو بہنیں سلائی کا کام جانتی تھیں انہوں نے میری بات سنی کہ کام ہاتھ سے کرتی جائیں خواہ کھانا پکانا ہو یا سلائی کرنا ہو۔ذکرِ خدا سے اپنی زبان کو تر رکھیں۔اللہ کا شکر بھی کریں کہ اس جماعت نے آپ کو اتنی عزت بھی دی ہے اور پیار بھی دیتے ہیں۔ الحمدللہ۔اسی چیز کو آگے بڑھاتے ہوئے جماعت نے اور لجنہ نے مل کر تعاون کیا ان صلاحیتوں کو مزید بڑھا کر ایک چھوٹے ہال میں سوئنگ سنٹر کھول لیا اور جو بہنیں ماہر تھیں ان کو ٹیچر کی حیثیت سے بڑا بنا کر کام کروانا شروع کیا۔ جہاں ہماری بہنوں کو کام ملنے لگا جس کے لئے گورنمنٹ نے کام کی نوعیت کو دیکھ کر ہمیں گرانٹ بھی دینی شروع کر دی ہے۔اور باقاعدہ نام لیڈی ایاز سوئنگ سنٹر رکھ دیا یہ دیکھ کر تو میں اب حیران ہی رہ گئی اتنی ترقی کر رہی ہیں ہماری بہنیں۔رازق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر ہمتِ مرداں مددِ خدا کے تحت اللہ نے ان کو تین سنٹر کھولنے کی بھی توفیق عطا فرمادی ہے جو اب ملک بھر میں مشہور ہیں اور دور دور سے ان کو مختلف چیزیں بنانے کے لئے آرڈر آتے ہیں اور خاصی آمد کا ذریعہ بن گیا ہے۔اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ کی دعا کے ساتھ جو چیزیں بناتی ہیں ان کی فہرست بہت بڑی ہے۔آنسہ شکیل صاحبہ ان سنٹرز کی سرپرست ہیں بڑی محبت اور محنت سے بہنوں کو سکھاتی، حوصلہ بڑھاتی اور مدد بھی کرتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو جزا دے۔

جب اللہ کے فضلوں کی بارش ہوتی ہے تو دل اس کی حمد سے بھر جاتا ہے۔آپ کو علم ہی ہوگا کہ ہمارے پہلے مبلغ مولانا محمد حسین ایاز صاحب تھے۔ جماعت نے بچوں کی تعلیم کے لئے سکول بھی کھولے ہیں جہاں آج ان کی تقریب اسناد تھی۔کامیاب طلباء اور طالبات کو ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب نے انعامات اور 100 رنگٹ (جو یہاں کی کرنسی ہے) سندات کے ساتھ دیئے۔اور وہ سب جنہوں نے 75% سے زیادہ نمبر لئے ان کو میڈل بھی دیئے۔ اس طرح کے 5 سکول سارے ملک میں بنا کر جماعت اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کا خیال رکھ رہی ہے۔نہ صرف یہ بلکہ صحت وتندرستی کا بھی حتی المقدور خیال رکھے ہوئے ہے۔ایک چھوٹا سا میڈیکل سنٹر بھی کھول رکھا ہے جہاں سے معمول کے مطابق ایک ڈاکٹر صاحب مستقل کام کر رہے ہیں اور ہمارے

پناہ گزین بھائی بہنوں کو دوائیں مفت میں دی جاتی ہیں۔ نیز ہماری مخلص بہن سسٹر امۃ السلام جن کو ہم سب (UMI) کہتے ہیں کئی سالوں سے ہومیوپیتھی دوائیاں بنا کر اور مریضوں کی تشخیص کر کے مفت میں دینے کا کام کر رہی ہیں۔حضور (خلیفۃ المسیح الرابعؒ) کی تحریر کردہ کتب علاج بالمثل کو Follow کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اچھی سمجھ اور جذبہ دے رکھا ہے۔ بڑی سوچ اور سمجھ سے دوائیاں بنا کر لیبل لگا کر اور دوائیوں کے نام لکھ کر لفافوں میں بند کر کے دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم اور تجربہ میں برکت دیتا جا رہا ہے۔الحمدللہ۔ اس طرح سے بھی جماعت کی خدمت کا یہ بہترین انتظام ہے۔مشن ہاؤس کے پہلو میں ہی ان کو ایک چھوٹا سا کمرہ بنا دیا گیا ہے جہاں وہ اپنے مقررہ وقتوں پر موجود ہوتی ہیں۔ ہیں بھی بڑی خوش مزاج ۔الحمدللہ۔ ان کے گرد مریضوں کا دوا لینے کے لئے گھیرا لگا ہی دیکھا ہے میں نے تو۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس خدمت کی بہت جزا دے۔

لگے ہاتھوں اپنے مشکلات کے شکار بہن بھائیوں کی مدد کے لئے میں یہ بھی درخواست کروں گی کہ اگر ممکن ہو تو وقتاً فوقتاً وقفِ عارضی کے لئے حضور اقدس کی اجازت اور رہنمائی لے کر وہاں ضرور جائیں اور اس کارِ خیر میں حصہ لیں۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء اور ثواب حاصل کریں۔

ڈاکٹر افتخار صاحب کی خواہش تھی کہ وہ اپنے پچھلے امیر صاحب مرحوم جو چند یوم قبل وفات پا گئے ہیں۔ ان کی قبر پر دعا کے لئے ضرور حاضر ہوں اس کے لئے مصروفیت میں سے وقت نکالنا مشکل تو تھا ہی کیونکہ ہمارا احمدیہ قبرستان شہر سے کافی دور ہے۔ ایک اونچی پہاڑی پر بالکل پوری اونچائی پر موصیان کی قبریں ہیں۔ اور پھر درجہ بدرجہ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے سب کی قبروں پر دعائیں کرنے کا موقع جماعت نے بنا دیا اور تین چار کاروں میں ہم چار عورتیں تھیں باقی، مرد حضرات تھے۔ نئے امیر صاحب، مربی صاحب اور باقی بڑے معتبر بزرگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ ہم عورتیں تو ایک سو ساٹھ سیڑھیاں نہ چڑھ سکتی تھیں ہم کار میں ہی بیٹھی رہیں مرد حضرات سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ کچھ دیر بعد تو وہ بھی ہمیں دکھائی نہ دیتے تھے۔ اتنی اونچی پہاڑی تھی کہ پتھروں کی بنی سیڑھیاں بغیر سہارے اور Stick کے چڑھنا کچھ آسان کام تو نہ ہوا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ آپ نے ماؤنٹ کیل منجارو (Kilmjarov) کے بعد اتنی چڑھائی اتنے سالوں کے بعد بغیر سہارے کے کیوں کر سر کر لی کہنے لگے کہ بس ایک جذبہ ہی تھا جو مجھے چڑھنے کی ہمت اور طاقت دے رہا تھا۔ بتایا کہ 100 سیڑھیاں چڑھنے کے بعد قدرے سانس پھول گیا تھا اور بیٹھنے کی بھی کوئی جگہ نہ تھی اور ہمارے موصی مرحومین تو اس سے اوپر آرام فرما رہے تھے۔ لہٰذا ہمت کر کے خدام کے ساتھ میں بھی چڑھ گیا۔ الحمدللہ۔ دعا کے بعد دل کو تسلّی اور سکون ملا کیونکہ ان امیر صاحب کی قیادت میں کئی بار ملائیشیا آتے رہتے تھے۔ اس کے بعد واپسی پر ہماری صدر لجنہ صاحبہ نے، جنہوں نے ایک نیا ریسٹورنٹ کھولا ہے اس کی Opening کے لئے ہمارا ظہرانہ رکھا تھا کہ سیدھے ادھر ہی آ جائیں لہٰذا وہاں سے کچھ Refreshments لینے کے بعد دعا کروائی اور ہم نمازوں کے لئے مشن ہاؤس آ گئے اور پھر سیدھے اپنے ہوٹل آ گئے کہ رات کو کچھ پیکنگ کر لیں اور صبح سفر کی روانگی مشن ہاؤس سے ہی ہونا ہے۔ کثیر تعداد میں احباب جماعت اور لجنہ کی بہنیں اور بچیاں موجود تھیں اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے اور ڈاکٹر افتخار صاحب سے بچوں نے چاکلیٹ لیں اور مل مل کر ہاتھ ملاتے رہے اور دعائیں لیں۔ اس کے بعد لمبی دعا کے ساتھ ہم مشن ہاؤس سے رخصت ہوئے۔ سب ہمیں الوداع کہنے ائیر پورٹ پہنچے یہاں پھر وہی گروپس میں تصاویر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ جلد ہی فائنل کال آ گئی اور ہم اتحاد ائیر لائن کے کاؤنٹر سے گزر کر جہاز میں سوار ہو گئے اور لگے شکرانے کی دعائیں پڑھنے اور آگے سفر کے لئے بھی بہت دعائیں کرنے۔ اس جہاز کی یہ خاص بات دلچسپی سے خالی نہ تھی کہ ہماری فلائٹ میں ملی جلی رنگ و نسل کی ائیر ہوسٹس تھیں ایک سے میں نے پوچھا کہ آپ کہاں سے ہو؟ انگلش ہو؟ کہنے لگی نہیں میں Ukraine سے ہوں مجھے اسے دیکھ کر خوشی ہوئی۔ الحمدللہ۔ رازق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سفر خوشگوار گزرا۔ الحمدللہ۔ ہم اگلے دن حضور کی دعاؤں سے صبح 7 بجے بخیریت لندن میں اپنے گھر پہنچ گئے۔ الحمدللہ۔



حاصلِ مطالعہ

سو برس قبل 1924ء تاریخ کے آئینہ میں

نجم الثاقب کاشغری

تاریخ احمدیت سے

3 مارچ : حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم الاسلام مڈل سکول کاٹھ گڑھ کا سنگ بنیاد رکھا۔

23 مئی: آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کے لئے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی نے رسالہ ''اساس الاتحاد'' تصنیف فرمایا جس میں مسلم لیگ کے اراکین سے وسیع تر مفاد کی خاطر اندرونی دھڑے بازی ختم کرنے کی مؤثر اور کامیاب اپیل کی گئی۔

28 مئی: مشہور امریکی مستشرق پادری زویمر (Samuel Marinus Zwemer) کی قادیان آمد۔ حضرت امام جماعت احمدیہ سے ملاقات۔

12 جولائی: ایران کی سرزمین میں سلسلہ احمدیہ کے مرکز کے قیام کی غرض سے شہزادہ عبدالمجید لدھیانوی صاحب کی روانگی۔

12 جولائی: حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کی ویمبلے (انگلستان) میں مذاہب عالم کانفرنس میں شرکت کے لئے قادیان سے روانگی۔ 16 جولائی: حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بمع قافلہ بمبئی (موجودہ ممبئی) سے بذریعہ بحری جہاز سفر کا آغاز۔

قاہرہ میں دو دن قیام کے بعد ارض فلسطین میں آمد اور تاریخی مقدس مقامات بشمول بیت المقدس اور مسجد عمر فاروق میں عبادات کی بجا آوری۔

حضور انور المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا: ''وہاں (فلسطین۔ ناقل) کے بڑے بڑے مسلمانوں سے میں ملا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ وہ مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے، مگر میرے نزدیک ان کی رائے غلط ہے۔ یہودی قوم اپنے آبائی ملک پر قبضہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔۔۔ قرآن شریف کی پیشگوئیوں اور حضرت مسیح موعودؑ کے بعض الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ضرور اس ملک میں آباد ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔۔۔ پس میرے نزدیک مسلمان رؤساء کا یہ اطمینان بالآخران کی تباہی کا موجب ہوگا۔''

4 اگست: حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی بمع قافلہ حیفا سے بذریعہ ریل دمشق آمد۔

17 اگست: حضور انور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روما میں آمد۔ چار روزہ قیام کے دوران اٹلی کے وزیر اعظم مسولینی سے ملاقات۔

31 اگست: افغانستان میں مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی بذریعہ سنگساری دردناک شہادت بعمر 34 سال۔

19 ستمبر: وصال حضرت میر ناصر نواب صاحب۔ آپؓ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے خسر اور صحابی تھے۔

22 ستمبر: حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی ویمبلے کانفرنس میں شرکت۔ آپ کا بے نظیر مضمون پڑھ کر سنایا گیا۔ یہ مضمون کانفرنس کے لئے حضور انور کی تحریر فرمودہ خصوصی تصنیف ''احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' کا انگریزی خلاصہ تھا جسے ''سلسلہ احمدیہ'' (Ahmadiyya Movement) کے عنوان سے حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب نے پڑھ کر سنایا۔

3 اکتوبر: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ویمبلے کانفرنس کے آخری اجلاس میں اردو میں خطاب فرمایا۔

19 اکتوبر: حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے مسجد فضل لندن کا سنگ بنیاد رکھا۔

24 نومبر: حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا کامیاب بیرون ملک دورہ سے واپسی پر قادیان میں ورود مسعود۔

8 دسمبر: مولوی ظہور حسین صاحب ایران سے بخارا کے لئے عازم سفر ہوئے اور وہاں پہنچتے ہی جاسوسی کے شبہ میں ناحق گرفتار کر لئے گئے۔ لگ بھگ دو برس کی اذیت ناک اسیری کے دوران ہی چالیس کے قریب قیدیوں کو احمدیت کی آغوش میں لا کر روس میں احمدیت کا پودا لگانے میں کامیاب ہوئے۔

10 دسمبر: وفات حضرت امۃ الحیٔ بیگم صاحبہ حرم حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی۔

20 اور 21 دسمبر: حضرت مولوی عبدالرحیم نیر صاحب مبلغ بلاد یورپ و مغربی افریقہ نے سلسلہ احمدیہ میں پہلی بار "میجک لینٹرن" کے ذریعہ تبلیغی تصاویر دکھانے کا مفید سلسلہ شروع کیا۔

واضح رہے کہ میجک لینٹرن (magic lantern) ایک طرح کا سلائیڈ پروجیکٹر تھا جو سترہویں صدی میں ڈچ سائنسدان (Christiaan Huygens) نے ایجاد کیا تھا۔ اسے شمع جلا کر روشن کیا جاتا تھا۔

سنہ 1924ء میں قرآن مجید کا گورمکھی زبان میں ترجمہ شائع ہوا (از جناب شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور)۔

اسی سال حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب ''دعوۃ الامیر'' تصنیف فرمائی۔ یہ کتاب حضرت مصلح موعودؓ نے امیر امان اللہ خان فرمانروائے افغانستان کے لئے اس زمانے میں بطور اتمام حجت بصورت مکتوب تحریر فرمائی تھی۔

احمدیہ مسجد لاہور کی تعمیر کا آغاز بھی 1924ء میں ہوا۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد چہارم ایڈیشن 2007ء مرتبہ دوست محمد شاہد)۔

تاریخ اقوامِ عالم سے

11 جنوری: یونان میں بادشاہت کا خاتمہ اور ری پبلک کا قیام۔

21 جنوری: روسی انقلابی لیڈر ولادیمیر لینن کا 53 برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

25 جنوری: پہلے سرمائی اولمپک کھیلوں کا فرانس میں انعقاد ہوا۔

2 فروری: ترکی کی پارلیمنٹ نے باضابطہ طور پر خلافتِ عثمانیہ کے اختتام کا اعلان جاری کر دیا۔ خلافت عثمانیہ کا کل دورانیہ چار صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ پر محیط رہا۔

21 فروری: زمبابوے کے پہلے سیاہ فام صدر رابرٹ موگابے پیدا ہوئے۔

24 فروری: مہاتما گاندھی جنوبی افریقہ میں جیل سے رہا ہوئے۔

27 مارچ: کینیڈا نے سابق سوویت یونین کو سرکاری طور پر تسلیم کرلیا۔

31 مئی: چین نے بھی سابقہ سوویت یونین کو تسلیم کرلیا۔

13 جون: فرانس میں پہلا پروٹیسٹنٹ صدر منتخب ہوا۔

15 جون: فورڈ موٹر کمپنی نے ایک کروڑ گاڑیاں تیار کرنے کا سنگ میل عبور کرلیا۔

26 جون: امریکہ نے عرصہ 8 سال بعد ڈومینیکن ری پبلک سے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔

20 جولائی: ایران میں مشتعل ہجوم نے ایک شبہ کی بنیاد پر امریکی نائب کونسلر رابرٹ امبری کو تشدد کا نشانہ بنا کر مار ڈالا جس کے بعد مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔

16 اگست: نیدرلینڈز اور ترکی کے مابین امن معاہدہ پر دستخط ہوئے۔

23 اگست: دسویں صدی عیسوی کے بعد پہلی مرتبہ سیارہ مریخ زمین سے نزدیک ترین فاصلہ پہ آ گیا۔

3 ستمبر: چین میں خانہ جنگی چھڑ گئی۔

13 اکتوبر: حجاز و مکہ پر سعودی افواج کا بلا مزاحمت قبضہ۔ شاہ عبدالعزیز ابن سعود نے اپنے خادم حرمین شریفین ہونے کا اعلان کر دیا۔

24 اکتوبر: دل کی ای سی جی ریکارڈ کرنے پر ڈچ محقق ولیم آئن دوون (Willem Einthoven) کو نوبل انعام ملا۔

30 نومبر: ریڈیو سگنل کے ذریعہ پہلی تصویری فیکس (photo facsimile) لندن سے نیو یارک بھیجی گئی۔

11 دسمبر: چیانگ کائی شیک کی فوج نے ہان کو (.Hankou) پر قبضہ کر لیا۔

12 دسمبر: مراکش سے ہسپانوی فوجوں کا انخلاء ہوا۔

20 دسمبر: جرمنی میں ایڈولف ہٹلر جیل سے رہا ہوا جسے حکومت کا تختہ الٹنے اور غداری کے الزام میں پانچ سال قید کی سزا سنائی گئی تھی لیکن 9 ماہ بعد ہی اسے آزاد کر دیا گیا۔ 9 ماہ کی قید کے دوران ہٹلر نے اپنی آپ بیتی "میری جدوجہد" (Mein Kampf) تصنیف کی۔

30 دسمبر: مشہور ماہر فلکیات ایڈوِن ہبل (Edwin Hubble) نے امریکی فلکیاتی کانفرنس میں باضابطہ طور پر اعلان کیا کہ ہماری کہکشاں کے علاوہ خلاؤں میں اور بھی کئی کہکشائیں (galactic systems) موجود ہیں۔

واضح رہے کہ موجودہ زمانے کی سب سے بڑی خلائی دوربین (The Hubble telescope) انہی سے منسوب ہے۔ جس نے ہماری کہکشاں سے ورے موجود کہکشاؤں کے بہت سے اسرار و رموز پر سے پردے اٹھائے ہیں۔ (ماخوذ از (https://www.historic-newspapers.co.uk/blog/1924-timeline)۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت نواب محمد علی خان صاحب ؓ کے نام مکتوب میں اس دعا کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں

’’اے رب العالمین! تیرے احسانوں کا میں شکر نہیں کر سکتا۔ تو نہایت ہی رحیم و کریم ہے اور تیرے بے غایت مجھ پر احسان ہیں۔ میرے گناہ بخش تا میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ میرے دل میں اپنی خاص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے۔ مَیں تیری وَجہِ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو۔ رحم فرما اور دنیا اور آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ آمین ثم آمین‘‘

(الحکم 21 فروری 1898ء جلد نمبر 2 نمبر 1۔ ملفوظات جلد اوّل صفحہ 103)

شذرات

مرتبہ ذوالکفل اصغر علی بھٹی ایڈیٹر قندیل حق

1۔''مولوی فضل الرحمٰن کی پارٹی کے وزیر اتنی کرپشن کرتے ہیں کہ حدیں توڑ دیتے ہیں''



جیو نیوز کے سابقہ مشہور اینکر اسد اللہ خان نے اپنے حالیہ ویلاگ میں بیگم جگنو محسن صاحبہ اور مولوی فضل الرحمٰن صاحب کی ایک ویڈیو نشر کی ہے جس میں جگنو محسن صاحبہ انٹرویو کرتے ہوئے مولوی صاحب سے پوچھتی ہیں کہ'' وہ کیا بات تھی ایک دفعہ آپ ہمارے گھر آئے تھے اور نجم سیٹھی صاحب سے آپ نے کہا تھا کہ نجم صاحب یہ جو بڑے بڑے سفیر ہیں ان کو بتائیں ناں ہم بھی بڑے ماڈریٹ مسلمان ہیں ہمیں وزارت عظمٰی کا چانس دیں سر وہ کیا بات تھی۔مولوی صاحب اس بات کو ہنس کر ٹال دیتے ہیں پھر وہ پوچھتی ہیں کہ آپ کے ذرائع آمدن کیا ہیں تو اس پر مولوی صاحب گویا ہوئے کہ ہمارے ذرائع آمدن غیبی امداد ہیں۔اس پر پھر اسد اللہ صاحب تبصرہ کرتے ہیں کہ۔ذرائع تصدیق کرتے ہیں کہ فروری 2024 کے الیکشن میں مسلم لیگ نے اسی بناء پر مولوی فضل الرحمٰن سے انتخابی اتحاد سے انکار کر دیا حالانکہ اس سلسلہ میں مولوی صاحب خود نواز شریف صاحب سے ملے بھی ہیں۔مسلم لیگ نواز ایم کیو ایم سمیت کئی دیگر پارٹیوں سے اتحاد کر چکی ہے مگر مولوی صاحب کی پارٹی سے یکسر انکار کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ سامنے آئی ہے کہ مولوی صاحب کی پارٹی کے وزیر کرپشن کی انتہا کر دیتے ہیں اور جواب بعد میں ہمیں دینا پڑتا ہے کرپشن میں غدر مچا دیتے ہیں۔یہ باقاعدہ پارٹی میں ڈسکس کیا گیا کہ سرحد سمیت کہیں بھی ان سے اتحاد نہیں کرنا سوائے اس کے کہ کوئی قیامت آ جائے۔اس لئے ان سے کوئی سیٹ ایڈجسٹمنٹ نہیں کی گئی۔

https://www.youtube.com/watch?v=UsMcXyEG2PM&t=576s

تبصرہ قندیل حق

جی یہ وہی مولوی صاحب ہیں جن کا گلہ کبھی بے نظیر صاحبہ نے بھی کیا تھا اور نصیر اللہ بابر صاحب نے کہا تھا کہ اسے سٹیٹ بینک کی چابیاں تھما دیں۔جی یہ وہی صاحب ہیں جن کے بارے میں کسی زمانے میں انصار عباسی صاحب حامد میر کے پروگرام میں ہزار ہا ایکڑ کرپشن کی زمین کے ثبوت پیش کیا کرتے تھے اور جی ہاں یہ وہی بزرگ ہیں جن کو بقول ایک مفتی صاحب جنرل باجوہ گالیاں دے رہے تھے اور بقول اوریا مقبول جان صاحب یہ پیسے کی خاطر تو اپنے باپ کی بھی مخبریاں کیا کرتے تھے اس لئے مسلم لیگ کو شائد اب سمجھ آئی ہے زرداری صاحب کو تو بہت پہلے آ گئی تھی مگر کیا کیا جائے اس حمام میں نہانے کا یہی اصول ہے۔

2۔جلیل مودودی صاحب کی اپنے دادا کے بارے پوسٹ



ادارہ یہ پوسٹ بلا تبصرہ ہی پیش کرنا چاہتا ہے۔صرف اتنا عرض ہے کہ جلیل مودودی صاحب جس فرشتہ صفت انسان کو اپنا دادا بنا کر پیش کر رہے ہیں وہ واقعۃً فرشتہ سیرت انسان ہی تھے۔فلسطین اور عرب ممالک میں آپ کی خدمات اسلام رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی۔جناب جلیل مودودی صاحب!

1974 میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں جو وفد امام جماعت احمدیہ کے ساتھ داخل ہوتا تھا اور آناً فاناً حوالہ جات نکال کر اپنے امام کے ہاتھ میں تھما دیتا تھا یہ شیر جوان اس قافلے کا ایک نمایاں ممبر تھا۔یہ وہی بزرگ ہیں جو جب اپنے امام جماعت کے ساتھ داخل ہوتے تھے تو ان کے چہروں پر اللہ کے فضل سے مرعوبیت کی بجائے فاتحانہ شان ہوتی تھی جس پر مولانا شاہ احمد نورانی صاحب نے پریشان ہو کر سپیکر صاحب کو توجہ دلائی تھی کہ احمدیہ وفد ہمیں دیکھ کر مسکراتا ہے۔جی یہ وہی صالح مرد ہے جس کا ماہانہ رسالہ الفرقان کفر کے ایوانوں میں زلزلہ تھا۔جی ہاں اسی مبلغ اسلام کو امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خالد احمدیت کے خطاب سے نوازا تھا۔جی یہ کسی مودودی کے دادا نہیں بلکہ موجودہ امام مسجد فضل لندن جناب مولانا عطاالمجیب راشد صاحب کے والد گرامی جناب حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحب ہیں۔

3۔''قائداعظم کی موجودگی میں پہلی دفعہ پاکستان کا جھنڈا کراچی میں مولوی شبیر عثمانی نے لہرایا۔یہ سفید جھوٹ ہے''۔ڈاکٹر صفدر محمود

ڈاکٹر صفدر محمود صاحب نے اپنے فوت ہونے سے قبل آخری ایام میں مارچ 2022 میں ایک مضمون''قراردادِ پاکستان اور مخالفین کے بے بنیاد الزامات'' لکھا تھا۔جسے ماہنامہ بتول نے اپنی ویب سائٹ پر 30 مارچ 2023 کو اپ لوڈ کیا۔جس میں آپ لکھتے ہیں:

''ایک احراری مولوی صاحب مجھے ایک دہائی سے یہ طعنے دے رہا ہے کہ تمہارے قائداعظم کی تقریب حلف برداری میں تلاوت تک نہ کی گئی اور تمہارے قائداعظم نے برطانوی حکومت سے وفاداری کا حلف اٹھایا۔دوسری طرف منشی عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب میں یہ دعویٰ کر دیا کہ قائداعظم نے پاکستان کی پہلی پرچم کشائی مولانا شبیر عثمانی سے کروائی۔ریٹنگ کے اسیر اینکر پرسنوں اور کالم نگاروں نے قائداعظم کو اسٹیج پر رکھی کرسی پر بٹھا دیا پھر اٹھا دیا۔میں نے سچ کا کھوج لگانے کے لیے ان گنت کتابوں اور دستاویز کا مطالعہ کیا۔ثابت ہوگیا کہ تلاوت قرآن مجید نہ کرنے کا الزام غلط، پرچم کشائی مولانا عثمانی سے کروانے کا دعویٰ بے بنیاد، کرسی پر بیٹھنے اٹھنے کا افسانہ جھوٹ اور برطانیہ سے حلف وفاداری بہت بڑا بہتان ہے۔''

https//:batool.com.pk/

تبصرہ قندیل حق

ڈاکٹر صفدر محمود صاحب یوں تو سرکاری تاریخ نویس تھے اور آپ نے پوری زندگی قائداعظم کے ہاتھ میں تسبیح، لوٹا اور مصلیٰ تھمانے میں گزار دی مگر اللہ نے آپ کے منہ سے بھی حق بات نکلوا ہی دی۔ورنہ بنوری ٹاون سے شائع ہونے والا رسالہ تو ہر چوتھی اشاعت میں جھنڈا لہرانے کا جھنڈا کسی مولوی کے ہاتھ میں دیتے نظر آتے ہیں۔ جناب وجاہت مسعود صاحب نے اپنے ایک کالم میں دیوبندی علماء کی جناب قائداعظم سے خودساختہ رشتہ داری پر طنز کرتے ہوئے لکھا تھا کہ''مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کا ذکر کیا تو ایک محترم بھائی کو سخت اختلاف ہوا۔اپنے ردعمل میں انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ قائداعظم نے وصیت کی تھی کہ مولانا شبیر احمد عثمانی ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔قائداعظم کی اس وصیت کا کوئی ثبوت، کوئی حوالہ دینے کی البتہ زحمت

نہیں کی گئی۔شبیر احمد عثمانی صاحب کے عقیدت مندوں میں اس قسم کے دعاوی کا رجحان بہت غالب ہے۔جون 2013 میں الجامعہ دارالعلوم کراچی کے سربراہ مفتی محمد رفیع عثمانی نے واہ آرڈیننس فیکٹری کی ایک مذہبی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قائداعظم محمد علی جناح ،مولانا شبیر احمد عثمانی کو اپنا باپ کہتے تھے۔رفیع عثمانی صاحب سے استفسار کیا گیا کہ اس بیان کا کوئی حوالہ،کوئی شہادت؟ بابائے قوم نے شبیر احمد عثمانی کو یہ رتبہ کب اور کہاں عطا فرمایا؟ قائداعظم کی ذات ایک کھلی کتاب ہے۔وہ حد درجہ خوددار، زبان و بیان کے معاملے میں غایت درجہ محتاط اور کم آمیز انسان تھے۔قائداعظم 1876ء میں پیدا ہوئے تھے۔شبیر احمد عثمانی کی ولادت 1886 کی ہے۔قائداعظم سے بعید ہے کہ انہوں نے کبھی اپنے سے دس برس چھوٹے شبیر عثمانی کو اپنا باپ سمجھا یا قرار دیا ہو۔اس نوع کے بیانات سے لازم آتا ہے کہ تحریک پاکستان میں اور قیام پاکستان کے بعد شبیر احمد عثمانی کے کردار کا ایک اجمالی جائزہ بھی لیا جائے تاکہ اہل پاکستان کو معلوم تو ہو کہ وہ ہستی کون تھی جسے بقول مفتی رفیع عثمانی بابائے قوم اپنا باپ کہتے تھے۔۔قائداعظم کی نماز جنازہ شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی تھی۔ایک روایت کے مطابق ان سے سوال کیا گیا کہ آپ نے قائداعظم کی نماز جنازہ کیوں پڑھائی۔تو انہوں نے جواب دیا کہ ” قائداعظم کا جب انتقال ہوا تو میں نے رات رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی۔رسول قائداعظم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں کہ یہ میرا مجاہد ہے۔۔۔یہ تو واضح ہے کہ ان سے نماز جنازہ سے متعلق سوال کرنے والا قائداعظم کے بارے میں حسن ظن نہیں رکھتا تھا۔مولانا نے ایسے کوتاہ اندیش کو دو ٹوک سیاسی انداز میں قائداعظم کے مرتبے سے آگاہ کرنے کی بجائے اپنے مبارک خواب کا ذکر کیوں کیا۔اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانی کا سیاسی موقف بابائے قوم قائداعظم کی دستوری اور سیاسی بصیرت سے متصادم تھا۔چنانچہ انہیں اپنے سیاسی موقف کا جواز تراشتے ہوئے خوابوں میں پناہ لینا پڑتی تھی۔“

شبیر احمد عثمانی۔۔۔خواب اور وصیت کے درمیان

وجاہت مسعود 23/06/2019 family, history, father, dictator, pakistan, health, India, Politics, litera ture

4۔ایک ایسی ہی فروری کی رات لفظ پاکستان کے خالق چوہدری رحمت علی کی لاچار موت۔منصور الدین فریدی۔نئی دہلی



”لفظ’پاکستان‘ کا خالق جب اللہ کو پیارا ہوا تو اس کا کوئی پیارا نہیں تھا۔وہ بے وطن تھا اور بے سہارا تھا۔کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔یہی نہیں ان کی جسد خاکی سات سمندر پار برطانیہ کے کیمبرج میں سترہ دنوں تک کولڈ اسٹوریج میں اپنوں کا انتظار کرتی رہی۔مگر کوئی نہیں آیا۔ایسا نہیں تھا کہ پاکستان کی تشکیل کو لمبا عرصہ گزر چکا تھا تو’چوہدری رحمت علی‘ انہیں بھول گئے تھے۔یہ واقعہ تشکیل پاکستان کے صرف تین سال بعد 1951 کا تھا۔حد تو یہ ہوئی تھی کہ جب جنازہ اٹھنے کا وقت آیا تو کفن دفن کیلئے پیسے بھی نہیں تھے۔20 فروری، 1951 کو دو مصری طلبہ کے ہاتھوں اس لاچار پاکستانی کو کیمبرج کے قبرستان کی قبر نمبر بی۔8330 میں لاوارث کے طور پر اماناتاً دفن کر دیا گیا جو کہ کیمبرج سمیٹری، مارکیٹ روڈ پر ہے۔۔دراصل چوہدری رحمت علی نے 1933ء میں برصغیر کے طلباء پر مشتمل ایک تنظیم پاکستان نیشنل لبریشن موومنٹ کے نام سے قائم کی۔اسی سال رحمت علی نے دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر اپنا مشہور کتابچہ’ابھی نہیں تو کبھی نہیں‘ شائع کیا تھا۔جس میں پہلی بار لفظ’پاکستان‘ کا استعمال کیا گیا تھا۔پاکستان دراصل پنجاب کے’پ‘ کشمیر کے’ک‘ اور سندھ کے’س‘ کے ساتھ بلوچستان کے’تان‘ کو ملا کر بنایا گیا تھا۔1935 میں انہوں نے کیمبرج سے ایک

ہفت روزہ اخبار نکالا جس کا نام بھی ''پاکستان'' تھا۔ رحمت علی 23 مارچ 1940ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے چونتیسویں سالانہ اجلاس میں لاہور واپس آنا چاہتے تھے لیکن چند روز قبل وزیر اعلیٰ پنجاب جناب سکندر حیات نے رحمت علی کے پنجاب میں داخلے پر پابندی عائد کر دی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ 6 اپریل 1948ء کو لاہور واپس آئے۔ رحمت علی پاکستان میں رہنا چاہتے تھے لیکن وزیر اعظم لیاقت علی خان نے انہیں ملک بدر کر دیا۔ ان کی جائیداد و املاک ضبط کر لی گئیں۔ اکتوبر 1948 میں انہیں خالی ہاتھ برطانیہ جانا پڑا۔ مگر ان کی موت کے بعد بھی درد بھری کہانی ختم نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان کی تدفین کیلئے کوئی نہیں تھا۔ نرسنگ ہوم میں لاش سترہ دنوں تک پڑی رہی تھی۔ مصری طلبہ نے ان کی تدفین کی۔ جس پر 200 پونڈ کا خرچ آیا تھا۔ لفظ پاکستان کا خالق اس قرض کا بوجھ اپنے کندھوں پر لے کر چلا گیا۔ جسے دو سال بعد پاکستانی حکومت نے ادا کر دیا تھا۔ سات دہائیوں کے بعد بھی لفظ پاکستان کا خالق دیار غیر میں چند گمنام مقبروں کے درمیان ابھی تک امانتاً دفن ہے۔''

www.urdu.awazthevoice.in/ www.urdu.awazthevoice.in/lifestyle-news/demand-for-transfer-of-the-tomb-of-the-word-creator-of-pakistan-from-britain-to-pakistan-958.html

قندیل حق کا تبصرہ

زندہ قومیں اپنے محسنوں کو یاد رکھتی اور نسل در نسل ان کے احسانات کو اپنے سینے پر سجانا اپنی شان سمجھتی ہیں۔ جبکہ ناہنجار اولاد اپنے اسلاف اور ماضی سے بھاگنا ہی اپنی خوبی قرار دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ آج قرارداد پاکستان کے خالق کو گالی دینا اور دلوانا مذہبی پنڈتوں نے سرکاری فریضہ بنالیا ہے تو نوبل پرائز سے نوازے جانے والی شخصیت کی قبر کے کتبہ پر سرکاری برش سے سیاہی پھیری جارہی ہے۔ ایک مخالف پاکستان احراری جناب رفیق احمد تارڑ کو صدر پاکستان بنایا جارہا ہے۔ تو شیعہ کو کافر قرار دینے والے صاحب کو خواب کی چھڑی کا سہارا دے کر جنازہ پڑھوایا جارہا ہے۔ جھنڈا لہرانے کا خود فریضہ گھڑ کر رائج کر لیا ہے اور ایک دیوبندی مولوی جو عمر میں قائد اعظم سے دس سال چھوٹا ہے اسے قائد اعظم کا باپ بنایا جا رہا ہے ۔ تو پھر کیا ہوگا وہی ہوگا جو ہو رہا ہے۔ نکاح نامہ پر بھی مولوی تصدیق کرے گا کہ تم مسلمان ہو کہ نہیں۔ قدم قدم پر حلفیہ بیان دو گے کہ تم مسلمان ہو کہ نہیں۔ انصاف کے انڈکس میں سب سے نیچے اور قبروں سے نکال کر مردوں سے جنسی تعلقات کرنے میں سب سے آگے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

5۔ تصورِ پاکستان کے خالق علامہ اقبال نہیں بلکہ لالہ لاج پت رائے تھے

مشور ویب سائٹ INDEPENDENT اردو جمعہ 14 اگست 2020 کی اشاعت میں درج ہے: اقبال کے خطبۂ الہ آباد سے کئی برس قبل تصورِ پاکستان پیش کرنے والے ہندو آریہ سماجی رہنما کون تھے؟ سجاد اظہر

علامہ اقبال نے 29 دسمبر 1930 کو الہٰ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں جو خطبہ دیا تھا اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے پاکستان کا تصور اس میں دیا گیا تھا۔ علامہ تب آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر تھے۔

اس خطبے میں علامہ نے کہا تھا کہ 'مسلمانوں کا یہ مطالبہ قطعاً منصفانہ ہوگا کہ ہندوستان کے اندر ایک مسلم انڈیا قائم کیا جائے میں دیکھنا پسند کروں گا کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ریاست میں ضم کر دیا جائے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ سیلف گورنمنٹ خواہ یہ سلطنتِ برطانیہ کے اندر ہو یا

سلطنتِ برطانیہ کے باہر ہو اور ایک مربوط شمال مغربی ہندی مسلم ریاست کی تشکیل بالآخر مسلمانوں کی یا کم از کم شمالی مغربی ہند کے مسلمانوں کی تقدیر ٹھہرے گی۔'

علامہ کے اس خطبے میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے کسی آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت کا تصور نہیں پیش کیا گیا تھا بلکہ ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق کے اندر ایک مسلم ریاست کا تصور دیا گیا تھا اس میں آسام کے مسلم اکثریتی علاقوں، بنگال اور کشمیر کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

اس لیے علامہ نے ڈاکٹر ایڈورڈ ٹامسن (جو برطانوی سکالر اور صحافی تھے اور ٹیگور کے انگریزی میں تراجم کر چکے تھے) کے نام 4 مارچ 1934 کو لکھے گئے ایک خط میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ 'پاکستان میرا منصوبہ نہیں ہے۔ جو تجویز میں نے اپنے خطبے میں پیش کی تھی وہ ایک مسلم صوبے کے قیام کی تجویز تھی جو آئندہ کی انڈین فیڈریشن کا حصہ ہو گا۔'

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ علامہ اقبال کے خطبہ الہٰ آباد سے چھ سال پہلے کانگریس کے صدر لالہ لاج پت رائے پاکستان کا تصور دے چکے تھے۔ 'پاکستان کی سیاسی تاریخ' از زاہد چوہدری میں درج ہے کہ 'لالہ لاج پت رائے نے 1924 میں لاہور کے ایک اخبار 'ٹربیون' میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں پہلی مرتبہ برصغیر کی فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم کا منصوبہ پیش کیا گیا تھا، جس کے مطابق مسلمانوں کی چار ریاستیں ہوں گی، صوبہ سرحد، مغربی پنجاب، سندھ اور مشرقی بنگال۔ اگر ہندوستان کے کسی اور علاقے میں مسلمانوں کی اتنی تعداد یکجا ہو کر ان کا صوبہ بن سکے تو ان کی بھی اسی طرح تشکیل ہونی چاہیے۔ لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ یہ متحدہ ہندوستان نہیں ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان واضح طور پر مسلم انڈیا اور غیر مسلم انڈیا میں تقسیم ہو گا۔'

اس منصوبے میں بلوچستان کا ذکر نہیں تھا۔ یہ حقیقت دلچسپی سے خالی نہیں کہ 1947 میں جو پاکستان وجود میں آیا وہ لالہ لاج پت رائے کے منصوبے کے عین مطابق تھا۔ اس لیے ایک رائے یہ بھی دی جاتی ہے کہ تصورِ پاکستان کا ابتدائی خالق علامہ اقبال نہیں بلکہ آریہ سماج کا ایک ہندو رہنما لالہ لاج پت رائے تھا۔ https://www.independenturdu.com/node/44281

تبصرہ قندیل حق



آپ لوگ تو حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان کے نام اور خدمات پر ڈالنے کے لئے لمبے لمبے غلاف سلوا رہے تھے مگر یہ کیا تاریخ کے طلباء تو نیا پنڈورہ بکس لئے آ پہنچے ہیں۔ اب تیرا کیا ہو گا کالیا؟

6۔ ''جب بھی عقل نے وحی الٰہی سے بے نیاز ہو کر انسانی خواہشات کا سامنا کرنے کی کوشش کی ہے اسے شکست اور رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔۔۔۔ مولانا زاہد الراشدی

''نسلِ انسانی کی تاریخ گواہ ہے کہ عقل کی کمزور لگام خواہشات کے منہ زور گھوڑے کو کسی دور میں بھی کنٹرول نہیں کر سکی اور انسانی خواہشات نے صرف اس وقت فطرت کے دائرے میں رہنا قبول کیا جب ان پر وحی الٰہی کی حکمرانی قائم ہوئی۔ وحی، عقل اور خواہشات کی طویل کشمکش کی پوری تاریخ پر نظر ڈال لیجئے، عقل کو انسانی خواہشات پر کنٹرول میں اسی وقت کامیابی ہوئی ہے جب اس نے وحی کی راہنمائی کو قبول کر کے اس کے معاون کے طور پر خواہشات کا مقابلہ کیا ہے۔ اور جب بھی عقل نے وحی الٰہی سے بے نیاز ہو کر انسانی خواہشات کا سامنا کرنے کی کوشش کی ہے اسے شکست اور رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ آج کا انسانی معاشرہ اس کی مکمل تصویر پیش کر رہا ہے۔۔۔ قتل و غارت، لوٹ مار، بھوک، جہالت، نسل، زبان اور علاقہ کی بنیاد پر منافرت، کنواری ماؤں اور ناجائز بچوں میں مسلسل اضافہ، خاندانی زندگی کی تباہی، رشتوں کے تقدس کی پامالی اور عزت و عفت کی بے حرمتی کے جو

مظاہر آج انسانی معاشرہ میں ہر طرف دکھائی دے رہے ہیں وہ کس کے پیدا کردہ ہیں؟ انہیں خواہشات نے جنم دیا ہے اور عقل انہیں جواز کے دلائل فراہم کرنے کے سوا کچھ نہیں کرسکی۔۔۔اس لیے عقل کا صحیح کردار یہی ہے کہ وحی کے دائرے میں پابند ہو اور اس کے احکام کی تعمیل کے لیے معاونت کرے۔اسلام خواہشات سے بھی انکار نہیں کرتا بلکہ وہ ترکِ خواہشات اور رہبانیت کو عبادت کا درجہ دینے کا روادار نہیں ہوا۔اسلام نے انسان کی ہر فطری خواہش کو تسلیم کیا ہے اور اس کی تکمیل کا حق دیا ہے لیکن خواہشات کی بے لگامی کو اسلام قبول نہیں کرتا اور خواہشات کو آسمانی تعلیمات اور وحی الٰہی کی ہدایات کا پابند دیکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس پابندی کے بغیر خواہشات کو کنٹرول کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے اور خواہشات کو کنٹرول کے دائرے میں رکھے بغیر معاشرہ میں امن وسلامتی کا قیام نہیں ہوسکتا۔ اسلام انسان پر خواہشات کی حکمرانی کا نہیں بلکہ خواہشات پر انسان کی حکمرانی کا قائل ہے۔اور اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو انسان اپنی خواہشات پر کنٹرول نہیں کرسکتا وہ انسانی فطرت پر قائم نہیں رہا۔اور خواہشات پر حکمرانی عقلِ محض کے ذریعے نہیں بلکہ وحی وعقل کے امتزاج اور توفیق الٰہی سے ہی قائم ہوسکتی ہے۔''

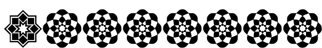
(بلبلاتا ہوا انسانی معاشر 18/11/2023 مضمون زاہد الراشدی مستقل کالم نوائے محراب زیر عنوان بلبلاتا ہوا معاشرہ روزنامہ اوصاف)

https://dailyausaf.com/urdu-columns/news-202311-1

تبصرہ قندیل حق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایسے ہی عقل کے اندھوں کو مخاطب کر کے بہت پہلے فرما چکے ہیں

''ضرورت الہام کو بیان کرنا اُس قوم کا کام نہیں ہے جو الہام کو کسی گذشتہ زمانہ تک محدود سمجھ بیٹھی ہے۔ کیونکہ جو چیز واقعی طور پر ضروری ہے اُس کی ہمیشہ اور ہر وقت ہمیں ضرورت ہے۔ اور اگر کہیں کہ پہلے زمانوں میں الہام کی ضرورت تھی اور اب نہیں ہے تو گویا ہم خود ضرورت الہام کے منکر ہیں۔ مثلاً ہمیں زندگی کے لئے سانس لینے کی ضرورت ہے پس نہیں کہہ سکتے کہ کل وہ ضرورت تھی مگر آج نہیں ہے اور آج ہم کسی دوسرے کو سانس لیتے دیکھ کر جی سکیں گے۔ بلکہ الہام ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جو خدا کو نزدیک کر کے ہمیں دکھلا دیتا ہے اور ہمارا رشتہ خدا سے محکم کر دیتا ہے اور ہم جیسے پہلے آسمان سے آئے تھے الہام دوبارہ ہمیں آسمان کی طرف لے جاتا ہے(روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 63)





تازہ کلام

مسجد ڈھائی دل ڈھایا تے ڈھایا پیار منارا
ظالم تیری بربادی دا عرشاں تیک نقارہ
بندیاں دا دل او کعبہ جس دے وچ رب رہندہ
اوہدا کھ نئیں رہندہ پنگا ایہدے نال جو لیندا
اپناں دے لئی بند ہویا ہر عزتاں والا دوارہ
نفرت والی رات انھیری ہر اک پاسے چھائی
ایسی مرض نہ جس دی ملدی دنیا وچ دوائی
مولا دے نال لڑدا تکیا اج نالی دا گارا
بھولی بھالی قوم نوں مُلاں پُٹھی راہے پایا
فرقے بازی ذات پات دا ہر تھاں بگل وجایا
بندے نال نہ بندہ رہ جائے مُلاں جی دا نعرہ
احمدیاں نال رب دی یاری کملے سمجھ نہ پائے
روز بشارت فتح دی بن کے سُکھ سُنیہڑا آئے
احمدیت اج عالم دے وچ سچ دا نام پیارا

بشارت احمد بشارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریب افتتاح



مسجد بیت الباسط، سری لنکا

مورخہ 27/اکتوبر 2023ء کو مسجد بیت الباسط پسیالہ، سری لنکا کا افتتاح عمل میں آیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعاؤں کے طفیل محترم سر ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب اور محترمہ لیڈی امتہ الباسط ایاز صاحبہ کو اس خوبصورت مسجد کی تعمیر کی توفیق ملی اور آپ بنفس نفیس مع اہل خانہ سری لنکا میں افتتاح کی اس بابرکت تقریب میں شامل ہوئے۔ پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے از راہ شفقت اس مسجد کے نام کیلئے محترم سر ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب کی بیگم محترمہ امتہ الباسط ایاز صاحبہ کے نام کی منظوری مرحمت فرمائی اور اس کا نام مسجد بیت الباسط رکھا گیا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے 1983ء میں اپنے دورہ سری لنکا کے دوران جماعت کو کینڈی روڈ پر ایک ایکڑ زمین خریدنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ بفضلہٖ تعالیٰ 1996ء میں جماعت کو یہاں 2 ایکڑ زمین خریدنے کی توفیق ملی۔ یہ زمین کولمبو سے قریباً 60 کلومیٹر دور کینڈی روڈ پر ایک قصبہ پسیالہ میں خریدی گئی تھی۔ وہاں اللہ کے فضل سے ایک مقامی مستعد جماعت ہے۔ شروعات میں اس جگہ پر پہلے سے موجود ایک چھوٹی سی پرانی عمارت کو ہی بطور مسجد استعمال کیا جاتا تھا۔ محترم ڈاکٹر سر افتخار ایاز صاحب انسانی حقوق کے معاملات کے سلسلہ میں

سری لنکا تشریف لے جاتے رہتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے سرڈاکٹر افتخار ایاز صاحب کو توفیق دی اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری سے نیز محترم ڈاکٹر صاحب کی مالی اعانت تقریباً سوا لاکھ پونڈ کی لاگت سے اب یہ ایک تین منزلہ خوبصورت مسجد مع مینار و گنبد بن کر تیار ہو چکی ہے۔اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر صاحب اور ان کے افراد خانہ کو ہمیشہ اپنے افضال و برکات سے نوازتا رہے۔آمین۔

مسجد بیت الباسط تین منزلہ عمارت پر مشتمل ہے جس کی ہر منزل کا ایریا 2700 سکیئر فٹ ہے۔اس میں دوسری منزل پر ایک گیسٹ روم، کچن اور کانفرنس ہال بھی موجود ہے۔800 افراد اس مسجد میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔

اس موقعہ پر مکرم نظام خان صاحب نیشنل صدر جماعت احمدیہ سری لنکا نے ایک تعارفی بیان بھی پیش کیا جو درج ذیل ہے:

’’پیارے محترم سر ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب، محترمہ لیڈی امتہ الباسط ایاز صاحبہ، قابل احترام معززین و احباب جماعت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

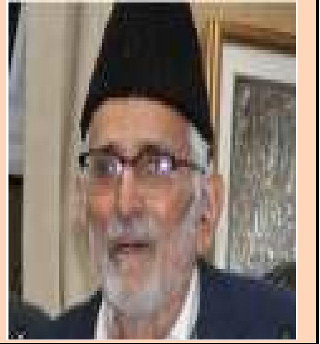
اللہ تعالیٰ کے فضل اور پیارے حضور کی دعاؤں کے طفیل ہم سب آج یہاں مسجد بیت الباسط کے افتتاح کی تاریخی تقریب میں اکٹھا ہوئے ہیں۔سب سے پہلے میں خدا تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں جس نے ہمیں اس کام کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔الحمدللہ۔

ہمارے لئے بڑے افتخار و عزت کی بات ہے کہ ہم قابل احترام سر ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب اور لیڈی امتہ الباسط ایاز صاحبہ کی بانفس نفیس موجودگی میں اس مبارک تقریب میں شامل ہیں۔میں یہاں یہ ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ہمارے پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ شفقت اس مسجد کے نام کیلئے محترم سر ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب کی بیگم محترمہ امتہ الباسط ایاز صاحبہ کے نام کی منظوری مرحمت فرمائی اور اس مسجد کا نام ’’مسجد بیت الباسط‘‘ رکھا گیا ہے۔لجنہ اماء اللہ کیلئے یہ بڑے فخر کی بات ہے اور ان معترضین کیلئے ایک سبق ہے جو اسلام پر عورت کو اہمیت نہ دینے کا الزام لگاتے ہیں۔...شروعات میں اس جگہ پر پہلے سے موجود ایک پرانی عمارت کو ہی بطور مسجد استعمال کیا گیا۔بعد ازاں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت کی تعمیل میں اللہ تعالیٰ نے سر ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب کو توفیق دی اور آپ کی مالی اعانت سے اب یہ ایک تین منزلہ عمارت مع مینار و گنبد بن کر تیار ہو چکی ہے۔اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر صاحب اور ان کے افراد خانہ کو ہمیشہ اپنے افضال و برکات سے نوازتا رہے۔آمین۔

اس موقعہ پر میں سبھی احباب جماعت جنہوں نے اس خوبصورت مسجد کی تعمیر میں تعاون کیا ہے، کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مسجد کو حقیقی عبادت گزار نمازی عطا فرمائے جن کی دعائیں دنیا میں اسلام و احمدیت کی ترقی کا باعث ہوں۔آمین۔‘‘

محترم صدر صاحب کے خطاب کے بعد محترم سر ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب نے مسجد کے نام کی تختی کی پردہ کشائی کی اور دعا کروائی۔بعد ازاں اس مسجد میں نماز جمعہ پڑھائی۔





آہ! عبدالسلام اسلامؔ بھی چل بسے۔

(ادارہ)

نام عبدالسلام۔تخلص اسلامؔ۔قدیمی تعلق انڈیا کے ضلع جالندھر سے تھا۔آپ کے والد صاحب کا نام چوہدری حشمت علی تھا۔اسلام صاحب کے والد محکمہ نہر میں پٹواری تھے۔انڈیا سے آپ کا خاندان سابقہ ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں رہائش پذیر ہوا۔عبدالسلام اسلام 1937ء میں پیدا ہوئے۔میٹرک کے بعد پرائیویٹ طور پر بی اے کیا۔کراچی میں ماڈرن موٹرز میں بحیثیت کیشئر ملازمت کی اس کے علاوہ لاہور، سانگلہ ہل اور گوجرانوالہ میں بھی سروس کے لئے مقیم رہے۔عبدالسلام اِسلام کا کلام الفضل،مصباح، انصاراللہ اور دیگر جماعتی پرچوں میں شائع ہورہا ہے۔آپ کا کلام الفضل انٹرنیشل میں بھی شائع ہورہا ہے۔آپ ریٹائرمنٹ کے بعد ربوہ میں رہائش پذیر رہے۔2015میں آپ برطانیہ تشریف لے گئے۔جہاں 7فروری 2024 کو وفات پائی۔آپ بہت ہی کہنہ مشق شاعر تھے۔اپنے جذبات کی عکاسی آپ نے بہترین طریقے سے کی ہے۔آپ کا کلام نمایاں اور پرجوش ہوتا ہے۔سلسلہ کے لئے ننگی تلوار تھے۔کھرے اور سچے مومن تھے۔۔خدا ان کو غریق رحمت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

نمونہ کلام شانِ قرآن پاک

قرآن وہ کتاب ہے جس کا نہیں جواب
اس کی تجلیات سے اُٹھتے ہیں سب حجاب
ہے نغمگی رَچی ہوئی الفاظ میں اگر
معنوں میں اس کے مضطرب آہنگ انقلاب
ہاں چھیڑتا ہے فطرتِ انسان کا ساز یہ
ہر آنکھ پر ہے کھولتا ہستی کا راز یہ
کیا دیکھے کوئی روشنی اُمّ الکتاب کی
کہ جس میں آب و تاب ہے صد آفتاب کی
ہستی کے کارواں کو ہے بانگ رحیل یہ
توصیف کیا کرے کوئی حق کے رباب کی
آیا ہے آسماں سے یہ پیغام زندگی
نوع بشر کے واسطے ہے جام زندگی
اس کے نکات نو بنو کُھلتے ہیں ہر سماں
ابلغ سطور اِس کی ہیں مانندِ کہکشاں
سوتے ہیں اِس سے پھوٹتے تازہ علوم کے
ایمان و معرفت کا ہے یہ چشمہ رواں
قرآن محیط لا جرم سارے علوم پر
خورشید حاوی جس طرح ماہ و نجوم پر
اہل عرب کو ناز تھا اپنی زبان پر
جاں تک لڑا وہ دیتے تھے زور بیان پر
اک امتیازی شان بھی اُن کے کلام میں
چھائے ہوئے تھے نطق سے سارے جہان پر
سوزِ کلام حق سے وہ ایسے بھسم ہوئے
غیروں کو کہتے تھے ''عجم'' وہ خود ''عجم'' ہوئے

یوں کھینچتا ہے نقشہ یہ عیب و حضور کا
جس میں نہیں شائبہ عیب و قصور کا
''بالغیب'' سے پہچانا ہے ''حق الیقین'' تلک
اعجاز کم نہیں ہے یہ قرآن کے نور کا
''مضطر'' اگر یہ کہتا ہے ''میرے مجیب سن''
اس کی صدا بھی آتی ہے ''اِنِّیْ قَرِیْب'' سُن!
لفظوں میں اس کے ہے بھری آواز دلگداز
پیغام اس کا عین ہے انسانیت نواز
اس کی نظر میں یکساں ہیں اقوام شرق و غرب
کرتا نہیں یہ اسود و احمر میں امتیاز
حاصل جو اس کا ''رحمت للعالمین'' ہوا
منسوب ملک و قوم سے یہ بھی نہیں ہوا
محدود اک جہان تک یہ بھی نہیں ہوا
تکمیل دین حق یہی، بنیاد بھی یہی
آئندہ دور کا مگر مناد بھی یہی
ہیبت زدہ دجال ہے گر اس کے سامنے
یاجوج اور ماجوج کا صیاد بھی یہی
تجدید دین حق کا سب ساماں اسی میں ہے
نوع بشر کے درد کا درماں اسی میں ہے
اُترا یہ نور، نور پر مبدائے نور سے
ہے نسبتِ اولیٰ جسے جلوۂ طور سے
وہ طور کا تجلی بھی مدغم اسی میں ہے
کہ چاند کچھ جدا نہیں سورج کے نور سے
یہ آفتاب ہے میرے ربّ رحیم کا
یہ جلوہء عظیم ہے مولا کریم کا

بقیہ صفحہ 140

مکرمہ مومنہ فرحت لائلپور
مکرمہ طیبہ رضوان صاحبہ
مکرمہ شاہدہ اعظمی صاحبہ
مکرمہ شاکرہ صاحبہ
مکرمہ درثمین طاہر صاحبہ۔
مکرمہ شگفتہ عزیز شاہ صاحبہ
مکرمہ تہمینہ ثمین صاحبہ۔
مکرمہ عظمیٰ محمود صاحبہ
مکرمہ شاہینہ کشور صاحبہ
مکرمہ انبیلہ رفیق صاحبہ
مکرمہ اکفیلہ خانم صاحبہ
مکرمہ اسعدیہ تسلیم سحر صاحبہ
مکرمہ برکت ناصر صاحبہ
مکرمہ بشریٰ بختیار صاحبہ
مکرمہ منصورہ فضل صاحبہ
مکرمہ ناصرہ کنیڈا صاحبہ
مکرمہ بشریٰ سعید عاطف
مکرمہ ناصرہ منیرہ صاحبہ
مکرمہ فوزیہ ظہیر فضا صاحبہ
مکرمہ فہمیدہ مسرت جرمنی
مکرمہ دیا جیم صاحبہ
مکرمہ افریدہ محمود صاحبہ
مکرمہ امت القدیر ارشاد
مکرمہ حسینہ بیگم صاحبہ
مکرمہ حمیدہ عفت صاحبہ
مکرمہ خاور افشاں صاحبہ

مکرمہ رفعت شہناز صاحبہ
مکرمہ رضیہ درد صاحبہ
مکرمہ راشدہ مبارکہ صاحبہ
مکرمہ سنجیدہ ثروت شاہجہان
مکرمہ سعیدہ بیگم اہلیہ شمس
مکرمہ امت الحفیظ شمیم
شاکرہ لطف الرحمن لکھنو
بیگم شمیمہ گوہر الدین صاحبہ
مکرمہ شاکرہ مطلوبہ خاتون
محترمہ صولت کیفی صاحبہ
مکرمہ صفیہ سحر صاحبہ
مکرمہ سیدہ طیبہ سروش صاحبہ
مکرمہ عابدہ روشن صاحبہ
مکرمہ فضل بیگم صاحبہ
مکرمہ فرخندہ اختر صاحبہ
مکرمہ سیدہ فریحہ ظہیر صاحبہ
صادقہ قمر منصورہ تحسین صاحبہ
مکرمہ مبارکہ مریم بریلوی
مکرمہ سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ
مکرمہ سیدہ منزہ بخاری صاحبہ
مکرمہ نجمہ عبدالرزاق صاحبہ
مکرمہ نزہت آرا بیگم صاحبہ
مکرمہ طیبہ صدیقہ صاحبہ

کل۔401



ضروری اعلان

خاکسار شعرائے احمدیت پر ایک کتاب مرتب کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ۔صاحب دیوان شعراء پر پہلے کام ہوگا۔ دیگر شعرا کا ذکر بھی ہوگا۔ان شاءاللہ۔

خاکسار نے نیچے شعراء کی ایک فہرست تیار کی ہے۔اہل علم احباب سے درخواست ہے کہ اگر اس فہرست میں کسی شاعر کا نام شامل ہونے سے رہ گیا ہو تو اُس کے بارے میں معلومات فراہم کروا کر ممنون فرمائیں۔تصاویر اور شعرا کا کلام ارسال فرمائیں ۔تا کہ کتاب جلد از جلد مرتب ہو سکے دعاؤں میں یاد رکھیں۔

خاکسار

رانا عبدالرزاق خان لندن

عاصی صحرائی

07886304637

عندلیبان خلافت۔شعرا کے نام

مرزا سلطان احمد صاحب

مرزا بشیر احمد صاحب

مرزا شریف احمد صاحب

مرزا خلیل احمد صاحب

مرزا حنیف احمد صاحب

مرزا رفیع احمد صاحب

حنیف ادیب صاحب

ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب

حضرت میر ناصر نواب

الف

عبدالحکیم اکمل صاحب

بابو علی احمد صاحب

انور عبدالماجد صاحب

اسحاق اطہر خان صاحب

عبدالحکیم اکمل صاحب

شبیر احمد صاحب

اللہ دتہ صاحب گکھڑ

شیخ بشیر آزاد صاحب

تصور حسین اویس صاحب

خالد آفاقی صاحب

احسن اسمٰعیل گوجرہ

فیض اسلم صاحب

انور نظامی صاحب

عبدالحمید آصف صاحب

نعمت اللہ انور صاحب

نعمت اللہ گوہر صاحب

مرزا محمد اسماعیل چٹھی مسیح

یعقوب امجد صاحب

داؤد اسماعیل صاحب

الطاف بخاری صاحب

آصف محمود باسط صاحب 30

آصف ڈار صاحب۔

اکرام احسان صاحب

محمد سلیم اختر صاحب

خلیل احمد آذر صاحب

اصغر اکبر خاں کلانوری

شیخ اعجاز احمد سیالکوٹی

تسنیم اللہ بخش صاحب

امتیاز احمد خاں صاحب

مولانا محمد شفیع اشرف صاحب

آفتاب احمد شاہ صاحب

آدم چغتائی صاحب

اصغر خیالی صاحب

ابرا احمد ڈاکٹر صاحب

آسان مدبر دہلوی

اقبال صلاح الدین صاحب

ابن کریم صاحب

اختر اورینوی صاحب

اختر عبدالسلام صاحب

اختر غلام محمد صاحب

اسلام عبدالسلام صاحب

اکمل ظہور الدین قاضی صاحب

اثر جناب عزیز اللہ خان

اسلم ماسٹر محمد شفیع صاحب

آسان ماسٹر محمد حسن صاحب

جناب عبدالستار خاں شاہ آبادی

حکیم عبدالہادی مونگھیری

سعید احمد اعجاز صاحب

ایاز افتخار احمد سر صاحب

افضل محمد ترکی صاحب

اقبال مجیدی صاحب 60

اختر گوبند پوری صاحب

اختر غلام محمد صاحب

اختر آفتاب احمد صاحب

انور عبدالماجد صاحب۔

اکبر محمد رفیق صاحب
ابن آدم سبزواری صاحب
عامر امیر صاحب
احمد منظور صاحب ساہیوال
احمد ادریس سید صاحب
افضل محمد کنیڈا صاحب
منشی نعمت اللہ خان صاحب
اشرف محمد شفیع صاحب
احمد ملک نذیر صاحب
احسان اکرام پروفیسر صاحب
احمد سعید کنیڈا صاحب
حافظ سلیم احمد اٹاوی صاحب
انور نظامی صاحب
اللہ دتہ گھکھڑ صاحب
اکرم سرحدی صاحب

ب۔پ

ناصر احمد پرویز پروازی
احمد بشیر خاں صاحب
برکت علی لدھیانوی
شیخ بشیر آزاد صاحب
منظور بزمی صاحب
چوہدری بشیر احمد خاں صاحب
ظہیر الدین بابر صاحب
بابر عطا صاحب
بسمل عبید اللہ صاحب
بشارت احمد بشارت صاحب
بشارت ریحان صاحب
بسمل آفتاب احمد صاحب
بسمل فضل الرحمن بھیرہ
بشارت احمد خاں ناروے
بشارت جمیل صاحب

ت۔ث۔ٹ

تصور حسین اویس۔
ثاقب زیروی صاحب
اسرار الحق توقیر صاحب
ثاقب نواب خاں مرزا خانی
روشن دین تنویر صاحب
صوفی تصور حسین صاحب
ثاقب اکرم صاحب
خواجہ حنیف تمنا صاحب
توقیر احمد سید صاحب
عارف ثاقب صاحب

ج چ ح خ

حمید الحامد صاحب
جنید ہاشمی صاحب
خوشنود احمد صاحب
عبد الباسط خادم
عبد المجید ٹمبر مرچنٹ
خادم حسین خادم
حکیم خلیل احمد مونگھیری
عبد الحمید حمیدی صاحب
خلیل احمد خلیل قریشی صاحب
محمود حارث صاحب
مبشر خورشید صاحب
خادم یونس احمد صاحب
جیم جاذل صاحب
خلیل احمد خلیل قریشی صاحب
عبد السلام جمیل صاحب
پروفیسر شریف خالد صاحب

ط ظ

ظہور احمد صاحب
حکیم اسحق ظفر صاحب
طارق مرزا صاحب
مبارک احمد ظفر صاحب
طارق انور باجوہ صاحب
طاہر بٹ صاحب۔۔۱۲۶
طارق مجید صاحب
حمید اللہ ظفر صاحب
طالب فارسی صاحب
قاصد ظریف کراچی
سید ادریس عاجز صاحب
عبد العزیز منگلا صاحب
خواجہ عبید اللہ صاحب
حافظ عبید اللہ صاحب
عبد المجید ظفر صاحبؒ
قاضی محمد ظہور الدین امین پوری
صابر ظفر صاحب
طاہر نقاش صاحب
طاہر بٹ صاحب

ع،غ،ل،ف،ق

طفیل عامر صاحب
قدرت اللہ صاحبؒ
قاسم رامپوری صاحب
عبد الرحیم فانی صاحب
ابو العطا صاحب جالندھری
قریشی عبد الرحمن صاحب
قاضی محمد یوسف صاحب پشاور
عاصی غلام قادر منشی صاحب
عبد عبد الحکیم صاحب
عبد القادر صاحب کراچی
نجیب فہیم صاحب
میجر عبد الحمید یو ایس اے
عطاء اللہ عطا صاحب
مظفر احمد قمر صاحب
مولانا مبشر امریکہ صاحب
عزیز الرحمن منگلا صاحب
مبارک عابد پروفیسر صاحب
عبد العزیز منگلا صاحب
لئیق عابد صاحب۔۔۱۵۸
عبد العلی ملک صاحب
فیض اسلم جج صاحب
اسحاق عاجز صاحب
عارف عبد السلام صاحب
عامر خاں ڈاکٹر صاحب
علی محمد چوہدری صاحب
طاہر عدیم صاحب
عامر حسنی صاحب
عطا العزیز صاحب

ادریس عاجز صاحب
اطہر حفیظ فراز صاحب
عطاالحق صاحب
راجہ غالب احمد صاحب
فیض چنگوی صاحب
غلام نبی ناظر صاحب
انور ندیم علوی صاحب
سید محمد الیاس ناصر دہلوی
شیخ نصیر الدین احمد صاحب
حنیف ادیب پنڈی

ج، ح، خ

خالد آفاقی صاحب
عبدالحمید خلیق صاحب
شریف خالد چوہدری صاحب
شریف خالد پروفیسر صاحب
عبیداللہ علیم صاحب
عبدالجلیل عباد صاحب
عبدالمومن خواجہ صاحب
مکرم عبدالخالق صاحب
عبدالکریم خالد صاحب
جمیل الرحمن جمیل صاحب
خالد ساحل ملک صاحب
حافظ مبرور صاحب۔

د ڈ ذ ر

عبدالقادر دانش صاحب
دامن اباسینی صاحب
شیخ رفیع الدین صاحب
رشید صاحب صاحب
ڈاکٹر قدیر ریاض صاحب
روشن دین تنویر صاحب
عبدالرحیم درد صاحب
وقیع الزمان صاحب
ذوقی سید حسین صاحب
انصر رضا صاحب
رشید قیصرانی صاحب
راشد عطاء المجیب صاحب
طاہر زاہد صاحب
عبدالحمید رامہ صاحب
شیخ رحمت اللہ صاحب
م۔ن ۔ق۔ص۔ض
عاصی صحرائی صاحب
محمود کاشف صاحب
احمد مسعود حافظ سرگودھا
مولانا محمد صادق سماٹری
مظفر سمیع اللہ صاحب
مبشر طاہر پسرور
ڈاکٹر شیخ محمد حسنین
قیس مینائی ڈاکٹر محمد یعقوب
قدسی غلام رسول راجیکی
مختار شاہ جہان پوری
میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی
مظہر شیخ محمد احمد صاحب
غلام محی الدین صادق صاحب
اسلم صابر صاحب
محمود مبشر انڈیا صاحب
منصور احمد خالد ناروے
عثمان صدیقی صاحب
مقصود الحق صاحب
مرزا اللہ یار جوگی
منصور بی ٹی صاحب
مولوی نعمت اللہ صاحب
اسلم مجاہد شدھی صاحب
مستنصر قاہر صاحب
محمد صدیق صاحب امرتسری
انیس احمد نفیس جاپان
ناز مرزا محمد دین صاحب
مرزا ایم افضل صاحب کینیڈا
محمود احمد سید صاحب
نصیر احمد ابالوی صاحب
نعیم قدسی نبیرہ شاہ عجم
وسیم گرداسپوری
محمد یامین صاحب
عبدالغفار ناطق صاحب
بسم اللہ کلیم صاحب
صادق جنجوعہ صاحب
مقصود چوہدری صاحب کینیڈا
ناصر احمد سید صاحب
سید ناصر صاحب دہلوی
مولوی دلپذیر صاحب
عبدالصمد قریشی صاحب
مرغوب دہلوی صاحب
محمود احمد ناصر صاحب
مبارک صاحب مونگھیری
منیر باجوہ صاحب جرمنی
منظور احمد منظور منشی صاحب
عبدالمنان ناہید صاحب
مسعود چوہدری پی ایچ ڈی
احمد مبارک صاحب
صادق باجوہ صاحب
ظہور احمد ناصر صاحب
اعظم نوید صاحب
مبارک صدیقی صاحب
مبشر محمود صاحب
مبشر صاحب راجیکی
مصلح الدین صاحب راجیکی
مبارک عارف صاحب
مبارک احمد مبارک خان
راجہ نذیر احمد ظفر صاحب
عبدالخالق ناصر صاحب
میر انجم پرویز صاحب
عبدالکریم قدسی صاحب
ہادی مونس پروفیسر صاحب
ہادی علی چوہدری صاحب
منشی جھنڈے خاں صاحب

س ش

سہیل احمد لون صاحب
شیخ سلیم الدین دنیاپوری
شجاع اللہ عالمگیر صاحب

ستار شمس صاحب
سرور علی محمد صاحب لدھیانوی
شوق جالندھری صاحب
سمیع اللہ قریشی صاحب
سلطان ہارون صاحب
حبیب الرحمن ساحر صاحب
امین اللہ خان سالک صاحب
عبدالمنان شاد صاحب
شاہد اعظم صاحب گوجرہ
محمد اسمٰعیل قریشی صاحب
ڈاکٹر منظور احمد بھیروی۔
عنایت اللہ صاحب قادیان
سلیم صاحب شاہ جہان
ماسٹر محمد ابراہیم شاد صاحب
شیخ حسن شریف حیدر آباد
سرشار گورداسپوری
شبیر احمد چوہدری صاحب
ارشاد احمد شکیب صاحب
رحمت اللہ شاکر صاحب
عبدالرحمن شاکر صاحب
عبدالرشید شیدا صاحب گجراتی
سرفراز علی صاحب شاہجہانپوری
سجاد احمد صاحب قادیانی
جلال الدین شمس صاحب
حکیم محمد صدیق شمس صاحب
عبدالحمید شوق صاحب
شرافت اللہ خان صاحب

سید صادق حسین اٹاوی
شرما عبدالحمید صاحب
خوشی محمد شاکر صاحب
قیصر شیراز صاحب
سیف الرحمان صاحب
محمد ابراہیم شاد صاحب
سید ساجد احمد صاحب امریکہ
شاہد منصور صاحب
شیخ سلیم الدین سیف صاحب
مبشر شہزاد صاحب
ارشاد احمد شکیب صاحب
ساجد محمود رانا صاحب
سلیم کوثر صاحب
داؤد احمد ساجد قریشی
عبدالشکور شاکر کلیولینڈ
شائق نصیر پوری
شاکر علی امجد صاحب
شعیب ناصر صاحب
اسحاق ساجد صاحب
مضطر محمد علی صاحب
مشتاق بٹ صاحب
مدبر آسان صاحب
مقصود احمد منیب صاحب
محمود الحسن جنزل صاحب
مبشر راجیکی صاحب
فاروق محمود صاحب
منور احمد کنڈی صاحب

مہدی علی قمر صاحب

ک گ و ہ

مولانا ذوالفقار علی گوہر صاحب
منور علی کامل صاحب
مولوی ہدایت اللہ صاحب
الیاس احمد وقار صاحب
کرامت راج صاحب
عبدالقدیر کوکب
رشید قیصرانی
سید ہدایت اللہ ہادی

ن

کاشف نسیم صاحب
نسیم سیفی صاحب
شیخ نصیر الدین صاحب
سید الیاس ناصر دہلوی
محمد اسمٰعیل قریشی نادر
نسیم سیفی صاحب
نصیر احمد خاں پرفیسر صاحب
غلام نبی ناظر صاحب
انور ندیم علوی صاحب
افتخار احمد نسیم صاحب
فرید نوید صاحب گھانا
ناصر سید صاحب صاحب
نور الجلیل نجمی صاحب
نصیر احمد خان ڈاکٹر
نشور نور احمد صاحب

ض۔ف۔۔ر

ضیاء اللہ مبشر صاحب
فرحت ضیا صاحب راٹھور
ابراہیم فائق صاحب
حسن رہتاسی صاحب
ریحان منیر احمد صاحب
منظور احمد ریحان صاحب
راٹھور عبدالرحیم صاحب
رفیق اکبر صاحب
رشید احمد گجراتی صاحب
حافظ احمد اللہ خاں صاحب
توقیر احمد کراچی

شاعرات احمدیہ

نواب مبارکہ بیگم صاحبہ
صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ
صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ
مکرمہ امۃ الباری ناصر
مکرمہ فہمیدہ منیر صاحبہ
مکرمہ منیرہ ظہور صاحبہ
مکرمہ ارشاد عرشی ملک صاحبہ
مکرمہ افرزانہ فرحت صاحبہ
مکرمہ طاہرہ زرتشت ناروے
مکرمہ امت الرفیق ظفر صاحبہ
مکرمہ حمدی بیگم صاحبہ
مکرمہ شہناز اختر صاحبہ
مکرمہ امت الرشید بدر صاحبہ
مکرمہ نصرت تنویر صاحبہ



فلسطین پر نظم
(مبارک صدیقی)

اِس لئے بھی لہو سے میں رنگین ہوں
کوئی یورپ نہیں میں فلسطین ہوں
مجھ پہ بارُود کی کُھل کے بارش کرو
میرے وارِث نہیں ہیں، میں غمگین ہوں

جو ستاوَن ممالِک مسلمان ہیں
اُن سے کہنا شب و روز اَنگار ہیں
مُنہدِم چیختے پتھروں کے تلے
میرے بچوں کی لاشوں کے انبار ہیں

مجھ پہ میزائلوں کی وہ بوچھاڑ ہے
بھول جاؤ گے ہر عہدِ دارو رَسَن
تڑتڑاتی ہوئی گولیاں اِس قدر
چار لاشوں کو ملتا ہے بس اک کفن

کل بھی شہرِ غزہ شہرِ زِندان تھا
آج بھی ہم ہی مقتل میں مطلوب ہیں
وہ فلسطین ہو یا کہ کشمیر ہو
ایک مدت ہوئی دونوں مصلوب ہیں

گر بصیرت نہیں ہے، بصارت تو ہے
اپنی آنکھوں کو تم کھولتے کیوں نہیں
ہاتھ باندھے ہوئے ہیں، زبانیں تو ہیں
تم مرے قتل پر بولتے کیوں نہیں

جو ستاوَن ممالک مسلمان ہیں
اُن سے پوچھو کہاں عہد سارے گئے
کتنے بدبخت محصور و مجبور ہیں
ہم جو اپنوں کے ہوتے بھی مارے گئے

(جو ستاوَن ممالک مسلمان ہیں)
اُن سے کہنا کہ کل جب عدالت لگی
قاتلوں میں تمہارے بھی نام آئیں گے
اپنے ایٹم بموں کو بچا کے رکھو
روزِ مَحشَر تمہارے یہ کام آئیں گے

خوف کیسا ہمیں جنگ کا موت کا
جنگجو قوم ہیں اور جی دار ہیں
دُکھ مجھے یہ نہیں ہے اکیلا ہوں میں
دکھ ہے دُشمن کے ساتھی وفادار ہیں



مسجد بیت الاکرام Dallas، امریکہ



مسجد بیت الاسلام، آسٹریلیا